بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۱۳

اردو کا کلاسیکی ادب

نورتن

محمد بخش مہجور

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

طبع اول : دسمبر، ۱۹۶۲ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز)
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع (متن) : ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، لاہور
(سرورق) : زرین آرٹ پریس ، لاہور

فہرست مندرجات[1]

پہلا باب

---

۱ - یہ فہرست اصل کتاب میں درج نہ تھی ؛ جو عنوان طویل تھے ان کے خلاصے درج کیے گئے ہیں -

دوسرا باب

بدکار عورتوں کے چرتروں میں

تیسرا باب

داد خواہوں کے عدل میں

چوتھا باب

مصرع کہنے بادشاہوں اور گداؤں میں اور فی البدیہ شاعروں کے مطلع کرنے میں اور بادشاہوں کے چھمچھا کہنے میں اور کبیشروں کے کبت کرنے میں

پانچواں باب

ظریفوں کے لطیفوں میں

چھٹا باب

خردمندوں کی نقلوں میں

ساتواں باب

احمقوں کی نقلوں میں

آٹھواں باب

افیونیوں کی نقلوں میں

نواں باب

مقدمہ

از

خلیل الرحمان داؤدی

حالات مصنف

مختلف تذکرہ نگار | اردو کے کلاسیکی ادب میں 'نورتن' جتنی عظیم المرتبت معروف کتاب ہے اس کے مصنف کے حالات اتنے ہی پردۂ خفا میں ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کو ڈیڑھ سو سال کا زمانہ گزرتا ہے۔ ان ڈیڑھ سو سال میں کم و بیش پچاس کتابیں اردو شعراء اور نثر نگاروں کے حالات و وقائع پر شائع ہوئیں لیکن 'نورتن' کے مصنف 'محمد بخش مہجور' کا تذکرہ صرف پانچ چھ اصحاب نے کیا ہے؛ وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ چند باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ ان پانچ چھ تذکرہ نگاروں نے بھی مہجور کے حال میں دو دو چار چار سطریں ہی لکھی ہیں بلکہ مؤخر نے مقدم کی نقل ہی کی ہے۔ اب ان تذکرہ نگاروں کے بیانات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۱۔ سب سے پہلا بیان خود مصنف کا ہے جو 'نورتن' کے دیباچے میں ہے لیکن وہ بھی اتنا تشنہ ہے کہ اس سے مصنف کے والد اور استاد کے نام کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیے:

''**احوال خود:** سخن‌دان عیسیٰ نفس اور منشیان سخن رس پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ ہیچمدان دل پریشان محمد بخش نام متخلص بہ مہجور خلف حکیم خیراللہ مغفور، شاگرد میاں

جرأت مرحوم ہمیشہ نقل ہائے عجیب و قصہ ہائے غریب سے شوق رکھتا تھا . . . . .'' ('نورتن' مطبوعہ مفید عام پریس لاہور صفحہ ۳)

اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ محمد بخش مہجور کے والد حکیم خیراللہ اور ان کے اُستاد جرأت تھے اور اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ دونوں وفات پا چکے تھے ۔ اس کتاب کی تصنیف کا سال ۱۲۳۰ ہجری مطابق ۱۸۱۴ء ہے ۔ جرأت کا انتقال ۱۲۲۴ھ میں ہو چکا تھا ۔ یہ تو ہمیں پہلے سے معلوم تھا لیکن عبارت مرقومہ بالا سے یہ انکشاف ہوا کہ مہجور کے والد حکیم خیراللہ کا انتقال ۱۲۳۰ ہجری سے قبل ہو چکا تھا ۔ بس مہجور کے بیان سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا ۔

۲۔ مہجور کے سلسلے میں سب سے قدیم تذکرہ نگار ان کے معاصر مصحفی ہیں جو ''ریاض الفصحا'' (تالیف ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۳۶ھ) میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''شیخ محمد بخش ، مہجور تخلص ، خلف حکیم خیراللہ کہ مشارالیہ در فتح پور استقات می داشت و از چند سال بحسب اتفاق آبخور در لکھنؤ آمدہ بہ محلہ نقی گنج توطن گزیدہ ، جوان ظریف الطبع و مہذب الاخلاق است ۔ از ابتدائے شباب سرے بہ گفتن شعر بودش و آں روزہا بہ شاگردیٔ جرأت سر مباہات می افراخت و حالاہم از مستفید انش شمردہ می شود ۔ اگرچہ بہ فقیر ہم اعتقادے از مدت داشتہ و میدارد دو سہ کتاب در زبـان اردوئے ریختہ شکر آمیختہ از خامۂ فکرش رونق سواد پزیرفتہ و دوستان معنی پرست اکثر نقل ہایش برداشتہ

برطاق دلش جا دادند ۔ عمرش چهل و پنج ساله خواهد بود ، ازدست!. . . . .'' (ریاض الفصحا ، مؤلفه مصحفی، مطبوعه انجمن ترقیٔ اردو ، صفحه ۳۱۶ ، ۳۱۷)

مہجور کے سلسلے میں مصحفی کا بیان سب سے زیادہ جامع ہے ۔ اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوگئیں ، مثلاً :

(الف) محمد بخش مہجور شیخ تھے، سید نہ تھے جیسا کہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے اور ان کا آبائی وطن فتح پور تھا اور چند سال سے لکھنؤ میں قیام پزیر تھے ۔

(ب) آغاز شباب سے شعر کہتے تھے اور جرأت کے شاگرد تھے ۔

(ج) اس تذکرے کی تالیف (اتمام، ۱۲۳۶ھ) کے وقت تک اردو زبان میں ان کی دو تین کتابیں منظر عام پر آ چکی تھیں اور وہ کتابیں ''دوستان مغی پرست'' کو حد درجہ مرغوب تھیں ۔

(د) اس تذکرے کی تالیف (اتمام، ۱۲۳۶ھ) کے وقت مہجور کی عمر ۴۵ سال کی تھی ۔ اس سے مہجور کی پیدائش کا زمانہ ۱۱۹۱ھ کے قریب کا متعین ہو جاتا ہے ۔

مہجور کے سن ولادت کے سلسلے میں اور کوئی شہادت ہمارے پاس نہیں ہے ۔

۳ ۔ مصحفی کے بعد عبدالغفور خان نساخ کا نمبر آتا ہے ۔

نساخ نے اپنا تذکرہ 'سخن شعراء' بارہ سال کی محنت کے بعد ۱۲۸۱ھ میں تمام کیا لیکن اس میں اضافے ۱۲۸۸ھ تک کرتے رہے ۔ ''سخن شعراء'' میں مہجور تخلص کے ۶ شاعروں کا تذکرہ ہے ۔ محمد بخش مہجور کے علاوہ دوسرے اصحاب یہ ہیں : مہجور خاں مہجور ، محمد صدر الدین مہجور ، پنڈت شیو پرشاد مہجور ، مرزا ہدایت علی مہجور اور اقبال الدولہ نواب عنایت حسین خاں مہجور ۔

شیخ محمد بخش مہجور کا حال سب سے زیادہ ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے :

''مہجور تخلص حکیم شیخ محمد بخش ، شاگرد جرأت ولد حکیم خیراللہ ، وطن ان کا فتح پور ہنسوا ، مولد و مسکن لکھنؤ ۔ ایک ''دیوان'' اور ایک ''مثنوی موسیٰ باغ کی تعریف میں'' اور ''نورتن'' اور ''چار چمن'' علم حکمت میں ان سے یادگار ہیں ۔ بارہ سو چالیس ہجری میں بیت اللہ کو گئے ، وہاں سے مدینے میں جا کر قضا کی ۔ نسخۂ نورتن نظر سے گزرا . . .''
(سخن شعراء ، مطبوعہ نول کشور ، ۱۲۹۱ھ ، صفحہ ۴۷۵)

نساخ نے اگرچہ کل دو چار باتیں کہی ہیں لیکن خوب کہی ہیں ۔ نساخ کے بیان سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوا :

(الف) شیخ محمد بخش مہجور بھی اپنے والد کی طرح حکیم تھے ۔

(ب) شیخ محمد بخش کی پیدائش لکھنؤ کی ہے ۔

(ج) شیخ محمد بخش مہجور کی تصنیفات میں ایک دیوان ، ایک مثنوی موسیٰ باغ کی تعریف

میں ، ''نورتن'' اور ''چار چمن'' ہیں ۔

(د) مہجور کا سال وفات ۱۲۴۰ھ ہے اور انھوں نے مدینۂ منورہ میں انتقال فرمایا ۔

۴ ۔ نساخ کے بعد عبدالحی صفا بدایونی صاحب تذکرۂ 'شمیم سخن' نے مہجور کا تذکرہ کیا ہے :

''مہجور تخلص شیخ محمد بخش ولد حکیم خیراللہ ۔ وطن آپ کا فتح پور ہنسوا اور مولد و مسکن لکھنؤ تھا ۔ شیخ قلندر بخش جرأت اور مرزا خانی نوازش سے مشورۂ سخن رکھتے تھے ۔ ایک دیوان اور ایک مثنوی ، ایک رسالہ ''نورتن'' اور ایک رسالہ علم حکمت میں موسوم بہ ''چار چمن'' ان سے یادگار ہے ۔ بعد طواف خانۂ کعبہ مدینۂ منورہ میں جا کر ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے . . .'' (شمیم سخن ، مطبوعہ مرادآباد ، ۱۸۸۴ء، صفحہ ۲۲۷)

صفا کا تمام بیان نساخ کے تذکرے 'سخن شعراء' کی لفظ بہ لفظ نقل ہے ۔ البتہ اس سے یہ انکشاف ضرور ہوا ہے کہ مہجور نے جرأت کے علاوہ مرزا خانی نوازش سے بھی اصلاح لی تھی ۔ یہاں یہ امر توجہ طلب ہے کہ لکھنؤ کے اس عہد کے سب سے ممتاز صاحب طرز نثر نویس مرزا رجب علی بیگ سرور بھی مرزا خانی نوازش کے شاگرد تھے ۔ لکھنؤ کے افسانوی ادب میں ہمیں صرف دو کتابیں ہی لائق ذکر معلوم ہوتی ہیں ۔ پہلی ''نورتن'' (تصنیف ۱۲۳۰ھ) اور دوسری ''فسانۂ عجائب'' (تصنیف ۱۲۴۰ھ) ۔

۵ ۔ اس کے بعد محمد یحییٰ تنہا اپنی کتاب ''سیر المصنفین'' کی جلد اول میں مہجور کا ذکر کرتے ہیں ۔ ''سیر المصنفین'' کی

جلد اول ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی لیکن اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں اس کی مکرر اشاعت ہوئی۔ نظر ثانی کے متعلق خود تنہا صاحب 'دیباچہ طبع دوم' میں فرماتے ہیں: ''اور اس طرح یہ کتاب بہت سے اضافے اور ترمیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں دوبارہ شائع کی جا رہی ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تنہا صاحب نے ۱۹۴۸ء تک کی جملہ تحقیقات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پھر بھی وہ مہجور کے متعلق فرماتے ہیں:

''محمد بخش مہجور شرفائے دہلی سے تھے۔ رسمی علوم میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، شاعرانہ مذاق کے بھی مالک تھے، جرأت کے شاگرد تھے، میر و سودا کا زمانہ دیکھا تھا۔ نثر اردو میں طرز مقفیٰ ان کو پسند تھا۔ 'گلشن بہار' ان کی تصنیف سے ہے۔ ان کی کتاب سے حمد باری تعالیٰ کی چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:

'حمد و سپاس و ثنائے بے قیاس اس کریم کارساز بے نیاز، بے انباز، بندہ نواز، بے چون و بے چگوں کو کہ جس نے ساتھ ابر کرم اور بہار قدرت کے گل ہائے گوناگوں . . . . .''
(سیر المصنفین، جلد اول، طبع دوم، صفحہ ۲۱۹)

یعنی تنہا صاحب نے محمد بخش مہجور کو 'شرفائے دہلی' سے ملا دیا ہے۔ ان سے پہلے سب تذکرہ نویس تو ان کا آبائی وطن فتح پور ہنسوا اور ان کا مولد و مسکن لکھنؤ لکھتے چلے آ رہے تھے لیکن تنہا صاحب نے مہجور کو دہلوی بنا دیا۔ اتنی زبردست تردید کے سلسلے میں انہیں کوئی ثبوت دینا ضروری تھا، اپنا ماخذ بتانا چاہیے تھا۔ مہجور کی تصانیف

میں آپ صرف 'گلشن بہار' کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس کا نام بھی غلط لکھا گیا ہے۔ کتاب کا نام 'گلشن نوبہار' ہے۔ مہجور کی ایک غیر معروف کتاب کا ذکر کر کے اس کا نمونہ تو دے دیا ہے لیکن جس کتاب کی وجہ سے مہجور کا نام زندہ ہے وہ 'نورتن' ہے، اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ گویا ان کی کتاب 'سیرالمصنفین' میں مہجور نے صرف اس لیے جگہ پائی کہ وہ 'گلشن بہار' کے مصنف ہیں۔

۶ - محمد یحییٰ تنہا کے بعد حامد حسن قادری صاحب کا بیان پیش کرتا ہوں جو ان کی 'داستان تاریخ اردو' سے ماخوذ ہے:

''محمد بخش مہجور، شرفائے دهلی سے تھے۔ رسمی علوم میں اچھی دست‌گاہ تھی، شاعرانہ ذوق رکھتے تھے، جرأت متوفی ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ ہجری کے شاگرد رشید تھے۔ میر و سودا کا زمانہ دیکھا تھا۔ نثر اردو میں وهی طرز مقفیٰ ان کو بھی پسند تھا۔ 'گلشن بہار' ان سے یادگار ہے۔ اسی زمانے کے گم نام مصنف ہیں۔ اس لیے ان کی کتاب میں سے حمد باری تعالیٰ کی چند سطریں نقل کی جاتی ہیں کہ ان کا نام زندہ رہے:

'حمد و سپاس و ثنائے بے قیاس آس کریم کارساز . . . .''۔
(داستان تاریخ اردو، طبع دوم، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۷۳ و ۱۷۴)

محمد یحییٰ تنہا صاحب کی اور حامد حسن قادری صاحب کی عبارتیں میں نے پیش کر دی ہیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں کہ دونوں میں سے کس نے کس کی عبارت سے استفادہ کیا ہے۔ نقل صرف مطالب هی کی نہیں، الفاظ

کی بھی ہے ، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ دونوں کتابوں میں جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ غلط ہیں ۔ حامد حسن قادری صاحب نے جرأت کا سال وفات بھی درج کیا ہے جو غلط ہے ۔ قاضی عبدالودود صاحب نے جولائی ۱۹۳۷ء کے مجلۂ 'اردو' میں جرأت کا سال وفات ۱۲۲۴ھ ثابت کیا ہے ۔ اس سے پہلے تمام مؤرخینِ ادبِ اردو اور تذکرہ نگاروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ جرأت نے ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی ، یعنی یہ ایک مسلم بات تھی کہ جرأت کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا ہے ۔ حامد حسن قادری صاحب نے سب سے ہٹ کر بغیر کسی ماخذ کا حوالہ دیے یہ ایک نئی بات کہی ہے کہ جرأت کی وفات ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ ہجری میں ہوئی ہے ۔ انھیں اس سال وفات پر اتنا اصرار ہے کہ وہ عیسوی سن کے ساتھ ہجری سن بھی دیتے ہیں تاکہ طالب علموں کو گمراہی نہ ہو اور وہ اسے ۱۸۲۹ء ہی سمجھیں جو ۱۲۴۵ھ کے مطابق ہے ۔

علاوہ ازیں مہجور کی صرف ایک تصنیف 'گلشن بہار' کا تذکرہ کر کے انھیں ''گم نام مصنف'' کہنا ، پھر 'گلشن بہار' سے ہی چند سطریں نمونے کی پیش کر کے ''ان کا نام زندہ'' کرنے کی کوشش کرنا اور اردو کے کلاسیکی ادب کی بہت اہم کتاب ''نورتن'' کو نظر انداز کر دینا ایسی غلطیاں ہیں جو قادری صاحب کی ''تاریخ داستان اردو'' میں نہ ہونی چاہیے تھیں ۔

۷ ۔ آخر میں اردو کی نثری داستانوں پر تحقیقی کام کرنے والے ڈاکٹر گیان چند جین کا تھوڑا سا تذکرہ بھی ضروری ہے ۔ ان کا تحقیقی مقالہ 'اردو کی نثری داستانیں' جس پر انھیں

ڈاکٹریٹ کی ڈگری الہ‌آباد یونیورسٹی سے ملی ہے، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان نے کراچی سے ۱۹۶۴ء میں شائع کر دیا ہے۔ موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۹ پر 'انشائے نورتن' کا عنوان قائم کیا ہے لیکن مصنف کے متعلق پوری ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ صرف یہ ایک جملہ ہے:
"انشائے نورتن" سید محمد بخش مہجور نے ۱۸۱۴ء مطابق ۱۲۲۹ھ میں تالیف کی"۔ اس ایک جملے میں بھی دو باتیں محل نظر ہیں:

(الف) محمد بخش مہجور کو شیخ کی بجائے سید لکھا گیا ہے۔

(ب) نورتن کی تالیف کا سن ۱۸۱۴ء تو ٹھیک ہے لیکن ۱۲۲۹ھ کو کس طرح صحیح سجھیں جب کہ خود کتاب میں قطعات تاریخ موجود ہیں جن سے سن ۱۲۳۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

بہر حال ان تمام تذکرہ نگاروں کے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد محمد بخش مہجور کے متعلق ہمیں مجموعی طور پر کل یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں:

حالات | شیخ محمد بخش نام، مہجور تخلص، والد کا نام حکیم خیر اللہ۔ یہ فتح پور ہنسوا میں رہتے تھے لیکن بعد میں لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ محمد بخش کی پیدائش بھی لکھنؤ میں ہی ۱۱۹۱ھ کے قریب ہوئی۔ علوم رسمیہ کی تعلیم بھی لکھنؤ میں ہی پائی۔ اپنے والد کی طرح خود بھی طبیب تھے۔ آغاز شباب سے شاعری کا شوق تھا۔ پہلے جرأت کے شاگرد تھے، اس کے بعد مرزا خانی نوازش

سے بھی اصلاح لی۔ لکھنؤ میں نقی گنج میں رہتے تھے۔ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تھے، بعد طواف خانۂ کعبہ مدینہ منورہ گئے، وہیں ۱۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

تصانیف

(۱) ''انشائے گلشن نوبہار'': مہجور نے 'نورتن' کے دیباچے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نورتن کی تصنیف (۱۲۳۰ھ) سے قبل وہ اسے مکمل کر چکے تھے۔

(۲) ''انشائے چار چمن'': اس کا ذکر بھی 'نورتن' کے دیباچے میں ملتا ہے اور یہ بھی 'نورتن' سے پہلے لکھی جا چکی تھی اس لیے اس کا سن تصنیف بھی ۱۲۳۰ھ سے قبل ہے۔

(۳) ''مثنوی در تعریف موسیٰ باغ'': اس کا ذکر عبدالغفور نساخ نے 'سخن شعراء' (صفحہ ۴۷۵) میں اور عبدالحی صفا بدایونی نے 'شمیم سخن' (صفحہ ۲۲۷) میں کیا ہے۔ اس کے زمانۂ تصنیف کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

(۴) ''انشائے نورتن'': سن اتمام تصنیف ۱۲۳۰ھ۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

(۵) ''دیوان مہجور'': اس کی کیفیت قاضی عبدالودود صاحب نے 'معاصر' (حصہ ۱۸ بابت جولائی ۱۹۶۲ء صفحہ ۶۶ تا ۱۰۰) میں 'مطالعات' کے تحت قلم بند فرمائی ہے۔ قاضی صاحب کی

تحریروں میں حد درجہ ایجاز و اختصار ہوتا ہے۔ مقدرات و محذوفات کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ اشاروں میں ہی بڑے بڑے مطالب ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی صفحوں پر آنے والے مضمون کو چند سطروں میں سمیٹتے ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے مطالب کو میں اپنے الفاظ میں پیش کروں اس لیے میں واوین کے درمیان ان کے الفاظ نقل کر رہا ہوں:

''نمبر۔ ۲۔ دیوان مہجور، ناقص‌الآخر، (ترقی) فہرست کتب خانہ انجمن میں شاعر کا نام صدر الدین، لیکن یہ دیوان مہجور صاحب 'نورتن' کا ہے۔ مخمسات غزل ہائے قدرت و مسرور و ترق۔ قصیدہ مدح آصف الدولہ، م برادر نسبتی شیخ جیات اللہ قلاش: ''سال تاریخ رحلت آن قلاش۔ گفت مہجور خواب راحت (ایک لفظ پڑھا نہیں جاتا)''۔ ۱۲۲۷ھ (صرف خواب راحت، ۱۲۱۸)؛ موت جرأت استاد مصنف:

''گیا جنت میں جرأت آہ ہے ہے'' ۱۲۲۴

قطعے کے دو شعر:

دم آخر تلک بھی منھ سے جاری
رہا تھا اسم اسداللہ ہے ہے
بہ ملک ہند اس طرز سخن میں
کوئی ثانی نہ تھا واللہ ہے ہے

موت خیر اللہ پدر مصنف: ۱۶ شعبان دوشنبہ وقت پگاہ ۱۲۲۶ھ: ''موئے طاہر حکیم خیر اللہ'' (۱۲۲۶ اس صورت میں

نکلے گا کہ 'موئے' کے ۶۷ لیے جائیں) - موت شہزادہ مرزا خرم شاہ : ''ازسر آہ'' یعنی باضافہ '۱' ''وائے صد وائے میرزا خورم (کذا)'' اس سے ۱۲۳۲ نکلتا ہے، بعد اضافہ ۱۲۳۳؛ 'خورم' کا صحیح املا ہو یعنی 'خرّم' تو ۱۲۳۳ سے ٦ خارج ہو جائے گا - ولادت شہزادۂ آسان قسدر : ''دل میں مہجور 'ہے' کری جو شمار - سال تاریخ کہہ کہ برخوردار'' ۱۲۲۳ھ (مگر برخوردار ۱۲۱۳ھ[1]) - قصیدہ مدح خواجہ معین‌الدین چشتیؒ نامکمل'' - ('معاصر' پٹنہ حصہ ۱۸ صفحہ ۹۷ و ۹۸)

قاضی صاحب قبلہ کی ان تفصیلات سے چند نئی باتیں اور معلوم ہوگئیں ؛ مثلاً :

(الف) نورتن میں حکیم حیات اللہ قلاش کا فارسی کلام نقل ہوا ہے - معلوم ہوا کہ یہ بزرگ مہجور کے برادر نسبتی تھے -

(ب) محمد بخش مہجور کے والد حکیم خیراللہ کا انتقال ۱۲۲٦ھ میں ہوا -

(ج) جرأت کے سن وفات ۱۲۲۴ھ کے متعلق ایک شہادت اور مل گئی -

(د) شہ زادہ مرزا خرم شاہ سے مہجور کو کوئی تعلق ضرور ہوگا -

مہجور بہ حیثیت شاعر | یوں تو 'نورتن' میں مہجور کا اچھا خاصا کلام محفوظ ہے لیکن وہ اشعار چونکہ محل اور موقع کی مناسبت سے بہ ضرورت کہے گئے ہیں اس لیے ان میں وہ

۱ - 'برخوردار' کے ضرور ۱۲۱۳ ہیں لیکن 'ہے' کے ۱۰ کا اضافہ بھی تو فرمائیے - وہی ۱۲۲۳ ہوجائیں گے - (داؤدی)

مزا نہیں جو ان کے آزاد شعروں میں ہے ۔ مختلف تذکروں سے اخذ کر کے ان کے کچھ منتخب اشعار پیش کرتا ہوں ۔ پہلے مصحفی کا انتخاب ملاحظہ فرمائیے :

بازار عشق میں کوئی لیتا نہیں مجھے
جنس زبوں ہوں یا کہ متاع گراں ہوں میں
مہجور ہوں مریض کسی پردہ پوش کا
چشم اجل سے ہائے جواب تک نہاں ہوں میں

آنکھ اس سے خدا جانے کہ کس وقت لڑی تھی
پر اتنا تو ہے یاد کہ بجلی سی پڑی تھی
تھا چشمۂ حیواں پہ سیہ ابر کا ٹکڑا
یا شب لب جاناں پہ وہ مسّی کی دھڑی تھی
اس شوخ کی فرقت میں میں کس کس کو مناؤں
مچلائی پہ دل آج ہے کل سانس اڑی تھی
دنیا میں کسی سے کوئی امید رکھے کیا
جیتے جی توقع اسے یاں جس سے بڑی تھی
سو آہ وہ بھولے سے کبھی جا نہ پھرا واں
مہجور سے بے کس کی جہاں نعش گڑی تھی

شور سے تیرے تو ہم سایوں کا ہے ناک میں دم
اتنا رسوا نہ کر اے نالۂ شب گیر مجھے
خواب میں دیکھی تھی وہ زلف پریشاں سو آہ
ہوگا سودا یہی سب دیتے ہیں تعبیر مجھے

اے اشک نہ کھو آبرو اس دیدۂ تر کی
ہم کو تو توقع نہیں کچھ تجھ سے اثر کی

عبدالحی صفا بدایونی (صاحب 'شمیم سخن') نے جہاں عبدالغفور خاں نساخ (صاحب 'سخن شعرا') کی عبارت نقل کی ہے وہاں ان کے دیے ہوئے دو شعر بھی جوں کے توں نقل کر لیے ہیں ۔ اپنی طرف سے کسی شعر کا اضافہ نہیں کیا ۔ وہ دو شعر یہ ہیں :

میں پُرغم اس لیے بلبل صفت دن رات نالاں ہوں
کہ باغ دھر میں گل کی روش کچھ دن کا مہماں ہوں

مہجور سنی تو نے بھی ہے کچھ خبرِ دل
یہ بے خبری کیسی ہے چل ہے سفرِ دل

زمانۂ تصنیف | لکھنؤ کے کلاسیکی ادب میں ۱۸۵۷ء سے قبل تک نثر کی صرف تین کتابیں ممتاز تھیں ۔ (۱) نورتن ، (۲) فسانۂ عجائب (۳) بستان حکمت ۔ ان میں سے آخری کتاب ترجمہ ہے ۔ پہلی دونوں کتابیں اگرچہ طبع زاد کہی جاتی ہیں لیکن اُن کے کچھ مطالب دوسری تصنیفات سے ماخوذ ضرور معلوم ہوتے ہیں ۔ بہر حال ''نورتن'' کو اس سلسلے میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے ۔ ''فسانۂ عجائب'' اس کے دس سال بعد لکھی گئی تھی ۔

نورتن لکھنؤ میں ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں بہ عہدِ نواب وزیر الممالک رفعۃ الدولہ رفیع الملک غازی الدین حیدر بہادر شہامت جنگ لکھی گئی ۔ تصنیف کا یہ سال اگرچہ دیباچۂ کتاب میں موجود نہیں ہے لیکن کتاب کے خاتمے پر ایک مختصر سی نثر کے بعد تین قطعات تاریخ ہیں ، جن میں سے ایک مصنف کا بھی ہے ۔

ان قطعات تاریخ کی موجودگی سے ہمیں 'انشائے نورتن' کے سن تصنیف کے متعلق انتہائی واثق داخلی شہادت مل جاتی ہے اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اس کا سنِ تصنیف ۱۲۳۰ھ ہے۔ طباعت سے قبل ہی یہ کتاب بہت مقبول تھی اور لوگ اس کی نقلوں کو سینے سے لگائے پھرتے تھے۔ اس کی تصنیف کے چھ سال بعد مصحفی نے اپنا تذکرہ 'ریاض الفصحا' مکمل کیا تو لکھا کہ ''دوستان معنی پرست اکثر نقل ہایش برداشتہ برطاق دلش جا دادند''۔

مطالب کتاب پر تبصرہ

'انشائے نورتن' کا کچھ حصہ مصنف کا طبع زاد معلوم ہوتا ہے اور کچھ دوسرے وسایل سے حاصل کیا گیا ہے۔ دوسرا باب ''بدکار عورتوں کے چرتروں میں'' یقیناً دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ ایسی ہی کہانیاں 'طوطا کہانی' میں بھی ہیں۔ 'طوطا کہانی' اگرچہ اسی زمانے کی کتاب ہے لیکن اس کی اصل بہت قدیم ہے۔ سنسکرت زبان میں قدیم زمانے میں ایک کتاب 'شکاسب تتی' تھی۔ اس کے معنی ہیں 'طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں'۔ پہلے اس کو مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ صاحبِ ''سلک السلوک''، ''عشرۂ مبشرہ''، ''کلیات و جزئیات'' وغیرہ، متوفی ۷۵۱ھ نے ۷۳۰ھ مطابق ۱۳۳۰ء میں فارسی کا جامہ پہنایا لیکن پوری کتاب ترجمہ نہیں کی بلکہ سنسکرت کی ۷۰ کہانیوں میں سے صرف ۵۲ کہانیاں لیں اور اپنی کتاب کا نام 'طوطی نامہ' رکھا۔ اس طوطی نامۂ نخشبی کے فارسی زبان میں بھی متعدد خلاصے ہوئے۔ ایک خلاصہ سید محمد قادری صاحب نے کیا اور نخشبی کے ۵۲ قصوں میں سے صرف ۳۵ قصوں کا انتخاب کیا۔ سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر گل کرسٹ کے ایماء پر فورٹ ولیم کالج کے لیے سید محمد قادری کے 'طوطی نامہ' کو اردو کا جامہ پہنایا۔ چونکہ قادری کے طوطی نامے میں ۳۵ کہانیاں تھیں اس لیے حیدری کے اردو 'طوطا کہانی' میں بھی ۳۵ ہی رہیں۔ میرے پیش نظر

شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاهور کا مطبوعه نسخه هے۔ اس میں ۳۸ کہانیاں هیں ۔ بعد کے نسخوں میں یه ۳۸ هو گئی تھیں ۔ حیدری کے 'طوطا کہانی' کا پہلا ایڈیشن ۱۸۰۴ء میں فورٹ ولیم کالج سے شائع هوا تھا ۔ نورتن اس کی اشاعت کے ۱۰ سال بعد لکھی گئی هے ۔ نورتن کے مطالعے کے بعد ایک نظر میں هی یه معلوم هو جاتا هے که اس کے دوسرے باب کی کم از کم تین کہانیاں 'طوطا کہانی' سے براہ راست ماخوذ هیں جیسا که تقابلی مطالعے سے ظاهر هوگا :—

۱ ۔ محمد بخش مہجور نے نورتن کے صفحه ۱۳۹ پر جو چرتر بیان کیا هے حیدر بخش حیدری کے 'طوطا کہانی' کی دسویں داستان بالکل اس مضمون کی هے ، اسے درج ذیل کیا جاتا هے :

> ''طوطا بولا که کسی شہر میں ایک سوداگر نہایت مال دار تھا اور اس کی جورو بہت خوب صورت تھی ۔ وہ تاجر کسی ملک میں واسطے تجارت کے گیا اور پیچھے جورو نے بدکاری یہاں تک اختیار کی که هر ایک شخص کے هاں جاتی . . . . . . بعد کئی مہینے کے اس کا شوهر اپنے شہر میں آیا اور کسی حویلی میں اترا ۔ بعد پہر رات کے ایک دلاله کو بلا کر'' کوئی خوب صورت عورت طلب کی ۔ وہ دلاله عورت کی تلاش میں اس تاجر کے گھر پہنچ گئی اور اس کی بیوی کو بدکاری کے لیے بلا لائی ۔ '' اس نے جوں هی اپنے خاوند کی صورت دیکھی . . . غل کرتی اٹھی اور کہنے لگی 'اے هم سایه لوگو! دوڑو اور میرا انصاف کرو ۔ ۶ برس سے میرا خاوند سوداگری کو گیا تھا ۔ میں دن رات اس کی راہ تکتی تھی ۔ اب جو یه یہاں آیا تو اس حویلی میں اترا اور

میرے گھر نہ گیا ۔ میں اس کے آنے کی خبر سن کر آپ
آئی ہوں . . . . آخر اس سوداگر کو ہر ایک شخص نے
سمجھا بجھا کر اس کی بی‌بی سے ملا دیا اور یہ کوئی نہ
سمجھا کہ وہ آپ ہی خرچی کو آئی تھی"۔
('طوطا کہانی'۔ ناشر شیخ غلام‌علی اینڈ سنز ، لاہور، صفحہ ۲٦)

(۲) شیخ محمد بخش مہجور نے 'نورتن' میں صفحہ ۱۴۴ پر
ایک زن دھقان کا چرتر بیان کیا ہے ۔ حیدر بخش حیدری کے
'طوطا کہانی' کی گیارھویں داستان بالکل اسی مضمون کی ہے :
"کسی دن ایک گنوار کی مہریا اپنے کوٹھے پر بیٹھی
تھی ۔ ایک نوجوان اس کو دیکھ کر عاشق ہوا . . . . .
آخر میں مرد کو اشارے سے طلب کیا اور کہہ دیا کہ
بعد آدھی رات کے تو اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ رہنا ،
میں بھی اپنے خاوند کو سلام کر کے تیرے پاس آؤں گی ۔
. . . . . جب آدھی رات گزری ، جوان اس درخت کے
نیچے آ کر بیٹھ رہا ۔ یہ عورت خصم کو چھوڑ کر
وہیں گئی اور اس کے ساتھ سو رہی ۔ اتفاقاً اس کا سسرا
اس وقت کسی کام کے واسطے اٹھا اور باہر جانے لگا ؛
کیا دیکھتا ہے کہ بیٹے کی جورو ایک غیر مرد کے ساتھ
سوتی ہے ۔ یہ اس بات سے رنجیدہ ہوا ، اس کی پازیب
اتار کر لے گیا ۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی
ہے کہ پاؤں میں پازیب نہیں ہے ۔ . . . . یہ سمجھ کر
اپنے یار سے کہا کہ تم جاؤ پھر کبھی ۔ آنا . . . . ادھر
سے اپنے خاوند کے پاس آ کر لیٹ رہی ۔ بعد ایک دم کے
کہنے لگی کہ یہاں اس وقت گرمی لگتی ہے ۔ اس درخت
کے نیچے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے ، چلیے ۔ آخرالامر اس بہانے

سے اپنے خاوند کو اس درخت کے نیچے لائی اور دونوں مل کر سو رہے ۔ جب اس کی آنکھ لگ گئی تب جگا کر کہنے لگی کہ اجی سوتے کیا ہو، اٹھو اور ایک تماشا دیکھو ۔ وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا اور کہا کہ کیا کہتی ہو ۔ ''کہنا کیا تھا ، تمھارے باپ نے میری ایک پازیب اتار لی ہے'' ۔ تب اس نے کہا ''خیر صبح کو میں انھیں سمجھاؤں گا''۔ . . . . جب صبح ہوئی تو اپنے باپ کو جھنجھلا کر کہنے لگا کہ بابا جان تم کو مناسب ہے جہاں بیٹا اور بہو ساتھ سوئے ہوں وہاں جاؤ اور ان کو اس حال میں دیکھو؟ تب اس کے باپ نے کہا کہ بیٹا کچھ شعور پکڑ ۔ تیری عورت کم بخت ایک غیر مرد کے ساتھ سوتی تھی ، میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور یہ پازیب پاؤں کی اتاری ہے ۔ یہ بات سنتے ہی وہ اور بھی خفا ہوا کہ تم خواہ مخواہ میری جورو کے دشمن ہوئے ہو ۔ میں خوب جانتا ہوں اس وقت گرمی کے باعث سے میں اس درخت کے نیچے اس کے ساتھ سوتا تھا کہ تم نے یہ حرکت کی ۔ چنانچہ یہ سن کر باپ اس کا شرمندہ ہوا''۔

(''طوطا کہانی'' ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ صفحہ ۲۸)

(۳) شیخ محمد بخش مہجور نے نورتن کے صفحہ ۱۶۲ پر ایک عورت کا چرتر بیان کیا ہے۔ حیدر بخش حیدری کے 'طوطا کہانی' میں ایسا ہی چرتر ستائیسویں داستان میں ہے :

''کسی وقت میں ایک شخص نے اپنے قبیلہ کو کئی پیسے شکر لانے کو دیے اور وہ شکر لینے بازار میں ایک بنیے کی دوکان پر گئی ۔ اسے دیکھتے ہی عاشق ہوا ۔

پھر اس نے سیر بھر شکر مول لے کر اپنی چادر کے کونے میں باندھی ۔ اتنے میں وہ بنیا اس سے لگاوٹ کرنے لگا ۔ بعد راز و نیاز کے وہ عورت کو گھر میں لے گیا اور یہ اپنی چادر گرہ بندھی ہوئی بنیے کی دوکان پر رکھ اس کے ساتھ چلی گئی ۔ تب اس بنیے کے گماشتے نے اپنی چالاکی سے اتنے عرصے میں جھٹ پٹ شکر اس کے کونے سے کھول لی اور اتنا ہی ریت اس کی جگہ باندھ دیا ۔ اتنے میں رنڈی اس کے مکان سے نکلی اور جھٹ پٹ چادر اُٹھا کر اپنے گھر کی راہ لی اور اپنے خاوند کے آگے رکھ دی ۔ اس نے بے دھڑک شکر کی گرہ جو کھول کر دیکھی تو شکر کے بدلے ریت نکلی ۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیا مسخرا پن ہے جو تو مجھ سے کرتی ہے ۔ میں نے شکر کو بھیجا تھا ، تو ریت لے آئی ۔ تب اس نے مسکرا کر کہا ''اجی کیا کہوں جس وقت میں گھر سے باہر نکلی اُس وقت میرے پیچھے ایک بیل ڈکارتا ہوا دوڑا ۔ اس کے ڈر سے بھاگی تو اس صدمے سے میں گر پڑی ۔ پیسے لوگوں کی شرم سے میں ڈھونڈ نہ سکی اور یہ ریت اُٹھا کر لے آئی ہوں ، پیسے اس میں ہوں گے نکال لو'' ۔ یہ بات سنتے ہی اس کے خاوند نے اس کو گلے لگا لیا ''۔

(''طوطا کہانی'' مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۳)

میں نے 'نورتن' کی تین کہانیاں 'طوطا کہانی' کی تین کہانیوں سے مطابق کر کے دکھائی ہیں ۔ طوطا کہانی چونکہ مقدم ہے اس لیے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ صاحبِ نورتن نے اُن سے فائدہ اٹھایا ہے ۔ 'طوطا کہانی' کے علاوہ منشی عنایت اللہ کنبوہ کی 'بہار دانش' کا سایہ بھی نورتن پر پڑا ہے ۔ چلتّر

عورتوں کی کہانیوں کا ایک ماخذ وہ بھی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اور بھی کچھ کہانیوں کے ماخذات کا سراغ لگایا ہے؛ مثلاً تیسرے باب کی پہلی کہانی میں دو عورتیں ایک بچی کے لیے جھگڑتی ہیں، حضرت علیؓ ان کا انصاف کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ حضرت سلیمانؑ اور گوتم بدھ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ لاہور کے سنیماؤں میں ابھی حال ہی میں ایک فلم (Queen of Sheeba) خوب چلی تھی۔ اس میں حضرت سلیمانؑ کے سامنے دو عورتیں ایک بچے کے متعلق جھگڑتی ہوئی دکھائی گئی تھیں اور بالکل وہی فیصلہ ہوا تھا جو نورتن کی کہانی میں ہے۔ ایک کہانی میں روئی کا چور داڑھی میں تنکے سے پہچانا گیا۔ یہ بھی بیربل کا ایک لطیفہ ہے جو ظاہر ہے کہ 'نورتن' کی تصنیف سے پہلے سے مشہور ہے۔

تیسرے باب میں ہی چوسر بازوں کی ایک حکایت ہے جو جسم کے سیر بھر گوشت کی بازی بد کر کھیلے۔ ان میں سے ایک ہار گیا۔ دوسرا اس کے جسم سے سیر بھر گوشت لینے کے درپے تھا۔ معاملہ قاضی کے روبرو پیش ہوا، قاضی کے یہاں وہی فیصلہ ہوا جو شیکسپیر کے 'وینس کا سوداگر' (Merchant of Venice) میں ہوا ہے۔ یہ قصہ معروف ہے۔ چوں کہ 'وینس کا سوداگر' کی کہانی اور 'نورتن' کی کہانی کا مرکزِ خیال مشترک ہے۔ بہر حال شیکسپیر کا 'وینس کا سوداگر' نورتن سے پہلے لکھا جا چکا تھا، نورتن بعد کی تصنیف ہے اور اس زمانے کی تصنیف ہے جب ہندوستان میں انگریزی ادب کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ محمد بخش مہجور نے یہ قصہ سنا ہو اور اس پر ہی اپنی حکایت کی بنیاد رکھ دی ہو۔

اوپر ان چند مقامات کی نشان دہی کی گئی ہے جہاں محمد بخش مہجور نے اپنا چراغ دوسروں سے روشن کیا ہے لیکن اس کتاب میں ایسا حصہ بھی کچھ کم نہیں جو مصنف کا طبع زاد ہے۔ پھر سب سے بڑی خوبی اس کتاب کا اسلوبِ نگارش اور مقصدِ تصنیف ہے۔ سید وقار عظیم صاحب نے کسی زمانے میں 'نورتن' پر ایک مضمون لکھا تھا جو اب ان کے مجموعۂ مضامین 'ہماری داستانیں' مطبوعہ ادارۂ فروغ اردو لاہور میں شامل ہے۔ اس مضمون میں محض مطالب کتاب پر ہی بحث کی گئی ہے؛ چنانچہ ان کی وقیع اور قابلِ قدر رائے کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

"ان سارے قصوں میں مصنف نے اپنا پورا زور بیان صرف کیا ہے اور قصے کے مختلف ٹکڑوں میں فکر اور تخیّل دونوں کی رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ فکر سے میری مراد فکر کی کوئی گہرائی نہیں بلکہ اس کا وہ عنصر مقصود ہے جس کی مدد سے قصے کے مختلف اجزاء میں صحیح ربط، تسلسل اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ مختلف قصوں میں جہاں یہ ربط اور ہم آہنگی ہے وہاں دوسری طرف بیان میں پوری رنگینی بھی ہے۔ مصنف کا محبوب طرز رعایتِ لفظی کا کثیر استعمال ہے۔ اس محبوب طرز کو اس نے ان سارے قصوں میں پورے رچاؤ کے ساتھ برتا ہے۔ اپنی نثر اور نظم دونوں کو دوسروں کی نظم کے ساتھ اس طرح شیر و شکر کیا ہے کہ سب چیزیں ایک مکمل نظام کا جزوِ واحد معلوم ہوتی ہیں۔ ان سارے قصوں کی بڑی خصوصیت تو ان کی افسانوی دل کشی ہی ہے لیکن ان میں شروع سے آخر تک مقصد کی ایک ہلکی

سی لہر بھی برابر موج زن ہے ؛ گو یہ مقصد کسی خشک اصلاحی یا تبلیغی ، سماجی مقصد سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں مصنف جذبۂ عشق کی صداقت کا وکیل اور ترجمان ہے لیکن اس وکالت اور ترجمانی میں قصہ گو کا منصب اس نے کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ . . . . سماجی اور اخلاقی مقصد کا یہ جذبہ جو پہلے باب میں افسانوی دل چسپی اور دل کشی کا تابع اور بہت سے پردوں میں مستور ہے، دوسرے باب میں ابھر کر دوسری چیزوں کو مغلوب کر لیتا ہے اور لکھنے والا صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا کہ اپنے مقصد کو کہانی کے تانے بانے میں پروئے ؛ مقصد آفرینی کا جذبہ مختلف طریقوں سے جا بجا ابھرتا اور پھیلتا نظر آتا ہے۔ دوسرے باب کی ابتداء جن الفاظ سے ہوتی ہے ، وہ بجائے خود مصنف کے جذبۂ اصلاح کے ترجمان ہیں۔ اس باب کا عنوان ہے 'بدکار عورتوں کے چرتروں میں'۔ اس عنوان کے تحت مصنف نے عورتوں کی بدکاری کے جو قصے جمع کیے ہیں ، ان میں عورتوں کی بدکاری اور عیاری کے علاوہ ایک خاص عہد کی اخلاقی حالت کی واضح مصوری ہے۔ ان قصوں میں جو افرادِ قصہ ہمارے سامنے آتے ہیں اور قصے کے بیان کرنے میں مصنف جو پس منظر پیش کرتا ہے، اس میں انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کے لکھنؤ اور یہاں کے متوسط طبقے کے معاشرتی انحطاط اور اخلاقی بدحالی کا بڑا عبرت ناک نقشہ اور عکس ہے۔ . . . . . قصوں کے انداز اور ان کے طرز بیان میں بڑا گہرا ربط ہوتا ہے ، اس لیے مہجور نے سارے اچھے داستان گویوں کی طرح اس بات کی کوشش

کی ہے کہ قصے کو قصے کی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ دل چسپ بنانے کے علاوہ زمانے کے مذاق کے مطابق طرز بیان کے نقطۂ نظر سے بھی زیادہ سے زیادہ دل نشین بنایا جائے اور اس زمانے میں نثر اور نظم دونوں کی دل کشی اور دل نشینی کا مدار لفظی رعایتوں کے استعمال پر تھا ۔ ضلع جگت ، ایہام ، مراعات النظیر ، قافیہ پیمائی ، سجع ، ان میں سے ہر ایک چیز سے مصنف نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے ۔ وہ لفظی رعایتوں کے ان سارے وسایل کے استعمال سے کبھی اکتاتا نہیں اور ہر ممکن طریقے سے ان کی کڑیوں کو مسلسل زنجیر بنانے کے خیال میں سرمست نظر آتا ہے ۔ . . . . . . اس کی دوسری خصوصیت اور اہمیت اس کا وہ تفریحی انداز ہے جو اس کے حرف حرف میں رچا ہوا ہے اور جس کے بغیر قصہ قصہ نہیں بنتا ۔ قصہ کہانی کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسا ہونا چاہیے ؟ اس کا جتنا احساس نورتن کے مصنف کو ہے، بہت کم قصہ گویوں کو رہا ہے ۔ اس نے قصوں کو کسی نہ کسی اصلاحی یا سماجی مقصد کا حامل بنانے کے باوجود انہیں قصہ ہی رکھا ہے ، پند و وعظ کا دفتر نہیں بنایا“۔

اب میں چند دل کش ، دل چسپ اور دل آویز مثالیں رعایت لفظی ، تلازمۂ خیال ، قافیہ پیمائی اور سجع نگاری کی پیش کرتا ہوں :

انداز رقص و سرود | ”اور ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر اور گردن کو خم دے کے جو بہ‌صد ناز و انداز آگے چلتی

تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بے دل کا دل وہ سنگ دل دونوں ہاتھوں میں ملتی ھے اور جو ساعدِ سیمیں رشکِ شاخِ نسریں کو بالائے سر لے جا کر پنجۂ رشکِ مرجان کو جنبش دیتی تھی تو یوں ظاہر ہوتا تھا . . . . اور کبھی وہ مہ رو ، شعلہ‌خو دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کو سر سے آگے کھینچ کر بہ صد خرام ناز چلتی تھی تو یوں دکھائی دیتا تھا کہ‌گویا ماہِ تاباں زیر سائباں آگیا ھے"۔

('نورتن' مطبوعہ مطبع مفید عام پریس لاہور۔ صفحہ ۳۸)

دولت مطرب | دولت مطرب کے لیے تیمور لنگ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے ہیں :

" اور خان سامانِ خاص سے با دلِ شاد ارشاد کیا کہ اس دولت کو اس قدر دولت دو کہ ہماری بدولت دولتِ دنیا سے نو دولتوں میں دولت‌مند ہوجاوے۔"

('نورتن' ، مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ۱۳۱۱ھ صفحہ ۱۶۵)

بیان شب | (۱) "جس وقت پیر زالِ شب نے مہتاب کے چہرے کو چاندنی کی اوڑھنی اڑھا کر عقد پروین کا ہار ڈالا اور زہرہ و مشتری کا رحم بنا کر سپہر کی کڑاھی میں انجم کے گلگلے تلنے شروع کیے"۔

(نورتن، مطبع مفید عام پریس لاہور، صفحہ ۱۲)

(۲) "جس وقت مطربِ فلک نے دائرۂ آفتاب کو غلافِ آفتاب میں کیا اور رقاصۂ شب نے لولی زہرہ اور مشتری کو ستارِ ثریا اور قانونِ کہکشاں دے کر چاندنی کے فرش پر

نوشاہِ قمر کے سامنے مجرے کے واسطے بھیجا "۔

(نورتن۔ مطبع مفید عام پریس لاہور، صفحہ ۲۰)

(۳) " جس وقت ماہی‌گیر شب نے برائے تسخیرِ ماہیانِ سیارگان شستِ کہکشاں میں ماہ کا چارہ لگا کر دریائے فلک میں پھینکی"۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۲۶)

(۴) "جس وقت جادوگرِ سپہر نے دیوِ آفتاب کو سبوچۂ مغرب میں بند کیا اور عاملِ فلک نے مجمرِ کہکشاں پر سپندِ انجم چھڑکنا شروع کیا "۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور ، صفحہ ۴۷)

(۵) "جس وقت شام سیہ فام نے سیاہیٔ شب سے رخ خورشید کو کالا کیا اور تابدان کہکشاں کو سطح فلک پر نمود کیا "۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۵۶)

بیان سحر

(۱) " اس خیالِ پرملال میں عروسِ ماہ مع سیارگان حجلۂ مغرب میں روپوش ہوئی اور مسافرِ آفتابِ جہاں تاب گریبانِ سحر چاک کر کے اور شعلوں کے اشک منہ پر بہا کے سمتِ مشرق سے نمود ہوا "۔

('نورتن'۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۱۲)

(۲) " اس عرصے میں پنجۂ خورشید نے گریبانِ سحر کو چاک کیا اور خادمِ فلک

آفتاب کا آفتابہ لے کر معہ زیر انداز شفق سمتِ مشرق سے نمود ہوا"۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۲۱)

(۳) "جس وقت جلادِ فلک نے خورشید کو خونِ شفق میں غلطاں کر کے مثل نیم بسمل طشتِ مشرق میں رکھا"۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۲۸)

(۴) "جس وقت شب کی پیر زادی کے سر پر سے قمر کا شیخ سدو آترنے لگا اور شہید مرد مشرق موذن خروس مصلائے شفق پر بانگ دے دے کے بلانے لگا"۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۴۸)

(۵) "جس وقت کھیت ستاروں کا آغاز سحر سے مرجھانے اور کملانے لگا"۔

(نورتن ۔ مطبع مفید عام لاہور، صفحہ ۵۶)

نورتن کے اشعار | نورتن اگرچہ نثر کی کتاب ہے لیکن اس میں نظم بھی بہت کثرت سے ہے ۔ زیادہ تر اشعار خود مصنفِ کتاب شیخ محمد بخش مہجور کے ہیں ۔ اردو کے علاوہ فارسی کلام بھی ہے ۔ کچھ ایسے شاعروں کا کلام بھی اس میں محفوظ ہوگیا ہے جن کا کوئی اور شعر کہیں نہیں ملتا ۔ صغیر علی مروت نے ایک مثنوی میر حسن کی مثنوی 'سحرالبیان' کے جواب میں اسی بحر میں لکھی تھی ؛ وہ مثنوی عرصے سے نایاب ہے بلکہ بعض لوگ اسے ناپید کہتے ہیں ۔ اس کتاب میں اس مثنوی کے تین شعر دیے ہیں ۔ اس کے علاوہ غلام علی عشرت کی غیر

مطبوعہ مثنویوں کے اشعار بھی اس میں موجود ہیں اور بھی بہت سے اردو کے شعراء کا نایاب کلام اس میں ملتا ہے جو اور کہیں نظر نہیں آتا ۔

(الف) مرقومۃ الذیل شعراءِ کا فارسی کلام اس میں محفوظ ہے :
میر معصوم، مرزا قتیل، صائب ، حکیم حیات اللہ قلاش ، جامی ، طوفان ، خلیفہ شاہ محمد ، مرزا بے دل ، نخشبی ، ہمدم ، عنایت اللہ ، سعدی شیرازی ۔

(ب) مندرجہ ذیل شعراء کا اردو کلام پایا جاتا ہے :
مہجور ، میر حسن ، قائم ، جرأت ، دولھن بیگم صاحبہ ، سراج اورنگ آبادی (غلطی سے مصنف نے اسے سراج اکبر آبادی لکھا ہے) ، میر ضیاء ، سلیمان شکوہ ، میر تقی میر ، سودا ، مصحفی ، شاہ قدرت ، تنہا ، گنا بیگم ، قاصر ، مسرور ، مرزا گھسیٹا عشق ، الٰہی بخش ، ضمیر ، شمیم ، میر مظہر علی زار ، حسرت ، خواجہ حسن ، مرزا علی لطف ، عشرت ، رنگین ، ظہور علی ظہور ، میر سوز ، مروت ، عماد الملک ، فہیم ، فدوی ، ملک محمد جائسی وغیرہ ۔

کتاب کی طباعت و اشاعت

نورتن کا سن تصنیف ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء ہے۔ میں پچھلے صفحات میں مصحفی کا بیان نقل کر آیا ہوں کہ محمد بخش مہجور کی کتابیں لوگوں نے نقل کر کے حرز جاں بنا رکھی تھیں۔ چنانچہ یہ کتاب بھی قلمی نسخوں کی صورت میں تمام برصغیر میں پھیل گئی تھی۔ میرے خیال میں یہ پہلی بار ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی۔ اس کا پہلا ایڈیشن مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں واقع محلہ محمود نگر لکھنؤ سے ۱۲۶۷ھ میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مطابع نے اس کے لاتعداد ایڈیشن شائع کیے۔ مطبع نول کشور لکھنؤ سے بھی باربار چھپی۔

سید وقار عظیم صاحب اپنے مضمون 'مہجور کی نورتن' مشمولۂ 'ہماری داستانیں' مطبوعہ ادارۂ فروغ اردو لاہور میں رقم طراز ہیں:

''مہجور کی کتاب بھی اس زریں عہد کی یادگار ہے لیکن عام طور پر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں آیا اور اگر مطبع نول کشور کے مالک کی نظر اس پر نہ پڑتی تو یہ گوہرِ نایاب خاک کے نیچے دب کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہوتا۔ نورتن چھپی تو بہت پسند کی گئی اور مطبع والوں نے اس کے متعدد ایڈیشن چھاپے۔ اس وقت بازار میں اس کا جو ایڈیشن کہیں کہیں ملتا ہے وہ ۱۹۱۹ء میں چھپا تھا اور آٹھواں ایڈیشن تھا''۔

(صفحہ ۳۴۵)

وقار عظیم صاحب کے مرقومہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نورتن کا مسودہ مطبع نول کشور کے مالک کی نظر پڑ گیا اور انھوں نے پہلی بار اسے شائع کیا ورنہ وہ تلف ہو چکا ہوتا ۔ وقار عظیم صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ مطبع نول کشور کے قیام (۱۸۵۸ء) سے بہت پہلے نورتن مطبع مصطفائی میں چھپ چکی تھی ۔ چنانچہ مطبع مصطفائی لکھنؤ کا ۱۸۵۱ء مطابق ۱۲۶۷ھ والا ایڈیشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ، لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ مطبع نول کشور سے پہلے ہی نورتن چھپ چکی تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مطبع نول کشور اسے نہ شائع کرتا تو اس کا وجود ہی نہ رہتا ۔ مطبع نول کشور کے علاوہ بھی بہت سے مطبعوں نے اسے چھاپا ہے ۔ یونیورسٹی لائبریری میں اس کے متعدد ایڈیشن موجود ہیں اس لیے کم از کم نورتن کے سلسلے میں تو یہ بات مشکل ہی سے مانی جا سکتی ہے کہ ” اگر مطبع نول کشور کے مالک کی نظر اس پر نہ پڑتی تو یہ گوہر نایاب خاک کے نیچے دب کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہوتا ۔“ مطبع نول کشور کے مالک کی نظر نورتن پر ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں پڑی ہے جب کہ ملک بھر میں اس کے مطبوعہ نسخے عام تھے اور پھر نول کشور کا پہلا ایڈیشن مطبع نول کشور کے مالک کی جانب سے شائع نہیں ہوا بلکہ اس کی فرمائش میر امداد علی صاحب رئیس بانس بریلی نے کی تھی ، اس لیے نول کشوری اشاعت سے بھی مطبع کے مالک کا کوئی تعلق نہیں تھا ۔ تعجب ہے کہ پھر بھی اس کی اشاعت کا سہرا مالکِ مطبع کے سر پر رکھ دیا گیا ۔ اس اشاعت کا بھی ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔

تصحیح متن

'نورتن' کے متن کی تصحیح کے دوران مرقومۃ الذیل نسخے پیش نظر رہے ہیں:

(۱) 'نورتن' مطبوعہ بہ مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں واقع محلہ محمود نگر لکھنؤ، ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء، صفحات ۱۸۲۔ یہ غالباً نورتن کا پہلا ایڈیشن ہے۔
(مخزونہ کتاب خانۂ جامعہ پنجاب لاہور)

(۲) 'نورتن' مطبوعہ بہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء "حسب فرمائش سرکردۂ استادانِ روزگار میر امداد علی صاحب رئیس بانس بریلی"۔ صفحات ۱۷۹۔ یہ مطبع نول کشور کی اشاعتِ اولین ہے۔ (مخزونہ کتاب خانۂ جامعہ پنجاب لاہور)

(۳) 'نورتن باتصویر'۔ مطبوعہ بہ مطبع میور پریس دہلی بہ اہتمام بلاقی داس۔ اتمام طباعت آخر رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۸۷۲ء، صفحات ۱۸۲۔ یہ نسخہ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۶۷ھ (طبع اول) کی صفحہ بہ صفحہ نقل ہے۔
(مخزونہ کتاب خانہ مجلس ترقیٔ ادب لاہور)

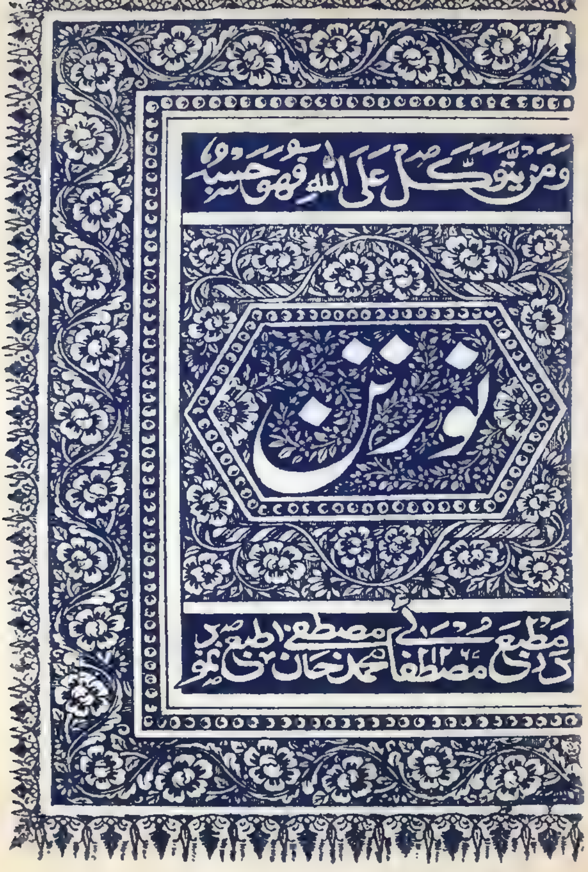
(۴) 'نورتن باتصویر'۔ مطبوعہ بہ مطبع ماہتاب ہند میرٹھ۔ قدرے ناقص الآخر۔ ۱۸۶۷ء کے فوراً بعد کی طباعت معلوم ہوتی ہے۔ آخری ایک یا دو

ورق کم ہیں ۔ موجودہ صفحات ۱۸۰ ۔
(مخزونہ کتاب خانۂ جامعہ پنجاب لاہور)

(۵) 'نورتن' مطبوعہ بہ مطبع محمدی بمبئی ۔ اتمام طباعت صفر ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء، صفحات ۲۲۸ ۔
(مملوکہ مرتب کتاب ھذا)

(۶) 'قصۂ نورتن' باتصویر ۔ مطبوعہ بہ مطبع مفید عام لاہور، بہ اہتمام منشی گلاب سنگھ مالک مطبع و تاجر کتب لاہور، قدرے ناقص الآخر۔ صفحات موجودہ ۱۷۶ ۔
(مملوکہ مرتب کتاب ھذا)

خلیل الرحمٰن داؤدی
ٹیگور پارک ۔ لاہور
۳۱۔ اکتوبر، ۱۹۶۲ء



(اولین نسخے مطبوعہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء کا سرورق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و سپاس بے نہایت اور ثنائے بے قیاس و بے غایت اس جناب احدیت اور شان الوہیت کو کہ جس کا ظہور پرنور ہر جا جلوہ‌گر ہے ۔ فی الحقیقت بقول میر درد :

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا نظر آیا وہی جدھر دیکھا

اور امجد علی خاں یوں کہتے ہیں :

از بس کہ چھا رہا ہے عالم میں نور اس کا
ہر برگ و ہر شجر میں دیکھو ظہور اس کا

اور یہ اشعار آب دار میر حسن مرحوم کے بھی مشہور ہیں :

نہ گوہر میں ہے اور نہ ہے سنگ میں
و لیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
تامل سے گر کیجیے غور کچھ
تو سب ہے وہی اور نہیں اور کچھ

اور چشم حقیقت اور دیدۂ معرفت سے بہ غور جو دیکھیے تو وصالی مرد متقی نے سچ کہا ہے :

که به چشہان دل میں جز دوست
هرچه بینی بداں که مظهر اوست

لیکن اے یارو ! اے مہربانو ! :

رباعی

اک عیش و طرب کا مبتلا ہے جگ میں
گلزار پہ جی سے اک فدا ہے جگ میں
میں اس پہ فدا ہوں جان و دل سے مہجور
جس کا جلوہ یہ ہو رہا ہے جگ میں

مناجات

تری درگاہ میں اے ذات باری !
یہ دل میری یہی ہے خواست گاری
که اس قالب میں جب تک دم‌میں‌دم هو
هر اک دم یاد سے تیری بہم هو
کوئی دم یاد سے غافل نہ ہوں میں
سدا اس یاد سے شاداں رہوں میں
جہاں کی یاد کر دل سے فراموش
کر اپنے عشق میں دن رات مدهوش
اگرچه واقعی تو وہ خدا ہے
که بندے سے نہیں اک دم جدا ہے
ولے چشم حقیقت میں ہیں ہم کور
بظاہر گرچه ہیں کہنے کو منه زور
ہر اک یه جانتا اور بوجھتا ہے
ولے مطلق نہیں کچھ سوجھتا ہے

خدا وندا ! مرے جرم و خطا کو
به دامان عطا تو ڈھانپ لیجو
به حق احمدؐ مختار و حیدرؑ
به حق حضرت زہراؑ و شبرؑ
به حق حضرت شبیرؑ یا رب
به حق عابدؑ دل گیر یا رب
تری درگاہ سیں از بہر حاجات
مری مقبول ہووے یہ مناجات

نعت سیّد المرسلین ، خاتم النّبیین ، محبوب ربّ العالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیه وآله واصحابه وسلّم

اور درود اس سرورؐ کائنات ، پاک ذات ، عالی درجات ، نیکوصفات کو سزا وار ہے که جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے خلق کیا ، چنانچه قول شیخ سعدی اظہر من الشمس ہے :

کلیمی که چرخ فلک طور اوست
همه نور ها پرتوی نور اوست

اور محمد قائم بھی سچ کہتے ہیں :

نه ہوتا وه اگر زینت ده خاک
تصدق خاک پر ہوتے نه افلاک
غرض جو کچھ که اُس کا مرتبا ہے
وه خود ہے عالِم اُس کا یا خدا ہے

اور اپنے نزدیک تو یوں ہے :

رباعی

کیا اس کی صفت کرے زبان ادراک
خود حق نے کہا ہو جس کے حق میں لولاک
ظاہر میں تو یوں ہے پر بہ باطن دیکھو
ظاہر کیا نور اُس نے اپنا از خاک

فی الواقعی اس میں کچھ دروغ نہیں ، چنانچہ اس کے مطابق یہ کبت ہے : کبت

جادن نور نبی کو ہتو تادن ہتو نہیں لوح نہ کلم
کیتے اکاس پتال گئے اور کیتے رہے جگ میں متکلم
اک لاکھ کئی ہزار پیمبر کا ہوکو دین رہو نہ مسلم
آخر نور ظہور رچے یہی صلی اللہ علیہ وسلم

منقبت حضرت امیرالمؤمنین حامیٔ دین اسداللہ سرور غالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور درود و سلام اُس امام عالی مقام ، نائب خیر الانام پر واجبات سے ہے کہ جس شکنندۂ قلعۂ خیبر ، قاتل عمرو انتر کی شان میں باغ جناں میں ہر زمان حور و غلمان یوں کہتے ہیں : عربی

لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

شعر

بیاں ہوں کس سے اُس کے اور اوصاف
مثل ہے یہ کہ چھوٹا منہ بڑی بات

صفت آل و اصحاب فیض مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور ہزاروں ہزار تحائف کبار اور ہدایۂ بے شمار اس کی آل و اصحاب فیض مآب پر نازل ہوجیو : ابیات

کہ ہے جن کے باعث قیام جہاں
کسی نے یہ پایا ہے رتبہ کہاں
انھیں کے سبب حشر تک بر زمیں
رہے گا شگفتہ یہ گلزار دیں

احوال خود

سخن دان عیسیٰ نفس اور منشیان سخن رس پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ ہیچ مدان، دل پریشان، محمد بخش نام، متخلص بہ مہجور، خلف حکیم خیر اللہ مغفور، شاگرد میاں جرأت مرحوم، ہمیشہ نقل ہائے عجیب و قصہ ہائے غریب سے ذوق و شوق رکھتا تھا ۔ اگرچہ اس نالائق ، رد خلائق نے سابق میں 'انشائے گلشن نو بہار' غیرت گلزار اور 'انشائے چار چمن' دل لگن، پر از قصص دل فریب، فسانہ ہائے عجیب بہ عبارت رنگین اور مضمون نو آئین زبان اردو میں تحریر و تسطیر کی ہیں مگر اس زمانۂ تعطیل و زندگیٔ قلیل میں بلبل فکر گلشن خیال میں یوں چہچہہ زن ہوا کہ اب اور سادہ عروس کاغذ کو حلیۂ نگارش افسانۂ رنگین اور حکایات نگارین سے محلیٰ کیجیے اور زلف معشوقۂ سخن کو شانہ کاریٔ زبان خامۂ جادو طراز سے بہ صد آراستگی سنوار کر نام دلآرام اس نیک انجام کا انشائے 'نو رتن' رشک چمن، گلزار جہاں میں سرسبز کرے اور اس کا گلدستۂ نورستہ نو باب پر مرتب کیجیے ، بقول میر حسن :

رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
که هے یادگار جہاں یہ کلام

اور مولوی جامی علیه الرحمة بھی سچ کہتے ہیں ، بیت :
نوشته بماند سیه بر سفید نویسنده را نیست فردا امید

پہلا باب : عاشقوں اور معشوقوں کے افسانے میں ۔
دوسرا باب : عورتوں کے چرتروں میں ۔
تیسرا باب : داد خواہوں کے عدل میں ۔
چوتھا باب : بادشاہوں اور فقیروں کے مصرع کہنے میں اور شاعروں کے فی‌البدیه مطلع کرنے اور بادشاہوں کے چھمچھیا کہنے اور کبیشروں کے کبت کہنے میں ۔
پانچواں باب : ظریفوں کے لطائف میں ۔
چھٹا باب : عاقلوں کی نقلوں میں ۔
ساتواں باب : احمقوں کی نقلوں میں ۔
آٹھواں باب : افیونیوں کی نقلوں میں ۔
نواں باب : بخیلوں اور منحوسوں کی نقلوں میں ۔

لیکن جوہریان سخن سنج اور متّیان بے رنج کی خدمت فیض درجت میں ملتمس ہے کہ فکر رسا اور طبع تیز پا اپنے دریائے سخن میں غوطه زن ہو کر اس انشائے نو رتن ، رشک چمن بے بہا کو جواہر عبارت سے آراسته و پیراسته کیا ہے ۔ جس مسلسل بیانی و تسلسل معانی میں کوئی گوہر لفظ بے جلا نظر آئے تو اس کو دست یاری ، صنعت کاری سے چرخ اصلاح پر چڑھا کر جلا کریں ، کس واسطے که :

خورشید نظر چو کرد بر سنگ تحقیق که لعل بے بہا شد

مگر اے مہجور بے شعور ! جب تک اس کتاب نایاب کی دستار رشک بہار پر حضور پر نور کی توصیف کا طرہ نہ ہو

تب تک اس عبارت پر فصاحت کی بندش اور لپیٹ آگے سے پیچھے تک کسی پیچ سے نہ کھلے گی۔ تو اب لازم ہے کہ قصیدے کے طور پر الفاظ رنگین اور مضامین نگارین بہم پہنچا کر اس رنگ کا بند نو باندھ کہ جس کے صلے میں ایسی دستار سربستہ مع خلعت پر زر حضور لامع النور سے عنایت ہو کہ جس سے افلاس بے قیاس تیرے سر سے لتی کر جائے : اشعار

بھید یہ تجھ کو بتانا تھا ضرور
اس لیے کہتا ہوں سن اے بے شعور!
شاخ نرگس سے کوئی لے کر قلم
یہ قصیدہ برگ گل پر کر رقم

قصیدہ نواب وزیر الممالک ، رفعت الدولہ ، رفیع الملک غازی الدین حیدر خاں بہادر شہامت جنگ کی مدح میں

مدح تیری کیا کروں اے زینت[1] ہندوستاں
کشور تقریر میں گویا نہیں میری زباں
جود و بخشش میں ترا ثانی نہیں آیا نظر
روم سے لے شام تک اور شام سے تا اصفہاں
برسے اے بحر کرم[2] جس جا ترا ابر عطا
در مکنوں کیا عجب ہے جو کہ ہوں پیدا وہاں
بار احساں سے ترے اے مہر بخشش آج تک
ہے زمیں زر ریز ساری اور دوتا ہے آسماں
چار سو تیری شجاعت کا ہے شہرہ آج کل
ہیں گدائے در ترے وہ جو ہیں زر دار جہاں

---

۱ - نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں 'خسرو' ہے۔
۲ - نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں 'ابر کرم' ہے۔

قطعہ

جس طرح تیری بدولت آج کل تیرے رفیق
زر سے پر رکھتے ہیں اپنی جیب کو اب ہر زماں
اس طرح گر[1] دیکھیے تو چرخ پر انجم کی جمع
اپنے کیسے میں نہ رکھتی ہوگی ہرگز کہکشاں
جس پہ تو نے کی سخاوت کی نظر اس نے کبھی
اپنے جیتے جی نہ دیکھا پھر کسی کا آستاں
ہر تونگر سے جہاں کے ڈیوڑھی دولت رکھتے ہیں
تیری دولت سے در دولت کے سارے پاسباں
تیری ہمت ایسی عالی ہے کہ ادنیٰ سا نفر
بخش دے اصطبل سے کتنوں کو گھوڑے گھوڑیاں

تعریف شجاعت

میں شجاعت کے تری اوصاف کیونکر لکھ سکوں
میرے خامہ اور زباں میں اتنی طاقت ہے کہاں
زور وہ حق نے دیا ہے تجھ کو اب اس دور میں
گیو اور رستم سے گر پُر زور ہوں دو پہلواں
شک نہیں اس میں کہ ان دونوں کو دو انگشت سے
اس طرح ٹکرائے تو جیسے ہوں طفل بے زباں
اور اگر دست مبارک دے ذرا ان کو فشار
دونوں آپس میں بہم ہو جائیں اک قالب دو جاں
اور زمیں پر دے پٹکنے کا جو عزم طبع ہو
تو نہ پھر ڈھونڈے ملے ان کا کہیں نام و نشاں

---

۱ - نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں 'پر دیکھیے' ہے -

تعریف شمشیر

وصف کس منہ سے کروں تیری حسام تیز کا
جوہر معنی اگر پیدا کرے میری زباں
لیکن اتنا جانتا ہوں تو اگر ضربت لگائے
کاہ سے بد تر نظر آنے لگے کوہ گراں
شک نہیں اس میں کہ اس کو کاٹ کر مثل خیار
یک قلم کر دے قلم گاوِ زمین کے استخواں

تعریف اسپ

تیرے گلگوں کی صفت میں کیا کروں اے شہسوار
فرش گل پر تو گلستاں میں جو ہو گرم عناں
یوں پھرے نرمی سے اس پر جس طرح باد سحر
چلتی ہے آہستہ میان بوستاں
اور اس گلگوں کی جلدی کا بیاں میں کیا کروں
گر آسے پھینکے ڈپٹ کر منہ سے اتنا کہہ کے ہاں
اس طرح غائب ہو 'ہاں' کے ساتھ وہ اس طور سے
دیکھ کر معشوق کو اڑ جائے رنگ عاشقاں

تعریف فیل

آسماں جاہ و حشمت ہے سواری کا جو فیل
کیا کہوں اس کی بلندی اور اس کی خوبیاں
وصف میں دانتوں کے اس کے ایسے دو مصرعے کہوں
روز و شب روشن دلوں کے جو رہیں ورد زباں

مطلع

دیکھ کر دانتوں کو اُس کے یوں کہیں اہل جہاں
یہ شب تاریک میں روشن ہیں دو شمعیں یہاں
عقد پرویں کہیے اُس کے پاؤں کی زنجیر کو
کہکشاں کا بان ہے اور سہرومہ کی چرخیاں
ماہ نے پیچک کو اپنی کھول کر اس کے لیے
چرخ کی گردش میں راتوں کو بٹی ہے ریسماں
اس کے ہودج میں جو نکلے بیٹھ کر تو رشک مہر
دیکھ کر تجھ کو عجب سے یوں کہیں اہل جہاں
عمر بھر دیکھا نہ تھا خورشید تاباں رات کو
سیر یہ دیکھی زمیں پر آج زیر آسماں

تعریف محفل

بزم کا تیری یہ نقشہ ہے اگر دیکھے کوئی
عمر بھر ششدر رہے گھر جا کے وہ آئینہ ساں
دیکھیے تو ہم نشیں پہنے ہوئے زرّیں لباس
گرد بیٹھے ہیں ترے سب یوں بچھائے کرسیاں
جس طرح تارے چھٹکتے[۱] ہیں قمر کے آس پاس
تیرا کمرا[۲] صاف دکھلاتا ہے رنگ آسماں
ہولی کے موسم میں تیری بزم کا دیکھا جو رنگ
غٹ کے غٹ باندھے ہوئے دامن حسینان جہاں

---

۱ - نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں ''چمکتے ہیں'' ہے لیکن میور پریس والے نسخے میں 'چھٹکتے ہیں' ہے -

۲ - نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں ''مکھڑا'' ہے لیکن میور پریس دہلی ۱۸۷۲ء کے نسخے میں 'کمرا' ہے -

پھرتے ہیں رنگ شفق میں شکل مہ ڈوبے ہوئے
ہاتھ میں مثل ثریا لے کے سب پچکاریاں
آنکھ اٹھا کر جس طرف دیکھا تو باندھے اپنا غول
ہر طرف کو پھرتی ہیں اس روپ سے سب رنڈیاں
دست رنگیں میں ہے دف اور گیند گل صد برگ کے
چھاتیوں پر بھی دوپٹے کی بندھی ہیں گاتیاں
اور کہیں آپس میں ہولی کھیلتی ہیں وہ جو سب
آن پری رویوں کا نقشہ کیا کروں میں اب بیاں
کوئی ملتی ہے عبیر اور کوئی ملتی ہے گلال
اور کوئی پیچھے کسی کے دے رہی ہے تالیاں
اور کوئی منہ سے گلابی کو لگائے اینڈتی[۱]
پھرتی ہے ہر سمت کو کھولے نشے میں چھاتیاں
کوئی ہاتھ اپنا دو گانا کے گلے میں ڈال کر
اس کے ہونٹوں کی لب جو پر ہے لیتی مچھیاں
کوئی پہنے لال کپڑے اور ملے منہ پر گلال
جلوہ گر یوں ہے شفق میں جیسے مہر آسماں
اور کوئی سادہ رو منہ پر ملے ہے یوں عبیر
دیکھ کر جس کو یہی کہتے ہیں دانائے جہاں
غور سے دیکھا تو یہ جانا کہ ہلکے ابر میں
چاند اترا ہے زمیں پر چھپ کے زیر آسماں
اور کسی نے جو کسی کے منہ پہ پھینکا ہے عبیر
تو وہ خم گردن کیے ملتی ہے اپنی انکھڑیاں

۱۔ میور پریس ۱۸۷۲ء میں ''اینڈتی'' ہے لیکن نسخہ مطبع محمدی بمبئی میں ''اینٹھتی'' ہے۔

اور کسی نے جو کسی کے[1] زور سے مارا ہے گیند
تو وہ جھنجھلاتی ہے بیٹھی اپنی پکڑے چھاتیاں
اور کسی کو جو کسی نے تر کیا ہے رنگ میں
تو کھڑی وہ کانپتی ہے بید سی تھر تھر وہاں

قطعه

اور کوئی دست حنائی میں چھپائے قمقمہ
یوں کھڑی ہے آن پری رویوں کے غٹ کے درمیاں
دیکھ کر جس کو یہ کہتے ہیں عجب سے جوہری
پنجۂ مرجاں میں کوئی لعل ہے گویا نہاں
اور کہیں آپس میں سب وہ با دف و چنگ و رباب
یہ غزل مہجور کی پھرتی ہیں ہر سو گاتیاں

غزل

کیا ہمیں سیر چمن سے کام ہے اے مہرباں!
خار آنکھوں میں نظر آتا ہے آس بن بوستاں
آپ ہم ڈوبے ہوئے ہیں اپنے غم کے رنگ میں
کس سے کھیلیں پھاگ کس کے ساتھ گائیں ہولیاں
چنگ کی آواز تیر آہ ہے دل کے لیے
ہے صدائے نوحہ سے بد تر سرود مطرباں
تب سے چلاتے ہیں بیٹھے گوشۂ زنداں میں ہم
جیسے باہر اپنے قبضے سے ہے وہ ابرو کماں
دشت الفت میں حجاب عشق کا ہو کیوں نہ لطف
لیلئ محمل نشیں کا قیس ہو جب سارباں

---

۱ - مطبع محمدی پریس ۱۳۱۱ھ میں 'کسی کو' ہے لیکن میور پریس ۱۸۷۲ھ والے نسخے میں 'کسی کے' ہے -

الغرض ان ماہ رویوں کی زباں سے یہ غزل
محفل عشرت میں سن اور دیکھ ہولی کا سماں
یوں جناب احدیت میں کی دعا مہجور نے
یا الٰہی جب تلک قائم رہے سارا جہاں
یوں ھی با عیش و طرب دنیا میں دائم خوش رہے
غازی الدیں حیدر نواب فخر خسرواں
اور جو دشمن باطنی ہوں دوست ہو آن کی اجل
خواہ اس میں طفل ہوں، یا پیر ہوں، یا نوجواں

پہلا باب

عاشقوں اور معشوقوں کے افسانے میں

داستان ایک عورت کے طلب کرنے میں ایک مرد نویسندہ کو خط لکھنے کے واسطے اور اس کا عاشق ہونا اس عورت پر اور اس کا ڈوبنا[1] تالاب میں اس عورت کے شوہر کے فریب سے اور آبِ اجل کا گزرنا سر معشوق سے اسی تالاب میں آٹھ روز کے بعد

منشیان نامۂ حقیقت اور حاکیان ملاطفۂ محبت یہ حکایت پرغم نوک قلم سے یوں رقم کرتے ہیں کہ قلمرو ہندوستان دلستان میں ایک شخص نجیب الطرفین ، صحیح النسب ، جواھر رقم ، صاحب دست و قلم قدیم الایام سے سکونت رکھتا تھا ۔ قضائے کار فلک کج رفتار بے مدار نے اس کا دفتر یک قلم ایسا ابتر کیا کہ وہ جگر خراش برائے تلاش معاش

۱۔ مطبع مجدی ۱۳۱۱ھ میں 'ساتھ جانا ہے' لیکن میور پریس ۱۸۷۲ء والے نسخے میں 'ڈوبنا' ہے ۔

اپنی بود و باش چھوڑ کر جلا وطن ھوا ۔

بعد انقضائے چند ایام اس ماہ تمام کی عورت مہر طلعت نے خط نویسی کے لیے ایک نویسندۂ شکستہ احوال ، وابستۂ ملال کو بلوا کر ڈیوڑھی میں بٹھایا اور یوں حرف زن ھوئی کہ اے راقم صحیفۂ مودت ! و اے ناظم دفتر محبت ! اس دور افتادہ غم آمادہ کی طرف سے شوھر رشک قمر کو صفحۂ حریر پر یوں تحریر کر کہ اے آداب مکتوب الفت! و اے القاب منسوب مودت! اس بات کا خدا شاھد حال ھے کہ جس دن سے اس دل پر حسرت کے جگر میں خارھجراں چھوڑ کر اُدھر روانہ ھوئے ھو ، اُس دن سے میں پر ملال اپنی بے قراری اور آہ و زاری[1] کا حال کیا لکھوں ، دلھن بیگم صاحبہ کے بقول : شعر

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ھی خواری سے کٹی

اور سچ ھے بقول شخصے : دوھرا

اپنے پیتم لال سے مل بچھڑے جن کوئے
بچھڑت دکھ جانے وھی کہ جو کوئی بچھڑا ھوئے

فی الحقیقت : شعر

جدا کسی سے کسی کا کبھی حبیب نہ ھو
یہ درد وہ ھے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ھو

لیکن دیکھیے کہ یہ حجاب شب تنہائی اور پردۂ روز جدائی ھوائے وصال سے جامع المتفرقین کس دن اُٹھائے گا اور ھم تم باھم اُس باغ جہاں میں بے تامل مثل بلبل

---

۱ ۔ نسخہ مطبع مھدی دھلی ۱۳۱۱ھ میں 'وزاری' نہیں ھے ۔

چہچہہ زن کس دم ہوں گے اور دل جو افسردہ مثل گل پژمردہ ہے ، شکل گل خنداں صبائے امید سے دیکھیے کب شگفتہ ہوگا اور طاؤس آرزوئے وصال کو باغبان قضا و قدر فصیل امید پر کب جلوہ گر کرے گا اور عندلیب عشرت شاخ تمنا پر گلشن ہستی میں دیکھیے کس وقت کریال کرتی ہے اور اگر[۱] خدانخواستہ یہ صحرائے مفارقت ہمارے اور تمہارے درمیان اسی روش پر حائل رہا تو یہ چشم اشک بار مثل آبشار دریا بہا بہا کر طوفان برپا کرے گی اور یہ یقین ہے کہ چمن ساز جنون کشت دماغ میں وحشت کی چمن بندی کر کے حرمان کی پٹری[۲] جا وے گا تو بقول سراج[۳] اکبر آبادی کے یہ حالت ہوگی : شعر

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

اب آگے اشتیاق مواصلت اور اتحاد موانست کہاں تک تحریر اور تسطیر[۴] کیجیے، بقول دوھرے کے : دوھرا

پر پیتم پتیاں تو لکھوں کہ جو کچھ انتر ہوئے
ہم تم جیورا ایک ہیں پر دیکھت کے ہیں دوئے

فی‌الحقیقت اس شعر کے موافق : شعر

جس کی محبت میں آہ ! آٹھ پہر جی جیے
اس کو جدا جان ، خط کیوں کہ لکھا کیجیے

---

۱ - مطبع مجدی دھلی والے نسخے میں 'اگر' نہیں ہے ۔
۲ - نسخۂ مطبع مجدی دھلی میں 'پرے' ہے ۔
۳ - مصنف کو غلط فہمی ہے ، یہ سراج اورنگ آبادی ہے ۔
۴ - نسخہ مطبع مجدی ۱۳۱۱ھ میں 'اور تسطیر' نہیں ہے ۔

لیکن رسم زمانہ قدیم الایام سے نامہ و پیغام کی ہے ، اس سبب سے اس دور افتادہ غم آمادہ نے اپنے حال کثیر الاختلال کا عریضہ ارسال کیا ہے ، پر اس دل طپیدہ ، غم کشیدہ کی یہ امید ہے کہ اس خط پُر فرقت کے پہنچتے ہی وہاں سے آپ بھی نامۂ محبت شامہ اس طرف کو روانہ کیجیے تا کہ مہجور بادیۂ غربت ، پُر صعوبت کی تشفیٔ خاطر فاتر ہو ، چنانچہ مشہور و معروف ہے ''المکتوب نصف الملاقات۔''

غرض وہ نازنین ، ماہ جبین ، با دلِ اندوہ گین ادھر اس نویسندہ کے رو برو ایک پردے کی اوٹ میں بیٹھی یہ حال پُرملال کہہ رہی تھی اور ادھر عشق کا فراش پردے پردے میں اس نویسندۂ آفت رسیدہ کا پردہ فاش کرنے کے درپے ہوا اور حاکم عشق کا افواج غم کو یہ شقہ پہنچا کہ صبر و شکیبائی کا خیمہ اس کے ملک دل سے باہر نکالو اور درد و محن کا اسپک وسعتِ سینہ پر چوبِ آہ سے استادہ کردو اور نمگیرۂ چشم کے آگے حیرت کی قنات روک کر بے خودی کے سرانچے کھینچ کر اس ہرزہ گرد پُردرد کو وحشت کے سلامت کوچے میں چھوڑ دو تب تو بقول سراج :

شہِ بے خودی نے عطا کیا اُسے جب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

حاصل کلام ، اس ماہ تمام سے یہ دل فگار، نامساعد روز گار جو ایک بار دو چار ہو گیا ، یک بیک مثل آئینہ ششدر و حیران ہو کر چپ ہو رہا۔ ایک لحظے کے بعد بہ صفائی دل کہنے لگا کہ اے آئینہ رو ! اگر تیرے دل میں غبار کدورت نہ بیٹھے اور عار سی نہ آئے تو ذرا اس حال پُرملال کو زبان مبارک سے پھر دوبارہ ارشاد کر ، کس واسطے کہ میری عقل ناقص

میں ذرا نہیں آیا ۔ اس میں اس پری رخسار، رشک گلزار نے پھر دوبارہ وہ حقیقتِ محبت آمیز، وحشت انگیز اس مبہوتِ عشق کے روبرو زبان جادو بیان سے بیان کی ۔

غرض اس بخت سیاہ، جانکاہ کے دھن سے پھر یہی سخن نکلا کہ اے طوطیٔ خوش الحان و اے سحرالبیان! پھر کہو، پھر کہو۔

المدعا اس رشکِ ماہ منیر، صاحبِ تقریر نے اس کشتۂ الفت، خستۂ محبت کے سامنے مکرر سہ کرر حقیقتِ ھجرت زبانِ سحرالبیان سے اظہار کی مگر اس نویسندۂ جفا کشیدہ، دل طپیدہ کی زبان سے پھر یہی سرزد ہوا کہ اے نازنینِ ماہ جبین ! پھر کہو، پھر کہو ۔ الغرض اس ماہ طلعت، مہرِ برج عفت کو صاف دریافت ہوا کہ یہ عزیز بے تمیز کچھ سڑی، سودائی سا نظر آتا ہے ۔ یہ خیالِ کثیر الاختلال وہ ماہ تمثال دل میں کر کے اپنے محل بے بدل، برج آسا میں رونق بخش ہوئی اور آہ! یہ بخت سیاہ شکلِ خامۂ چاک جگر سرنگوں ہو کر صحرا کی طرف یہ کہتا ہوا چلا ''اے بلبلِ گلِ نودمیدۂ شاخسار ! پھر کہو، و اے صلصلِ سروِ جوئبار ! پھر کہو'' غرض اس بندۂ خدا، عاشقِ بتِ جانفزا نے یہی کلام صبح و شام ورد کیا اور اپنی ملت سے دست بردار ہو کر مذہب عشق اختیار کیا اور امیر خسرو کا یہ شعر زبان پر لایا : شعر

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

اور بتوں کی پرستش سے ایک بار بیزار ہو کر بت خانۂ دل میں اس صنم حور لقا، بے وفا کو تصور کر کے سنگاسنی پر بٹھا کے پوجا کرنے لگا اور کسی دل‌فگار کا یہ شعرِ آبدار با دیدۂ اشکبار زبان پر لایا : شعر

فدا گنگ و جمن بر ہر دو چشمِ اشک بارِ من
نمی آئی چرا از بہرِ اشنان در کنارِ من

اور بجائے زنار وہ عاشق زار تسلسل اشک کی سیلی گلے میں ڈال کے بستر خاک کی آسنی پر بیٹھ کر آہ وفغاں کا ناقوس پھونکنے لگا اور بجائے اشنان وہ خستہ جان سر پر خاک دھول اُڑانے میں مصروف ہوا اور رام رام کے نام جپنے سے اس بے آرام کو مطلق آرام نہ تھا ، مگر اس دلارامِ خوش خرام کے تعشق میں یہ شعر وردِ زبان تھا : شعر

تبھی دل کو مرے آرام ہوگا مرا وحشی جو مجھ سے رام ہوگا

اور کبھی وہ نوگرفتار دیوانہ وار کُو بکُو ''پھر کہو ، پھر کہو'' کہتا پھرتا تھا اور کبھی وہ صحرا نورد پُردرد صحرا میں بگولے سے ہمسری کرتا اور میر ضیا کا یہ مطلعِ پُر درد پڑھتا :

کبھی صدمہ بگولے کا کبھی صرصر کی زحمت ہے
ہماری خاک یوں اڑتی پھرے اے ابر رحمت ہے

اور کبھی وہ غریقِ ورطۂ محبت، شفیقِ بادیۂ غربت، لبِ دریا بیٹھ کر اشک کا دریا بہاتا اور سلیمان شکوہ کا یہ مطلع پڑھتا :

بیت

دل اب تو عشق کے دریا میں ڈالا توکّلتُ علی اللہِ تعالیٰ

اور کبھی زیر کوہسار با دیدۂ اشکبار اپنی بے کسی، بے بسی پر سر کو پتھر سے ٹکراتا اور یہ شعر پڑھتا : شعر

کوہ کن کوہ میں اور قیس موا صحرا میں
سر پٹکنے کو رہا کوئی نہ ہمسر اپنا

رفتہ رفتہ اس قصۂ پُر آشوب نے یہاں تک سر بلند کیا کہ

اس ماہِ برجِ عفت اور مہرِ آسمانِ عصمت کا شوہر رشکِ قمر سفر سے گھر میں جو آیا تو اس کے بھی گوشِ ہوش تک یہ احوالِ پرملال پہنچا۔ اس واردات واہیات کو سنتے ہی وہ نیک ذات دوبانۂ غیرت میں مستغرق ہوگیا۔ آخرکار لجۂ فکر میں غوطہ‌زن ہو کر اس شناورِ بحرِ الم نے دل ہی دل میں بقول میر تقی:

اشعار

مشورت کی کہ مار ہی ڈالیں
دفعۃً اس بلا کو ہم ٹالیں
پھر یہ سوچا کہ ہوں گے ہم بدنام
سن کے آخر کہیں گے خاص و عام
کیا گنہ تھا کہ یہ جواں مارا
کس نے مارا اسے کہاں مارا
فتنۂ خفتہ یہ جو ہو بیدار
کھینچنی ہوں گی ذلتیں بسیار
کیجیے ایک ڈھب سے اس کو تنگ
تا نہ عائد ہو اپنی جانب ننگ

یہ تدبیر اس بے پیر نے ٹھہرا کر ایک شخصِ غیر سے کہا کہ اے بھائی! اس مردِ سودائی مجبورِ ناشکیبائی سے کہہ دو کہ اے عزیز با تمیز! جس ماہ رو و مہر جبین پر تو ذرہ وار بےقرار ہے، وہ دُرِ یکتائے بحرِ خوبی اور لعلِ بے بہائے کانِ محبوبی کل ہمدمانِ دل سوز کے ساتھ بیرون شہر تالاب پُر آب میں غسل کے واسطے تشریف لے گئی تھی، سو قضا و قدر سے اس تالابِ آفت مآب میں وہ رشکِ مہتاب، مثلِ گوہر نایاب ہو گئی۔

قطعه

لیکن افسوس بحر دنیا میں
زندگانی سے تو ہے کیوں سیراب
منصب عشق چاہتا ہے پھر
تو بھی جا کر وہیں ہو غرق شتاب

ورنہ اے ننگِ محبت ! و اے بے عزت و بے مودّت ۔

مثنوی

تیری اس زندگی پہ لعنت ہے
سخت تو مرد بے حمیّت ہے
یعنی جس سے کمال الفت ہو
وہ بہ دریا غریق رحمت ہو
بحر ہستی میں اور تو دن رات
اس طرح سے رہے بقید حیات
بس اسی میں ہے آبرو تیری
اور عزت ہے کُو بکُو تیری
جس طرح ڈوب کر موئی وہ نگار
تو بھی اس طرح جان دے اے یار
ورنہ اس عاشقی کا اے نا کام
پھر نہ لانا زباں پر اپنی نام

یہ سب گفتگو وہ بدخو اس شخص کو سکھا کر آپ تو اپنے گھر میں آ بیٹھا اور اس خانہ خراب بے حجاب نے اس غریقِ بحرِ الفت اور رفیقِ رنج و محنت کے سامنے با دیدۂ اشکبار یہ اظہار کیا کہ اے شناورِ بحرِ الم! و اے ہم کنارِ لجّۂ غم! کل بلائے ناگہانی سے تیری مایۂ زندگانی فلانے تالابِ آفت مآب میں

ڈوب کر مر گئی ۔ یہ احوالِ پُر ملال وہ نوحہ‌گر دلِ مضطر سن کر پہلے تو ایک دو گھڑی گرداب الم میں غوطہ زن رہا ، آخرالامر جی میں یہ لہر آئی کہ اس بحرِ ہستی سے کنارا کیجیے اور دریائے فنا سے بادیدۂ اشک‌بار ہم‌کنار ہوجیے اور امواج اجل کی زنجیروں سے پائے زیست کو سلاسل کیجیے ، کیوں کہ بقول جرأت : شعر

به دریائے محبت موج آسا غم کے مارے ہم
کبھی ہیں اس کنارے اور کبھی ہیں اُس کنارے ہم

آخرکار وہ غریقِ ورطۂ محبت اور رفیقِ لجّۂ محنت اس تالابِ پُر آب میں جا کر رنج و زحمت سے غریقِ رحمت ہوا ۔ القصه چند ایام کے بعد اس ماہِ خوش خرام کو معتبرانِ صادق اور مخبران فائق سے جو یہ خبر وحشت اثر تحقیق معلوم و مفہوم ہوئی کہ وہ نویسندۂ دل طپیدہ اس واردات سے هیہات فلانے تالاب میں ڈوب کر مر گیا ، اس قصۂ جاں گداز اور ماجرائے غم انباز کو سن کر اشکِ حسرت پی کر چپ ہو گئی پر دل میں یہ کہنے لگی :

قطعه

ھائے یہ اس نے کیا کیا افسوس
کس مصیبت سے جی دیا افسوس
میں نے اس بے گنہ کا خوں سر پر
بیٹھے بٹھلائے کیوں لیا افسوس

غرض وہ روز اس شمعِ شب افروز ، جگرسوز کو روتے روتے کٹا لیکن دل میں عشق کا چور رشتۂ محبّت کو آتشِ غم سے بھڑکانے لگا ، اور دل مثلِ پروانہ اس کے شعلۂ شوقِ وصال میں

جلنے کی پروا نہ رکھتا تھا ، اور آنکھوں میں تیرگیٔ غم کی چربی سی چھانے لگی ، اور گل‌گیرِ اجل بھی اس شمع رو، شعلہ خو کے سر سے لگن لگا کر یہ کہنے لگا : شعر

ٹک میرے جگرِ سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

المدعا جب کہ رات کا وقت ہیہات درپیش آیا تو بے اختیار بحر محبت نے یہ جوش مارا کہ اس کی کشتیٔ عقل باد مخالف بے قراری سے پارہ پارہ ہوئی اور صبر و شکیبائی کا لنگر ٹوٹ گیا اور حواس خمسہ کا مستول جہاز دماغ سے گر پڑا ۔ غرض نا خدائے عشق کے مشورے سے وہ ماہ مانندِ ماھیٔ بے آب سب سے کنارہ کر کے اس تالابِ پُرآب کے کنارے پہنچ کر یہ کہنے لگی :

اشعار

پاس تیرے اب اے تمنائی
جان دینے کو میں بھی ہوں آئی
تیرے مرنے سے عاشقِ مضطر
زندگی اب وبال ہے مجھ پر
جان اپنی کرے تو مجھ پہ تباہ
اور میں جیتی رہوں جہان میں آہ
یہ نہیں چاھتی ہے غیرتِ عشق
طعنہ‌زن مجھ پہ ہے حمیّتِ عشق

یہ شعرِ جاں‌گداز وہ مایۂ ناز آوازِ حزیں سے زبان پر لا کے اس تالاب میں کود پڑی لیکن بقول میر تقی :

ابیات

موج ہر اک کمند شوق تھی آہ
لپٹی اس کو بہ رنگ مار سیاہ
دام گسترده عشق تھا تہ آب
جس کے حلقے تمام تھے گرداب
حسن موجوں میں یوں نظر آئے
نور مہتاب جیسے لہرائے
تھیں جو اس کی حنائی انگشتاں
غیرت افزائے پنجۂ مرجاں
سر پہ جب اس کے آب ہو کے بہا
سطح پانی کا آئینہ سا رہا
کشش عشق آخر اس مہ کو
لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو
کہتے ہیں ڈوبتے اچھلتے ہیں
ایسے ڈوبے کہیں نکلتے ہیں
یوں جو ڈوبے کہیں وہ جا نکلے
غرق دریائے عشق کیا نکلے

مگر وہ عاشق زار پر اضطراب ، تہ آب میر معصوم کا یہ مطلع زبان پر لایا : مطلع

پس از مردن مرا آں سرو قامت بر مزار آمد
قیامت آمد اما بعد چندیں انتظار آمد

الحاصل یہ مہ پارہ جذبۂ عشق سے اپنے غرقہ سے ہم کنار ہوئی اور یہ واقعۂ حیرت افزا، رقت‌انتما اس شمع رو ، نیک‌خو کے شوہر خستہ جگر کو وقت سحر جو دریافت ہوا تو آہ ! بحال تباہ

گریاں ، با دلِ بریاں لبِ تالاب حیرت مآب پر آ کر کیا دیکھتا ہے کہ ہر طرف مرد و زن کا ھجوم، با دلِ مغموم بصد شور و شیون میر تقی کا یہ شعر پڑھ رہا ہے :

محبت نے کام اپنا پورا کیا
کہ ان دونوں لعلوں کو[1] چورا کیا

اس روداد کو یہ خانماں برباد ملاحظہ کر کے مثلِ ماھیٔ بے آب بیتاب ہو کر یہ کہنے لگا :

ابیات

عشق نے گھر ڈبو دیا میرا ‏ ‏ دُرِ نایاب کھو دیا میرا
ہم نگاھوں میں کُو بکُو میری ‏ ‏ ڈوبی عزت اور آبرو میری

ھائے اے قاضی الحاجات ، و اے مجیب الدعوات! یہ حرفِ روسیاھی یک قلم مجھ جگر شگاف کے بزرگوں پر کس شکل سے آیا کہ ایک نویسندۂ دامن دریدہ ، شکستہ احوال ، وابستۂ ملال کے ھمراہ میرے دل‌خواہ نے عشق کی فیلسوفی سے اپنی جان دی ۔ یہ بھی قسمت کا لکھا درپیش آیا جو میرا خانماں یوں یک قلم زیر و زبر ھو گیا ، بقول سودا :

اس زیست سے بہتر ہے اب موت پہ دل دھریے
جل بھنیے کہیں جا کر یا ڈوب کہیں مریے
کس طرح کٹیں راتیں کس طرح سے دن بھریے
کچھ بن نہیں آتا ہے حیران ہوں کیا کریے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اے سامعانِ قصۂ محبت ! و اے شاعرانِ ترجمۂ الفت! وہ

---

۱ - مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ والے نسخے میں 'لعلوں کا' ہے ۔

طپیدۂ غم رسیدہ، مائلِ رقت و حیرت تھا مگر اس کے خویش و اقربا نے اس تالاب پُرعذاب میں جال فی‌الحال جو ڈلوائے تو وہ دونوں غریقِ بحرِ الفت باہم دست و بغل بقول میر تقی اس شکل سے نکلے :

ایک کا ھاتھ ایک کی بالین
ایک کے لب سے ایک کو تسکین
جو نظر ان کو آن کرتے تھے
ایک قالب گماں کرتے تھے

غرض ہر چند با دلِ دردمند لوگوں نے چاہا کہ ان دونوں کو جدا کر کے تجہیز و تکفین کیجیے لیکن ممکن عقل تھا کہ جنھوں نے اس شکل کی مصیبت سے جان دی ہو وہ سہج[1] میں جدا ہوں ، بقول میر تقی :

بیت

کیوں نہ دشوار ھووے ان کا فصل
جان دے کر ھوا ھو جن کا وصل

آخر چارناچار ان دونوں جان دادہ کو ایک ھی قبر میں بادیدۂ پُرخون مدفون کیا ۔

اب آگے اس کے شوہرِ خستہ جگر کی بے قراری اور اشک‌باری کی حالت کیا لکھوں بقول جرأت : شعر

قلم کو بھی نہیں طاقت رقم کی
کہ اب چھاتی ھی پھٹتی ھے قلم کی

زباں کو تھام لے اب تو بھی مہجور
نہایت طول رکھتا ھے یہ مذکور

۱ - نسخہ مطبع مجدی ۱۳۱۱ھ میں 'سہل' ھے ۔

یہ ادنیٰ اس میں ہے تاثیر مخلوق
نہ عاشق اس سے بچتا ہے نہ معشوق

داستان

بیگما کے عشق میں عظیم بیگ کا جان دینا اور کوئے محبوب میں تابوت عاشق کا بھاری ہونا اور اس اعجوبہ تماشے کے بعد اس محبوبہ کا آپ کو ظاہر کرنا اور جنازۂ معشوقہ کے ہمراہ تابوت[1] عاشق کا سبک بار ہونا

اے سامعانِ تشریحِ محبت! و اے سخن نیوشانِ تلویحِ بلاغت! سابق میں جلادِ عشق نے کیسے کیسے جوانِ پرارمان اپنے قبضے میں لا کر تیغِ الم سے بے آب جوہر کیے ہیں کہ تمام اصیل و نجیب پناہ مانگتے ہیں ؛ چنانچہ مشہور و معروف ہے ، بقول میر تقی :

گیا قیس ناشاد اس عشق میں
گئی جان فرہاد اس عشق میں
ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ
کیا اس نے لیلیٰ کا خیمہ سیاہ
سنا ہوگا وامق پہ جو کچھ ہوا
نل اس عشق میں کس طرح سے موا

---

۱ - نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ ھ میں یہ لفظ نہیں ہے -

جو عذرا پہ گزرا سو مشہور ہے
دمن کا بھی احوال مذکور ہے
کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ واں
نہ ہو اس سے آشوب محشر عیاں
کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی
کہاں خون سے غازہ کاری نہ کی
زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہے یہ اعجوبۂ روز گار

اور حال میں ایک پیرِ زال ، نیک خصال ، صدق مقال باشندۂ لکھنؤ کی زبانی ہے کہ ایک میری ہم جولی منہ بولی بہن رشکِ چمن بیگما نامی جو مجھ سے نہایت موانست رکھتی تھی لیکن وہ ماہ لقا رشک بدرالدجیٰ بارہا فرماتی تھی کہ بہنا! یہ اتحاد نیک نہاد عالم کتخدائی اور خانہ آبادی میں موقوف نہ کرنا کیوں کہ بقول شاعر : شعر

غنیمت شمر صحبت دوستاں کہ گل پنج روز ست در بوستاں

الحاصل وہ آئینہ رو نیک‌خو محلۂ سنگین محل میں ایک مغل ، اہل دول سے کتخدا[1] ہوئی ، اور وہ جو زنگ بد رنگ کدورت و حسرت اس کے آئینۂ دل پر رہتا تھا ، سو سو صفائی کے ساتھ صیقلِ خوشی سے دور ہو گیا اور نہالِ امید شبنمِ فرحت سے گلشن دل میں سر سبز ہوا اور غنچۂ آرزوئے عشرت نسیمِ نشاط سے روز بروز شگفتہ ہونے لگا اور بلبلِ عنفوانِ شباب شاخِ مراد پر پھول پھول کر بیٹھنے لگا ۔

غرض وہ غنچۂ حدیقۂ محبوبی اور وہ گلِ گلستان خوبی

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ مطبع مصطفائی ۱۲۶۵ھ میں اور نسخہ مطبع میور پریس دہلی ۱۸۷۲ء میں 'کد خدائی' ہے ۔

اپنے مکانِ دلستان، رشکِ بوستان میں لیل و نہار مثلِ جوشِ بہار رھنے سہنے لگی ۔

قضائے کار اس دور افتادہ ، غم آمادہ کے گھر میں رت جگے کی رسم درپیش ھوئی ۔ عوراتِ قبیلہ اور زنانِ ھمسایہ شگفتگیٔ خاطر سے میرے مکان میں رونق افزائے محفل ھوئیں اور وہ غیرتِ گلزار، رشکِ بہار بھی تجمل نو عروسی اور لباسِ سندروسی سے ایک محافۂ زرنگار ، اعجوبۂ کار پر سوار مثلِ جوشِ بہار بصد نمود ، در مقصود پر موجود ھوئی ۔

غرض وہ ماہ رخسار ، خوش نگار ، دست حنائی ، رشک پنجۂ مرجان سے محافے کا پردہ اُلٹ کر مکان شادی میں داخل ھوئی اور ایک جوان پُر ارمان مرزا عظیم بیگ نامی نورستۂ باغ جوانی ، گلدستۂ حدیقۂ کامرانی بلائے ناگہانی سے غافل، محافۂ دلفریب کے قریب کھڑا تھا کہ یکایک اس بندۂ خدا کو بقول مصحفی : شعر

پہلے تو فقط شرم کی صورت نظر آئی
پردہ جو گیا کھل تو قیامت نظر آئی

غرض یہ دل طپیدہ ، گریبان دریدہ ، عالم حیرت میں مثلِ تصویر ، دل گیر اس نقشے سے بے خود تھا ، بقول مصحفی :

نظم

حیرت زدہ وہ نگاہ ٹھہری
آ کر کے لبوں پہ آہ ٹھہری
سودے نے کیا مقام سر میں
اٹھنے لگی سول سی جگر میں
مژگاں ھوئیں اشکِ خوں سے تزئیں
پلکیں بنیں رشکِ عقدِ پرویں

وہ سادہ بہ عالم جوانی
آیا بہ بلائے ناگہانی
الفت میں زبسکہ نو ہوس تھا
خود وہ بمقام شعلہ خس تھا

الغرض دو گھڑی کے بعد ہوش نے اُس بے خود کو بے خودی سے افاقہ دے کر بستر توانائی پر مسند نشین کیا اور حواس خمسہ سے کہا کہ اس دل دادۂ غم آمادہ کی اِس وقت رفاقت نہ چھوڑنا کیوں کہ بقول شاہ قدرت : شعر

صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

اس عرصے میں جس وقت پیر زالِ شب نے مہتاب کے چہرے کو چاندنی کی اوڑھنی اُڑھا کر عقد پرویں کا ہار ڈالا اور زہرہ و مشتری کا رحم بنا کے سپہر کی کڑاھی میں انجم کے گلگلے تلنے شروع کیے ، اُس وقت مکان شادی میں رت جگا عشرت فزا کے سامان میں ہر ماہ رو ، نیک خو مصروف و مالوف ہوئی مگر یہ تیر خوردۂ عشق ، گوشہ نشین حجلۂ محبت ہدفِ ناوکِ الفت اُس ابرو کمان کے تعشق میں چلا چلا کر مرزا قتیل کا یہ مطلع پڑھنے لگا : مطلع

در رہِ عشق دلم شد ہدف تیر کسے
زخمِ من بہ شدنی نیست ز تدبیر کسے

لیکن اس مبتلائے الم اور کشتۂ ستم کو میری نندِ دل بند سے اخلاص خاص تھا ۔ اس کی وساطت سے اُس گل رُو پُرآرزو نے کچھ پھولوں کے گہنے اور ہار رشک بہار اس واسطے اندرون خانہ روانہ کیے کہ بوئے الفت سے اس غنچہ دہن

رشک چمن کا مشام دلآرام معطّر ہو تاکہ میرے دل کی بے کلی کسی روش سے دور ہو جاوے اور خارِ ہجراں ہر زماں دل میں نہ کھٹکے ، اور کبھی وہ رشکِ یوسفِ مصری شیرینی کے دونے مہمان خانے میں اس واسطے بھیجتا تاکہ وہ شیریں دھن بھی اس میں سے کچھ نوش جان فرمائے تو میری زندگی دار فانی میں تلخ نہ ہو ، اور کبھی وہ نیک ذات کچھ تحفہ جات نادرات ہاتھوں ہاتھ اس وسیلے سے وہاں پہنچاتا کہ شاید مجھ ناچیز کی چیز اس باتمیز کے ہاتھ میں پہنچے تو یہ بے قراری مجھ سے پہلوتہی کرے اور دست بردار ہو ، اور کبھی وہ دل بیتاب ، مثل سیماب ہر بار بے قرار ہو کر کہتا کہ دیکھیے اس شب کی سحر ُپر غضب کیا قیامت برپا کرے گی ، کیوں کہ یہ مکان شادی ہے ، کل وقت سحر ہر ماہ پیکر اپنے اپنے گھر کو رخصت ہو جائے گی تو بقول مصحفی:
شعر

میں غم زدہ آہ کیا کروں گا
بے آئے اجل ہی مر رہوں گا

بیان سحر : اس خیال ُپر ملالِ میں عروسِ ماہ مع سیارگان حجلۂ مغرب میں روپوش ہوئی اور مسافر آفتاب جہاں تاب گریبانِ سحر چاک کر کے اور شعاعوں کے اشک منہ پر بہا کے سمت مشرق سے نمود ہوا ، اس وقت اس تیرہ روز ، جگر سوز کا احوالِ ُپرملال کچھ نہ پوچھو ، بقول مصحفی : شعر

تھی شبِ وصل کھل گئی جو آنکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ

الحاصل سحر کو سب نازنینانِ ماہ تمثال ، خوش جمال

اپنی اپنی ہم جولیوں سے بصد بشاشت رخصت ہو کر گھروں کو سدھاریں مگر جس پری رخسار ، گل عذار سے اُس کی لاگ لگی تھی، جب اس کا محافہ اس بے نصیب کے قریب آیا ، اُس دم اُس بے دم ، تفتہ جگر ، سوختہ دل کی یہ حالت ہوئی گویا باروت کے تودے میں آگ لگا دی۔

غرض وہ محافۂ زرنگار ، رشکِ بہار ، کہارانِ بادِ رفتار کی چالاکی سے برق وار چمک کر جونہیں اُس کی نظروں سے غائب ہو گیا ، ونہیں اُس تیرہ بخت ، دلِ دولخت کو ابر غم نے گھیر لیا اور آہ و فغاں اور شور و بکا کی آواز رعد کی گرج کو صم و بکم کرنے لگی اور دل بیتاب کی تڑپ نے بجلی کی کڑک کو مثلِ برد سرد کر دیا اور آہِ سرد پُر درد نے ہوا کے جھونکوں کو گرد کر دیا اور چشم گوہر بار بھی مثلِ ابرِ نو بہار زار زار رو رو کر ساون کی جھڑی پر چشمک زن ہو کر بقول مرزا سودا یوں کہنے لگی :
شعر

ساون کے بادلوں کی طرح جل بھرے ہوئے
یہ نین وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

غرض اور حقیقت پُر از رقت اس آفت رسیدہ ، محنت کشیدہ ، دل طپیدہ ، جان رمیدہ کی کیا کہوں ! کبھی تو اُس مہ کی آرزوئے وصال میں پہروں روتا اور بقول جرأت یوں کہتا:
شعر

وصل بننے کا کچھ بناؤ نہیں
واں لگا دل جہاں لگاؤ نہیں

اور کبھی وہ وابستۂ ملال ، خستہ احوال منہ ڈھانپ کر

پردۂ دل سے پوشیدہ لبوں پر استاد کا یہ شعر لاتا : شعر

کیا کہیے جو کچھ غم ہے دل و جان حزیں پر
سچ ہے کہ نہ عاشق ہو کوئی پردہ نشیں پر

اور کبھی وہ تیرہ روز ، جگر سوز چار پہر دن اپنے ہم سن ، ہم نشین، دوست دار ، غم خوار ، جان نثاروں میں کاٹتا اور جب شبِ پُرتعب ہوتی تو اُس ماہ لقا ، رشکِ بدرالدّجیٰ کی فرقت میں داغ دل کو آہِ جاں سوز سے چمکا کر یوں حرف زن ہوتا، بقول استاد : شعر

کیوں ہجر کی شب آئی بستر پہ لٹانے کو
پہلوئے تہی کم تھا کچھ یاد دلانے کو!

اور کبھی وہ سودائی ، گرفتار بلائے ناگہانی اس کی زلف مشکین کے تصور میں پریشان خاطر ہو کر تنہا[1] کا یہ مطلع پڑھتا : شعر

ہے جی میں اُس کے کاکلِ پُرخم کو دیکھیے
اس آرزو کو دیکھیے، اور ہم کو دیکھیے

اور جو ہم نشین اس اندوہگین و حزین کو کہتا کہ اے غریقِ ورطۂ محبت! و اے رفیقِ لجّۂ الفت! ذرا دل کو ڈھارس دے اور آپ کو سنبھال ، نامردی کو کام نہ فرما ؛ تو وہ شناورِ بحرِ الم اور ہم کنار لجّۂ غم یوں کہتا تھا کہ اے یارو! میری وہ حالت ہے ، بقول مرزا صاحب : شعر

چوں مورچۂ ضعیف کہ افتد در آب تند
در اختیار خویش مرا اختیار نیست

اور جو کوئی کہتا کہ اے مبتلائے الم! و اے

---

۱ - یہ ایک شاعر کا تخلص ہے -

آشنائے جور و ستم ! کچھ اپنی روداد ناشاد سے ہم کو بھی تو آشنا کر ، تو وہ بیتاب یہ جواب با صواب دیتا، بقول میرزا ببر علی قاصر :

بیت

بیان کس سے کروں اے ہم نشیں اس جان ِ[۱] پر غم کا
کہ سننے سے پراگندہ ہو جس کے ہوش عالم کا

لیکن میرے احوال ِ پُر ملال کے مطابق یہ کسی عاشق کا کبت ہے : کبت

مورت من موهن کی مورے نین پران پرچتر کیسوسوارنت ٹھاروھی رہت ہے
آگ کیسو کیڑاجرون نت پریم کی اگن سون نائے دیٔ ماروکام مونہیں کوڈھت ہے
تن توجیینھناچارےاورھوپپیھاپیارےپیوبن میرو ھیوا تیو دکھت سہت ہے
ان تواتے پیرن میں چھاڑ کے سدھ ہونہ لینی تاپےملچھ پران واھو کوچھت ہے

القصہ وہ عاشق ِ نو گرفتار ، دل فگار ، با درد و محن بعریانیٔ تن ، باین قیل و قال ایک سال بسر لے گیا لیکن آسی پیر زال ، صدق مقال کی زبانی ہے کہ جب اس جگر کباب خانہ خراب کی یہ حالت ِ پُر از رقت دیکھی تو ایک شب بصد ادب میں نے چرب زبانی سے اس تیرہ بخت کے رشتۂ الفت اور سوز محبت کو اس شمع رُو پر روشن کر کے کہا کہ اے چراغ عصمت و اے دودمان شبستان عفت ! سچ ہے بقول گنا بیگم : شعر

شمع کی طرح کون رو جانے
جس کے دل کو لگی ہو سو جانے

لیکن قائم کی زبانی : شعر

---

۱ - نسخہ مطبوعہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'حال' ہے -

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

آخر کار بصد قول و قرار اس سے کہا کہ اے بہن رشک چمن! ایک عاشقِ نو زاد، ہمسرِ مجنوں و فرہاد نے شادی کے روز تجھ رشک لیلیٰ و غیرت شیریں کو محافے سے آترتے دیکھا تھا، اُس دن سے اس رشک باغ، پُر داغ کا احوال پُر ملال کیا بیان کروں! سر پر تو بال وبال جان، بسان سنبل پریشان پریشان ہیں اور اس گل کا گریبان مانندِ گل تا بداماں چاک ہے اور تیری نرگس چشم کے خیال میں وہ روز و شب آنکھوں سے آبجو جاری رکھتا ہے اور تیری مژگان رشک سنان کے تصور میں شام و سحر، خار ہجران اُس کے دل میں کھٹکتا ہے اور تیرے لعلِ لبِ خنداں کے دھیان میں غنچے کی طرح آٹھ پہر گردن جھکائے چپ بیٹھا رہتا ہے، اور کبھی تیرے دستِ حنائی، رشکِ پنجۂ مرجان کی یاد میں برنگِ اورنگ قطرۂ خون دیدۂ خوں بار سے ہر دم ٹپکاتا ہے، اور اُس کے دل کی بے کلی کا یہ عالم ہے کہ کسی روش نہیں جاتی، اور تیرے فراقِ پُر اشتیاق میں روز و شب بحال پُر تعب مانند بلبلِ دور از چمن، نعرہ زن ہے، اور رنگِ رخسار جو اس گل عذار کا مثل گل ورد سرخ تھا، سوکاھش غم سے مثل صد برگ زرد ہو گیا اور ہر بار وہ دل فگار بجنابِ پروردگار مثلِ چنار ہاتھ آٹھا کے مرزا سودا کی طرح یہ دعا مانگتا ہے:

یا درد دل کا دور ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن! ترا خانہ خراب ہو

غرض اس غیرتِ گل نے بصد تامل یہ فسانۂ دل سوز و قصۂ غم اندوز سن کر جواب نہ دیا لیکن دل میں یوں کہنے لگی کہ ھائے میں نے یہ کیا ستم کیا کہ وھاں جا کر ایک سروِ رعنا کو پامالِ الم کیا ۔ اور ظاھراً وہ دل ربائے باوفا اس فسانۂ جگر سوز ، غم اندوز کو ٹال کر اور ھی گفتگو درمیان لائی ۔

الحاصل اس تغافل شعار سلیقہ دار نے بقول مصحفی :

ابیات

دل بستۂ عیش و ناز رکھا
رسوائی سے خود کو باز رکھا
مقدور تلک رھی وہ خنداں
گھر اس کا رھا بہہ از گلستاں

اور ادھر اس دشت پیمائے ھجراں ، بے سر و ساماں کی حالتِ پُر صعوبت کیا بیاں کروں ! رفتہ رفتہ جب آس از خود رفتہ کو بے خودی نے بسترِ ضعف پر بے خود کیا ، اور توانائی بھی اس لاغر دل مضطر کا ھاتھ ھیہات ناتوانی کے ھاتھ میں دے کر پہلو تہی کر گئی ، اور آزارِ عشق نے اس مریضِ الفت کو صبح و مسا رنج و محن کی دوا پلانی شروع کی ، اور مادۂ خون کو خلطِ صفرا سے زائل کر کے مرضِ یرقان سے اس کو عاشقوں کے رو برو، زرد رو کیا ، اورگرمئی فرقت آہِ جاں سوز سے تپ درونی کو تیز تر کرنے لگی ، اور امراضِ مہجوری اور مجبوری نے التہابِ جگر سے تپش دل کو مختلط کر کے سرسام پیدا کیا ۔

الحاصل وہ گرفتۂ دل ، نیم بسمل اس حال پُر ملال سے

ایک سال اور بسر لے گیا لیکن اس عرصے میں وہ عورت نیک خصلت کہتی ھے کہ میں بارھا اس مہ دل فریب کے پاس آئی گئی مگر اس نے غرورِ کبریائی و بے پروائی سے اس بندۂ خدا کو کبھی نہ پوچھا کہ اس رنجورِ مذکور کا حالِ پُر اختلال کیا ھے ، مگر دوسرے سال کے بعد بقول مصحفی :

اشعار

با وصفِ غرور کبریائی
اس کی بھی طبیعت اس پر آئی
گھر والوں سے اپنے بیٹھ کر دور
سننے لگے جی سے اس کا مذکور

اور گاھے بحالتِ بے قراری اور اشک باری وہ گرفتہ دل ، نیم بسمل بقول مسرور :

کرتی تھی آھستہ آہ جان گداز
تا نہ کھل جاوے کہیں چاھت کا راز
نے کسی سے گفتگو نے بات تھی
رات دن رونے کی بس اوقات تھی

اس پری زادِ ناشاد کی یہ حالتِ پُر از رقت دیکھ کر میں یوں گویا ھوئی کہ اے ماہ رو ، نیک خو! تیری تو چند روز جاں سوز میں یہ حالتِ پُر ملالت بہم پہنچی کہ تیرا جی ھی جانتا ھوگا ، اور وائے بجان اس کے کہ جس کو دو برس کامل یونہیں درد و محن میں گزر گئے! پر اب اے غنچہ لب! بقول قاصر : مطلع

دل سیر مسیحا سے ھے بیمار تمہارا وارستۂ عالم ھے گنہگار تمہارا

کیوں کہ بقول مسرور :

ابیات

صبر کی اب تو نہیں طاقت آسے　　ایک دم دشوار ہے فرقت آسے
زندگی اُس کی ترے ہی ہاتھ ہے　　تجھ کو مُردے کو جِلانا بات ہے

نہیں تو بقول میر حسن : شعر

وگرنہ وہ رک رک کے مر جائے گا
اسی طرح جی سے گزر جائے گا

یہ سخنِ دل شکن وہ ماہ پیکر سن کر آہِ پُر درد کھینچ کر کہنے لگی ، بقول جرأت :

ملیں کیوں کر اگرچہ غلبۂ الفت کی شدت ہے
انھیں ہے پاسِ رسوائی ہمیں لوگوں کی دہشت ہے

لیکن اے بہن دل لگن! میری اور اس کی ملاقاتِ بے آفات کی اس صورت کے سوا کوئی شکل نہیں ٹھہرتی کہ اس مہینے میں کچھ تقریب شادی درپیش ہے؛ سب عورات قبیلہ و زنان ہمسایہ باہم آئیں گی ۔ اگر تو اس کو بھی لباس زنان میں آراستہ و پیراستہ کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تو مضائقہ نہیں ۔

الغرض اس طور پر اس مہجورِ رنجور کا مدارِ وصل ٹھہرا کہ وہ روزِ دل‌افروز بھی شبِ ہجر کو کوتاہ کر کے درپیش آیا ۔ اس نازنین مہ‌جبین نے پوشاکِ زنانی برنگ زعفرانی مع زیورِ جواہر نگار ، اعجوبہ کار ایک کشتی دریا نزاد میں لگا کر میرے گھر میں پہنچا دی ۔

الغرض اس رشکِ حور و غلماں اور غیرتِ مہرِ درخشاں کو بنا سنوار کر لباسِ عروسانہ سے ایک محافۂ زرنگار میں سوار کر کے رونق بخش محفل شادی ہوئی لیکن اس دانائے دھر ،

یکتائے عصر نے بہ دانائی بصد زیبائی ایک الگ مکان دلستان میں اس گلِ حیا آلودہ کو اتروایا اور ادھر اُدھر پھر کے گاھے اپنے جمالِ ماہ تمثال سے اس تشنۂ دیدار کو سیراب کر جاتی اور گاھے ایک جھلک برق وار اس دلِ فگار کو دور سے دکھا کر غائب ہو جاتی لیکن اس کشتۂ رنج و محن ، خستہ تن کا یہ نقشہ تھا ، بقول مصحفی :

ابیات

آنکھوں سے سرشکِ وصل جاری
دل پر وھی جوشِ بےقراری
اس عین خوشی میں ھجر کا غم
اجزائے نشاطِ وصل درھم

اور اس مہمان خانے میں وہ جو عوراتِ عمدہ اور زنانِ حورلقا، صاحب تمکین، بصد تزئین رونق افزائے محفل تھیں ، اس کے الگ بیٹھنے سے سب باھم منغص ھو کے کہتی تھیں ''کیا معنی یہ عورتِ ماہ سیرت ایسے کون سے خاندانِ عالی شان سے ھے کہ جو ھم سب سے نفرت کر کے الگ بیٹھی ھے ؟ علیٰ ھذالقیاس نہ ھمارے پاس آنے کی تکلیف کرتی ھے اور نہ ھم کو خوشی سے کہتی ھے کہ اے بی بیو! بحضرتِ عباس تمھی میرے پاس بلا وسواس تشریف لاؤ ۔ صاف اس بات سے یہ معلوم و مفہوم ھوتا ھے کہ یہ حور اپنے حسن پر نہایت مغرور ھو'' اور کوئی کہتی تھی کہ بی بیو! میں نے دریافت کیا ، کچھ اس بدماغ کو خللِ دماغ ھے جو یوں ھم لوگوں سے متنفر ھے ، اور کوئی زرگری میں کہتی تھی کہ یہ سیم تن کم سخن اپنے زر و زیور کے گھمنڈ میں بالا بالا رتبۂ جہاں‌گیری کو پہنچی ھے جو اس روپ سے اس کو

الگ سونا بیٹھنا پسندِ خاطر ہے، اور کوئی جامہ زیب، دل فریب ہاتھ مل مل کے کہتی تھی کہ یہ گل بدن، رشکِ چمن اپنے لباسِ فاخرۂ بے بہا کی تمکنت میں ایسا گاڑھا دماغ رکھتی ہے کہ حجرے کے صحن تک بھی نہیں آتی ۔

یہ رمز و کنایہ ان بی بیوں کا صاحبِ خانہ سن کر یوں حرف زن ہوئی کہ اے بی بیو! خوش‌جمال، نیک خصال! یہ کچھ اپنے لباس بے قیاس اور زیورِ جواہر نگار، اعجوبہ کار پر بد دماغ ہو کر الگ نہیں بیٹھی ہے ؛ اس مہر پیکر، رشک قمر کو کچھ خلل دماغ اور خفقانِ بے پایاں ہے ۔ اس سبب سے وہ نازنین رشکِ حور عین تم سب کے قرین نہیں آتی کہ کسی پری‌رو، نیک‌خو کی خدمت میں کچھ گستاخی نہ ہو جائے ، بقول شخصے : ع

هیچ آفت نه رسد گوشۂ تنهائی را

اس گفتگو دل جو سے سب مہمانوں کی تشفیٔ خاطر کر کے کہنے لگی کہ بی بیو ! اگر ایک گھڑی کی اجازت بشاشت سے عنایت کیجیے تو ایک بازی چوسر کھیل کر اس پُر حجاب رشکِ مہتاب کو شگفتہ خاطر کروں؟

یہ کلام فصاحت انجام سن کر ہر پری پیکر کہنے لگی ”کیا مضائقہ : مصرع

خوشی اپنی بھی اس میں ہے خوشی جس میں تمھاری ہے“

المدعا وہ ماہِ دل خواہ اس رشکِ آفتاب کے پہلو میں جلوہ‌گر ہو کر حجرۂ برج آسا میں جلوۂ قران‌السعدین دکھانے لگی ۔ اس وقت اس حجرے کا ان دونوں ماہ‌رویوں سے یہ عالم تھا گویا ایک ہالے میں دو ماہ ، یا ایک صدف میں دو گوہرِ آبدار، یا ایک فانوس میں دو شمعیں کافوری روشن اور منور ہیں ۔

اس کیفیت میں اور کیفیت سنو کہ جس وقت چوسر بچھا کے اس نازنینِ مہ جبین نے پہلے پانسا پھینکا تو چھ تین نو آئے، تو وہ نوگرفتار محبت، بیمار الفت یوں بولی کہ اے دلدارِ غم‌گسار! فی الحقیقت ہے کہ تو نے اس محبتِ پُر صعوبت کی بڑی مصیبت اٹھائی ہے لیکن میں ابھی ہنوز نوآموز عشق ہوں؛ بہر نوع تجھ کو میری غم‌گساری اور دلداری کرنی ضرور ہے تاکہ میرا حالِ پُر ملال نوع دیگر نہ ہو۔

اس کے بعد اس دل تفتہ، جگر خستہ نے جو پانسا پھینکا تو پو بارہ پڑے۔ اس پانسے کو دیکھ کر یوں حرف زن ہوا کہ اے یار جانی و اے مایۂ زندگانی! یہ پو بارہ نہیں ہیں، یہ میرے حسبِ حال صدق مقال ہے کہ مجھ کو دو برس یعنی ایک جگ اور مہینا پورا ہوا ہے کہ تیرے عشق میں عقل کے چھکے چھوٹ گئے۔ حواسِ خمسہ کے پنجے بند ہیں۔ کوئی رہائی کی چال بے زوال نہیں سوجھتی۔ دوسرے یہ کہ ہوش و حواس کا بھی جگ ٹوٹ گیا اور خرد کی نرد کٹ گئی۔ آگے دیکھیے حضرت عشق اس بد رنگی میں کیا رنگ دکھاتے ہیں۔ اس غم میں جی پک گیا اور کوہِ الم کی سل چھاتی کے متصل اڑی رہتی ہے، اور خیالِ خام نے دماغ میں خلل پیدا کیا، اور وحشتِ دل گھر بار چھڑاتی ہے۔ تاب و طاقت نے ست ہار دیا۔ کوئی داؤں ایسا نہیں آتا جس سے اس غم کے ہاتھوں سے چھوٹ کر لالوں لال ہو جاؤں یا بساطِ جہان سے ملکِ عدم کو اڑ جاؤں، کیوں کہ بقول جرأت:
شعر

سخت تجھ بن قلق اس دل کا ستاتا ہے مجھے
گہ اٹھاتا ہے تو یہ گاہ بٹھاتا ہے مجھے

الحاصل وہ چوسر کی بازی دونوں دلِ دو نیم کی

میر بساط عشق نے دوئے میں لا کے اس واسطے ٹھہرا دی کہ دو مہینے کے بعد ان کی نردِ جان پُر امان کو مار ڈالے گا۔

اس گفتگو دو بدو میں شب وصال اس پائمال الم سے پہلو تہی کرنے لگی اور وداع سحر کا آثار اظہار ہونے لگا۔ اس پری، خجلت دہ کبک دری نے بہ دانائی، برائے رفع بدنامی اس نیم جان پُر ارمان سے کہا کہ اے دلدار مونس غم گسار! جی تو نہیں چاہتا ہے کہ تجھ کو اس وقت رخصت کروں، لیکن کیا کیجیے : ع

زمیں سخت اور آسماں دور ہے

اور بقول شخصے : شعر

جدائی کا ہم تیری غم کیا کریں
فلک یوں ہی چاہے تو ہم کیا کریں

مگر تو اپنی خاطر فاتر جمع رکھ، ان شاءاللہ تعالیٰ اسی شکل پر گاہے گاہے مواصلت کی صورت رہے گی؛ پر اس وقت صلاح وقت یہ ہے کہ ابھی روز روشن نہیں ہوا، مبادا بوقت فردا تیری چال ڈھال سے کوئی پہچان جائے تو موجبِ ہتک جانبین ہے۔

آخر بصد اشک باری اور بے قراری اس مہر درخشاں کو اس ماہ سیما نے تاروں کے وقت چشمِ فتنہ میں خاک ڈال کر رخصت کیا؛ بعد ازاں زنان ہمسایہ کو باری باری سے وداع کر کے مسرور کی یہ غزل زبان پر لائی :

غزل

یوں نہ کوئی عشق کا بیمار ہو
ہائے دشمن کو نہ یہ آزار ہو

اے خوشا اوقات اس وارفتہ کی
رات دن جس کی بغل میں یار ہو
کس کو طوبیٰ کی ہوس ہو دوستو
ہم ہوں اور وہ سایۂ دیوار ہو
ہجر کی شب کیا کرے ضبط فغاں
دل کی بےتابی سے جو ناچار ہو
حضرت عیسیٰؑ کی قم سے کیا اسے
جو کسی کا کشتۂ رفتار ہو
کیا بجھے شربت سے اس کی تشنگی
یار کا جو تشنۂ دیدار ہو
زیست ایسے شخص کی مسرور کیا
یار جس کے پاس نے غم خوار ہو

ادھر تو اس کی یہ حالتِ پُر آفت تھی، ادھر وہ نیم بسمل بے جان و بے دل جو گھر میں گیا تو بقول میر تقی یہ حالت ہوئی :

نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار
کف غم میں سر رشتۂ اختیار
کبھو یاد کر اس کو نالاں رہے
کبھی ٹک جو بھولے تو حیراں رہے
نہ دم بھر کبھی دیدۂ تر لگے
نہ گھر میں لگے جی نہ باہر لگے
کبھی یاں کبھی واں بحال خراب
وہی بےقراری وہی اضطراب

لیکن گاھے گاھے وہ پری رو، نیک خو برائے تشفیٔ خاطر فاتر

اس کے پاس با دلِ پُریاس اصیل بھیج کر خبر وحشت اثر منگوایا کرتی تھی۔

اس عرصے میں آزار غم نے یہاں تک طول کھینچا کہ وہ غریب، قریب مرگ‌ہوا۔ آخرکار یہ دل‌فگار، خستہ و زار، دارفانی سے ملک بقا کو رحلت کر گیا۔

یہ واقعۂ غم افزا، برملا اس کی مادر خستہ جگر دیکھ کر بادیدۂ گریاں و دلِ بریاں یوں کہنے لگی:

مثنوی

اے نور نگاہ و ماہ ثانی
افسوس تری یہ نوجوانی
افلاک نے خاک میں ملائی
مجھ کو تری موت کیوں نہ آئی
اے کاش! تمھارے بدلے بیٹا
مر جاتی جو ماں تو خوب ہوتا
مجھ پیر کے آگے ہائے صد[1] وائے
افسوس تو نوجوان مر جائے!

یہ بین بے چین کر کے اس کی مادر مضطر بستر خاک پر بے ہوش ہو گئی لیکن اس کے دوست و آشنا اور خویش و اقربا نے غسالوں سے غسل دلوا کے پارچۂ نفیس سے تکفین کیا اور میت کو صندوق میں رکھ‌کر برائے تزئین ایسا ایک دوشالۂ سبز اس پر ڈالا کہ جس سے وہ تابوت عاشقوں میں سرسبز ہوگیا اور اس پر پھولوں کی چادر لہلہاتی ڈال کر حمّال پُرملال جو لے چلے

۱۔ نسخہ مطبوعہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'اے' ہے۔

تو اس تابوتِ پُرالم کا یہ عالم تھا گویا تختۂ چمن ، پُر از نسترن دوشِ صبا پر رواں ہے ۔

رفتہ رفتہ اس کشتۂ محبت و خستۂ الفت کا تابوت جذبۂ عشق سے اسی طرف کو روانہ ہوا جدھر اس کی معشوقۂ جاں نثار و محبوبۂ غم‌گسار کا مکان دلستان تھا ۔ آخرالامر وہ تابوت بنات النعش وار ، بے اختیار سنگین محل میں سنگین ہو کر یوں اشارہ زن ہوا ، مرزا گھسیٹا عشق کے بقول : شعر

تو ساتھ ہو حسرت دل محروم سے نکلے
عاشق کا جنازہ تو ذرا دھوم سے نکلے

اور بقول حکیم حیات اللہ قلاش : شعر

بعدِ کشتن رحم بر حالم نہ فرمائی چرا
ہمرہِ تابوت تا گورم نمی آئی چرا ؟

غرض حمالوں نے ہر چند چاہا کہ یہ گراں بار محبت اور آثار قیامت کسی طرح سے چلے لیکن مطلق اس تابوت حیرت افزا کو جنبش نہ ہوئی ۔

اس واردات عجائبات کو دیکھ کر ہجوم جز و کل میں بے تامل غل ہوا اور آپس میں یوں ہم سخن ہوئے کہ آیا دیکھیے اس وقت کیا قیامت برپا ہوتی ہے جو یہ تابوت گراں بار مثل کوہسار یہاں سے نہیں ہلتا ہے ۔

اس واقعۂ عجیب و غریب کے نظارے کو ہر ماہِ تمام اپنے اپنے بام پر جلوہ گر ہوئی ۔

القصہ یہ خبرِ وحشت اثر اس عشوہ‌گر خستۂ جگر کو جو پہنچی ، وہیں اس مضطر نے پنجۂ ضبط سے دل کو تھام کر غسل کیا اور پوشاکِ سفید بہ جانِ نومید تن پر آراستہ کر کے اور پیش‌قبض

شوہر ہاتھ میں لے کر بہرِ طوافِ کشتۂ خویش وہ جگر ریش بر لبِ بام باشتیاق تمام نظارہ کناں ہوئی، تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ تابوتِ عاشق مبہوت بقول مصحفی :

چلتا نہیں جا سے اڑ رہا ہے　کہرام گلی میں پڑ رہا ہے
بس دیکھتے ہی اسے بھر اک آہ　مارا بشکم وہ دشنہ ناگاہ

لگتے ہی اس پیش قبضِ آبدار ، خون خوار کے وہ لالہ‌رو خون میں غلطاں ہو کر جاں بحق تسلیم ہوئی اور تیغ عشق نے یہ جوہر دکھلائے کہ اس گل‌بدن، رشک چمن کے خونِ ناب کی دھار زیر بام آئی - یہ رودادِ بےداد دیکھ کر اس کا شوہرِ خستہ جگر کوٹھے پر جو آیا تو کیا دیکھتا ہے ، بقول مصحفی :

ہے بام پہ غرقِ خوں وہ گلفام　خورشید ہو جیسے بر لب بام

آخرکار اس مبتلائے الم، پُر غم سے اس دم کچھ نہ بن آیا ، چاروناچار اس کو با دلِ زار ہاتھوں ہاتھ تکفین کر کے وہ جنازۂ غم آمادہ لے کر گھر سے باہر جو نکلا تو عجب طرح کا ایک شورِ محشر برپا ہوا ، گویا قیامت آئی - کوئی تو زار زار مثلِ ابرِ نو بہار گریاں با دلِ بریاں یوں حرف زن تھا : شعر

کبھی دیکھا نہ ہم نے یہ سنا ہے
جو اس دم اس گلی میں ماجرا ہے

اور کوئی خاک پر پچھاڑیں کھا کھا کے یہ کہتا تھا : شعر

اس عشق نے کیا غضب دکھایا
اس مہ کو جو خاک میں ملایا

اور کوئی عالمِ حیرت میں انگشت زیرِ دنداں کاٹتا اور یہ سخن دل شکن کہتا کہ شاید ان دونوں میں پوشیدہ آگے سے محبت

ہوگی جو آج یوں ایک بار اظہار ہوئی ۔

قصہ مختصر جب جنازۂ غم آمادہ معشوقۂ جاں نثار کا آگے ہوا تو پیچھے وہ تابوت بھی خود بخود چل نکلا لیکن بقول مصحفی :

ابیات

دونوں وہ جنازے جب رواں تھے
حیرت زدہ پیر اور جواں تھے
کہتے تھے یہ طرفہ ماجرا ہے
کیا مردے نے زندے کو لیا ہے

آخرکار ان دونوں خاکسار جاں نثاروں کو تکیے پر بہم زیرِ خاک تسلیم کیا ، اس دم بقول الٰہی بخش : شعر

جب قبر میں ان دونوں کو اک بار اتارا
غل تھا یہی الفت نے انھیں مار اتارا

مثنوی

اب آگے کیا لکھوں ہیہات ، ہیہات!
نہیں ہوتا کسی کا اس طرح سات
غرض یہ عشق تو وہ بد بلا ہے
کہ جس کی آگ میں ہر اک جلا ہے
کہاں مجنوں کہاں فرہاد بے دل!
کہاں شیریں کہاں لیلیٰ کا محمل!
کہاں عذرا کہاں وامق دل افگار!
کہاں نل اور دمن سی ماہ رخسار!
ہزاروں گھر لٹائے عشق نے آہ!
ہزاروں جی جلائے عشق نے آہ!

نئی اس کی حکایت ہر جگہ ہے
نئی اس کی شکایت ہر جگہ ہے
بس اے مہجور! اب آگے الم کی
نہیں خامے کو طاقت ہے رقم کی

اور بقول شخصے فی‌الحقیقت : شعر

یہ ہم نے کیا لکھا اور کیا پڑھا ہے
محبت کا ابھی قصہ بڑا ہے

داستان

یعنی ایک شہر کے مسافر خانے میں نقش صندلیں دست ِنازنیں پر تجار کا عاشق ہونا اور اس کے فراق میں مرنا اور اس کی وصیت کے موافق اسی مکان میں مالک کا دفن کرنا اور دریافت حال کے بعد جذبۂ عشق ِتجار سے معشوق کا جان دینا

تجاران ِ دل فروش و خریداران ِ متاع جوش و خروش یہ قصۂ غم اندوز و فسانۂ جگرسوز کاغذ ِ شفاف پر کلک ِ جگر شگاف سے یوں رقم کرتے ہیں کہ ایک سوداگر ، پری پیکر ، نو رستۂ گلشن جوانی و گلدستۂ باغ کامرانی ، بلبل ِ شاخ ِ عنفوان شباب و صلصل ِ سرو ِ بوستان شاداب ایسا حسن و جمال رشک ِ بدر کمال رکھتا تھا کہ اگر اس دور میں زلیخا ہوتی تو اس یوسف ثانی کے روبرو کبھی یوسف ِ مصری سے نہ بات کرتی اور

اگر لیلئ ماہ رخسار اس روزگار میں بقید حیات ہوتی تو اس کے عشق میں خود مجنوں ہو جاتی اور اگر شیریں اس شیریں دھن ، رشک سمن کو ایک بار دیکھتی تو مثل کوہ کن وہ خستہ تن اپنی جان شیریں، تیشۂ غم سے ہلاک کرتی اور اگر عذرا اس کا شہرہ سنتی تو بشکل وامق وہ سینہ شق ، گرفتار رنج و بلا ہوتی اور اگر دمن ، رشک چمن اس غنچہ دھن کی نرگسی چشم کو ایک نظر دیکھتی تو اپنے دل کی بساط نل کی طرح چوسر غم میں ہار دیتی - غرض سچ تو یوں ھے، بقول شخصے :

گویا بہ زمیں ستارہ آمد　　یوسف بہ جہاں دوبارہ آمد

لیکن اس حسن و جمال بے مثال پر بقول میر تقی : شعر

عشق رکھتا تھا اس کی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
سر میں تھا شور ، شوق دل میں تھا
عشق ھی اس کے آب و گل میں تھا

اور دولت و حشمت سے منعم حقیقی نے اس عالی قدر کو اس قدر آسودہ خاطر کیا تھا ، بقول میر حسن : شعر

طویلے کے اس کے جو ادنیٰ تھے خر
انھیں نعل بندی میں ملتا تھا زر

الغرض وہ رشک گلزار برائے سیر شہر و دیار با رفقائے خوش کلام و ندمائے نیک انجام اپنے شہر سے عازم سفر ہوا مگر اس کی جاہ و حشمت اور شان و شوکت کا کیا بیان کروں : شعر

اسباب تمام خسروانہ
بیلوں پہ لدا تھا سب خزانہ

لشکر میں جو کوئی لشکری تھا
دولت سے وہ اس کی جوہری تھا
کہنے کو تو تھا وہ شخص تجار
شاہوں کی نہ ہوگی پر یہ سرکار

الحاصل وہ رشک‌حاتم بن طی منزل بہ منزل مراحل بہ مراحل راہ طے کرتا ایک شہر عالی شان میں داخل ہوا ۔

مثنوی

اس شہر کے کیا کروں میں اوصاف
ہر کوچہ تھا آئینہ سا شفاف
اعجوبہ نگار ہر دکان تھی
اور نہر گلی گلی رواں تھی
پتھر کے مکان تھے وہ اعلیٰ
جنت سے جو تھے کہیں دو بالا

الغرض وہ سوداگر پری پیکر اس شہر مینوچہر کی سیر کرتا اس عمارت عالی شان ، جنت نشان کے قریب گیا کہ جس حویلیء رشک گلزار میں شاہان ذوی الاقتدار اور تجاران عالی وقار اکثر آ کر مقیم ہوتے تھے ۔ غرض اس مکان عالی شان میں وہ عالی وقار مع خویش و تبار رونق بخش ہوا لیکن بقول ضمیر : شعر

سمجھا نہ کہ ہوں گے ہم یہیں کے
دنیا کے رہیں گے اور نہ دیں کے

القصہ اس مکان دل کشا ، جاں فزا کے جلو خانے میں تمام سپاہ اور بنگاہ باخیمہ و خرگاہ منزل گزیں ہوئی اور رفیق قدیم و شفیق ندیم اس خانۂ باغ میں اپنے رختِ سفر اتار کر

بھر کار یک بار مشغول ھوئے۔ کوئی پاک طینت ، نیک خصلت برلبِ جو وضو کرنے لگا اور کوئی آئینہ رو ، آلودۂ گرد و غبار قریبِ آبشار نہانے میں مصروف و مالوف ھوا اور کوئی رشکِ چمن ، غیرت سمن ، بصد آرزو لبِ جو زین پوش ، گل دوز بچھا کر 'بہار دانش' کا مطالعہ کرنے لگا اور کوئی بے وطن مثلِ بلبل دور از چمن اپنے گل رو کے تصور میں اُس باغ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھنے لگا : شعر

تیرے دیوانے کو ھے جینے سے حرماں باغ میں
زخم آتے ھیں نظر گل ھائے خنداں باغ میں

اور کوئی تاک کا سایہ تاک کر استراحت فرما ھوا اور کوئی ماہ وش، روش پر کسی گل اندام کے ساتھ گل بازی کرنے لگا اور یہ شعر سودا کا زبان پر لایا :

رونق کسی گلشن کے نہ زینت کسی سر کے
مثلِ گل بازی نہ ادھر کے نہ اُدھر کے

بیان شب: اس ضمن میں جس وقت مطرب فلک نے دائرۂ آفتاب کو غلاف مغرب میں کیا اور رقاصۂ شب نے لولیٔ زھرہ و مشتری کو ستار ثریا اور قانون کہکشاں دے کر چاندنی کے فرش پر نوشاہ قمر کے سامنے مجرے کے واسطے بھیجا ، اس وقت اس سوداگر پری پیکر نے طائفہ ھائے رشک گلزار اور مہ‌رویانِ پری رخسار کو یاد فرمایا۔ غرض ھر ایک ماہ وش پوشاک نفیس مع سازندہ ھائے جلیس فرشِ محمودی پر سامنے آ کر جلوہ گر ھوئی ۔

مثنوی

ناچ[1] کا آن کے کیا کروں میں بیاں
منہ میں لکنت ہے کرتی میری زباں
بھاؤ بتلاتی تھی کوئی مہ رُو
کوئی آنکھیں لڑاتی تھی ہر سُو
کوئی گھونگٹ نکال کر منہ پر
سر دامن لگاتی تھی ٹھو کر
ناچتی تھیں وہ جب بایں انداز
نقد جاں کرتے تھے ہزاروں نیاز
کوئی دستار باندھ کر بانکی
کھول کر بال ، مار کر گاتی
پیشواز اپنی کو اٹھا کر آہ
تا کمر دونوں ھاتھ لا کر آہ
کھڑی بھرتی تھی اس طرح سے گت
جس طرح سے ہو برق کو حرکت
اور کوئی ایک سمت ھنس ھنس کر
رکھ کے انگشت کو زنخداں پر
سر و گردن کو اپنی کر کے خم
بھاؤ بتلاتی تھی کھڑی ہر دم
اور کوئی اک سمت اٹھا کر ھاتھ
ناچتی تھی واں سبھوں کے ساتھ
اور یہ گاتی تھی خوش ادا پٹّا
میرا بانکا سرو ھیون والا

---

۱ - نسخہ مطبع مصطفائی ۱۲۶۷ھ میں 'آج' ہے -

غرض کیفیت رقص اور وہ نفیس فرش عجب عالم رکھتا تھا کہ بیان سے باہر ہے، اور ایک طرف کو سورج مکھیاں اور دیوار گیریاں اور کنول ہائے مینائی ایسے روشن اور منور تھے کہ جن کے ملاحظے سے دل کا کنول کھلتا تھا، اور ایک طرف کو لالٹینیں اور فانوسیں جواہر نگار، اعجوبہ کار سبز و سرخ، آبی و آتشی، بہ شمع ہائے مومی و کافوری اس قدر روشن تھیں کہ جن کے دیکھنے سے فانوسِ تن میں دل کو فروغ ہوتا تھا، اور ایک طرف طائفوں کے غٹ نفیس نفیس پوشاکیں تن پر آراستہ کیے از سر[1] تا فرق جواہر میں غرق اس شکل سے بیٹھے تھے: شعر

دیکھ کر جن کو جائے بھوک و پیاس
کبھی صحبت سے دل نہ ہووے اداس

حاصل کلام وہ تاجرِ عالی مقام اس کیفیت سے دو پہر[2] شب بسر لے گیا، اُس کے بعد مع ہم نشین و ہم دم و انیس و محرم خاصہ نوش جان فرما کر بارہ دری میں برائے استراحت پلنگ پُر نفاست پر جلوہ گر ہوا۔

قضائے کار نا مساعدت روزگار سے لیٹے لیٹے اُس ماہ طلعت، مہر صورت کی ناگاہ نگاہ بارہ دری کے کونے میں صندل کے چھاپوں پر جو پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ اُن صندلی چھاپوں میں ایک چھاپ خوش نگار، غیرت گلزار اس روش پر کسی غنچہ دہن کے ہاتھ کا ہے کہ جس کے دیکھنے سے پنجۂ غم سینے سے دل کو کھینچتا ہے۔

---

۱ - نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں یہ لفظ نہیں ہے۔ مطبع مصطفائی ۱۲٦۷ھ اور میور پریس ۱۸۷۲ء والے نسخوں میں 'سر' ہے۔

۲ - نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں یہ لفظ نہیں ہے۔

اس چھاپے کو دیکھ کر وہ سوداگر خستہ جگر دست افسوس زانوئے غم پر مار کر یوں گویا ہوا کہ ہائے مجھ جگر فگار دل بیمار کی دیکھیے چنگل شہباز عشق سے کیوں کر رہائی ہوگی ، بقول شخصے :

کوئی صورت نہیں ہے زندگی کی
رہی جاتی ہے جی میں بات جی کی

اور کبھی وہ نوگرفتار محبت اور سرشار مئے الفت، بے اختیار سیماب وار بے قرار ہو کر پلنگ پر اٹھ بیٹھتا اور بچشم پرنم بصد الم اس چھاپے کو دیکھتا اور یہ کہتا ، بقول میر مظہر علی زار : شعر

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

اور کبھی وہ مبتلائے الم و آشنائے ستم آنکھوں پر رومال رکھ کر بے اختیار زار زار[1] مثل ابر نو بہار روتا اور ضمیر کی یہ غزل پڑھتا :

غزل

نہ سر کی خبر نہ ہوش پا ہے
کیا جانیے مجھ کو کیا ہوا ہے
دیکھے نہ کسی کے میں نے ابرو
خنجر سا یہ دل میں کیوں لگا ہے
واقف نہیں شکل سے بھی جس کی
افسوس کہ اس پہ جی چلا ہے

---

۱ - نسخہ مطبع مہدی ۱۳۱۱ھ میں 'زار' کی جگہ 'ونزار' ہے -

یوسفؑ کو بھی تو نے اے زلیخا
دل خواب میں دیکھ کر دیا ہے
یہ عشق مرا تو دیکھ میں نے
دیکھا نہ صنم کو نہ سنا ہے
آگہ نہیں جس کے نام سے بھی
اے وائے وہ جی میں کھب گیا ہے
کیا کہیے ضمیر تجھ سے واللہ
یہ عشق ہے یا کوئی بلا ہے

بیان سحر : اس عرصے میں پنجۂ خورشید نے گریبان سحر کو چاک کیا اور خادمِ فلک آفتاب کا آفتابہ لے کر مع زیر انداز شفق سمت مشرق سے نمود ہوا ۔ اس وقت وہ سوداگرِ خستہ جگر منہ ہاتھ دھو کر جو مسند زرکار ، رشک بہار پر آ بیٹھا تو عجب حالت تھی کہ آنکھوں کو جو دیکھیے تو چشم بد دور یہ نقشہ تھا ، بقول میر تقی : شعر

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

اور جو اس کے لبِ خنداں رشک گل تر تھے ، ان پر عشق کی گرمی اس قدر غالب تھی کہ مارے خشکی کے پھپڑیاں بندھ گئی تھیں اور اس کے چہرے کا رنگ جو مثل ورد سرخ تھا ، سو کاہشِ غم سے شکلِ گلِ صد برگ زرد ہو گیا ۔

... اس پامالِ غم کا یہ احوالِ پُر ملال دیکھ کر کوئی انیسِ ہم دم اور جلیس محرم جو پوچھتا کہ اے گلِ باغِ خوبی و اے غنچۂ حدیقۂ محبوبی! یہ اس گرفتگیٔ طبیعت پُر از رقت

کا موجب اور سبب کیا ہے ؟ نصیب اعداء شب کو سوائے شگفتگیٔ خاطر کوئی آثار حزن و ملال نہ تھا ۔ تو وہ از خود رفتہ دل خستہ[1] ، تفتہ جگر ایک آہ بھر کر حسرت کا یہ شعر زبان پر لاتا : شعر

کیا پوچھتے ہو ہم دم مجھ جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیشِ غم ہے کہیے کہاں کہاں کی

اور جو کوئی غم گسار ، غم خوار تسلی و تشفی دے کر کہتا تھا کہ اے غریقِ ورطۂ محبت ، و اے رفیقِ دجلۂ الفت! اس قدر مضطر نہ ہو ، تو وہ نیم جاں ، کشتۂ ھجراں اور زیادہ ڈاڑھیں مار مار کر روتا ، بقول خواجہ حسن سچ ہے : شعر

دل دلاسے سے ہے کرتا بے قراری بیشتر
خانۂماتم میں ہو پُرسے سے زاری بیشتر

آخرکار وہ دل فگار رخت گدائی تن پر آراستہ کر کے فقیر ہو بیٹھا اور وہ اسباب بے حساب لٹا کر ہم دموں سے کہنے لگا کہ اے صاحبو! اب تمھارا جدھر جی چاہے اُدھر تشریف لے جاؤ ، کس واسطے کہ اب مجھ کو انیسِ غم اور جلیسِ الم کے سوا کوئی نہیں خوش آتا ، بقول مرزا صائب :

بیت

عشق ست غم‌گسار دل دردمند را
آتش گرہ ز کار کشاید سپند را

غرض اس دل طپیدہ ، آفت رسیدہ کا سوائے مونسِ غم کوئی

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'شکستہ' ہے ۔

یارِ غم گسار نہ رہا ، تو یہ شعر خواجہ حسن کا زبان پر لایا :
شعر

پایا ہے بے کسی میں عجب میں نے یار دل
میں غم گسار دل کا[1] مرا غم گسار دل

اور گاہے وہ عاشق زار جو کوچہ و بازار کی طرف جاتا تو اُس کی حالت پُر ملالت پر کوئی دست بسینہ ہوتا اور کوئی لوگوں میں انگشت نما کر کے یوں کہتا کہ یہی شخصِ سودائی ، چھاپے کا شیدائی ہے ۔

القصہ اسی حالِ پُر ملال سے یہ ماہ رو نیک خو کئی مہینے بسر لے گیا لیکن جس مکان دلستان میں یہ خانہ خراب نقش دیوار ہوا تھا ، اس مکان جنت نشان کی ایک عورت صاحب عصمت ملکیت رکھتی تھی اور اُس کی طرف سے ایک پیر زال ، شیریں مقال اس حویلیٔ رشک گلزار کی مختار تھی ۔ آخر کار ایک روز یہ غم اندوز با دلِ زار اس مختار مکان کے پاؤں پر سر رکھ کے یوں گویا ہوا کہ اے سرمایۂ خوبی و اے پیرایۂ محبوبی ! برائے خدا و بحق مصطفی ؐ سچ کہہ کہ اس مکان دلستان میں کس پری زاد ، رشک شمشاد کے ہاتھ کا وہ چھوٹا صندلی چھاپا ہے کہ جس کو دیکھ کر ہیہات اپنی حیات سے میں دست بردار ہوں ؟

یہ تقریر اُس دل گیر پُرتشویر کی سن کر وہ کہنے لگی کہ اے کان ملاحت و اے معدن صباحت ! اس صندلی چھاپے پر عبث تو نے درد سر پیدا کیا ۔ کیا تجھ کو خبط ہوا ہے ، یا تو وحشی ، سڑی ، سودائی ہے ۔ کہیں بھی دل دینے کا یہ

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی میں 'ہوں' ہے ۔

دستور ہے جو تو نے اپنے بھلے چنگے جی کو روگ لگایا ہے ؟

یہ کلماتِ نصیحت آمیز ، دُر ریز اُس مختارِ مکان کے سن کر یہ کہنے لگا ''اے نیک بخت ، صاحب عصمت ! تو سچ کہتی ہے لیکن جامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے : شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

الحاصل اس مختارِ مکان کو دریافت ہوا کہ یہ دل افگار ، جان نثار ، عاشق صادق ہے ، تب اپنی بلبل زبان کو گلشن تقریر میں یوں نطق میں لائی کہ اے گل گلزار محبت و اے بلبل شاخسار باغِ الفت! چھ مہینے کے قریب ہوئے ہیں کہ ایک تجارِ عالی وقار مع عیال و اطفال اس مکان عالی شان میں نازل ہوا تھا ، چنانچہ شادی سال گرہ کی تقریب جو در پیش آئی تو اُس عالی مقام نیک انجام نے کئی مقام بجسبِ اتفاق اُسی وثاق[1] میں کیے اور اُس کی وہ عورتیں ماہ پیکر، رشک مہر انور رسوماتِ شادی سب بجا لائیں ۔ اے عاشقِ صادق ! یہ چھاپے ان حور لقا عورتوں کے ہاتھ کے ہیں اور جس بت چین کے دستِ نازنین کے چھاپے پر تو جگر افگار نقش دیوار ہے ، وہ اُس کی دختر رشک قمر کے مبارک ہاتھ کا ہے ۔ آگے اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرنا کلام کی[2] فضولی ہے مگر بقول میر حسن : شعر

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

---

۱ ۔ یعنی محل ۔

۲ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں یہ الفاظ نہیں ہیں ۔

اور اُس کے سراپا کی صفت سراپا کیا بیان کروں ! اس قدر کافی ہے کہ وہ حور لقا ، ماہ سیما، سراپا قیامت کا ٹکڑا ہے، بقول میر تقی : شعر

جدھر وہ ذرا گرم رفتار ہو
قیامت اُدھر سے نمودار ہو

اس گفتگو دُو بدُو سے اُس تفتہ جگر کے شعلۂ شوق کو اور اشتعالک ہوئی ، بقول شخصے : شعر

شعلے بھڑک کے اٹھنے لگے دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

الحاصل یہ سوختۂ آتشِ فرقت اور برشتۂ نیرانِ الفت آہِ جگر سوز ، دل دوز کھینچ کر یوں حرف زن ہوا کہ اے مختارِ مکان و اے آرامِ جان! وہ تجارِ قافلہ سالار تشریف کدھر لے گیا ہے اور کس شہر مینوچہر کا متوطن ہے ؟

اس کے جواب میں وہ مختار مکان بآہ و فغان کہنے لگی کہ اے دور افتادۂ منزل محبت و اے غم آمادۂ مراحل الفت! اُس کے وطن رشک چمن سے تو میں حسب دل خواہ آگاہ نہیں ہوں مگر اس کے قبائلِ حور شمائل کی زبانی یوں سننے میں آیا تھا کہ ایک سال فرخندہ مآل کے بعد پھر اس مکان دلستان میں مقرر مقرر[1] آئیں گے ۔ سو اے مبتلائے بلائے روزگار و اے شیدائے نقش دست نگار ! اس بات کو چھ مہینے گزر گئے ہیں اور چھ مہینے کا عرصہ اس کاروان سبک عنان کی ادھر مراجعت کرنے میں باقی ہے ۔

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی میں یہ الفاظ نہیں ہیں ۔

یہ گفتگو اس نیک خو کی گوش زد کر کے یہ شعر کسی کا پڑھنے لگا : شعر

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پر انتظار کی ٹھہری

لیکن یہ عشقِ خانہ خراب بقول میر تقی :

ابیات

خار خارِ دل غریباں ہے انتظار بلا نصیباں ہے
آرزو ہے امیدواروں کی درد مند جگر فگاروں کی

اور کبھی اُس کے خیال پُر ملال میں کہتا تھا "اے یارِ جانی و اے مایۂ زندگانی! بقول طوفان :

نگویم بوصلت مرا شاد کن
ز محرومئی من دمی یاد کن

القصہ اس دوچارِ بلائے ناگہانی اور مبتلائے آفت آسمانی کو اسی شش و پنج میں پانچ مہینے اور چند روز ، غم اندوز گزر گئے کہ دیکھیے کہ وہ ماہ مقصد سپہر امید پر کب جلوہ گر ہوتا ہے ، اور جب چھ مہینے میں کوئی دس پانچ روز باقی رہے ، تب اُس دورافتادۂ غم آمادہ کی وہ حالت ہوئی کہ الانتظار اشد من الموت ، اور بقولِ خلیفہ شاہ محمدؒ سچ ہے : شعر

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

اس عرصے میں اُس بے دل کو وہ چھ مہینے کامل حالت اشک باری و بے قراری میں گزر گئے ، تو بسترِ ناتوانی پر غلطیدہ ہو کر میاں جرأت کا یہ شعر زبان پر لایا : شعر

نہ آیا پر نہ آیا یار افسوس
چلی اب تن سے جانِ زار افسوس

آخر کار اُس مختار مکان کو بلوا کر یہ وصیت کی کہ اے دوائے درد مندان و اے شفائے مرض امیدواران! برائے خالق کون و مکان بعد انتقال مجھ بے وصال کو اسی مکان بے نشان پر دفن کیجیو کہ جس مقام پر وہ صندلی چھاپے ہیں، کیوں کہ بقول جرأت: شعر

غم دلبر سے دل بر میں حزیں ہے
امید اب مجھ کو جینے کی نہیں ہے

اے مختارِ مکان و اے غم خوارِ مظلومان! اس واسطے کہتا ہوں کہ جیتے جی تو اُس سرمایۂ زندگانی، یارِ جانی سے وصل میسر نہ ہوا، مبادا وہ ماہ لقا ادھر کو رونق افزا ہو اور میری تربت کو بخرام ناز بصد انداز ٹھوکر لگا کر سرفراز و ممتاز کرے، تو عجب نہیں کہ زیر خاک مجھ غم ناک کی تسکین خاطر ہو جائے۔ اے مختار مکان! میری اس وصیت و نصیحت میں تو قصور کرے گی تو واللہ باللہ میں چاک گریبان محشر میں تیرا دامن گیر ہوں گا۔

آخر کار وہ جگر افگار یہ گفتگو کرتے کرتے بیک آہِ جاں سوز، مانند چراغ سحری گل ہوگیا۔ یہ ماجرائے جگر سوز و حیرت اندوز دیکھ کر مختار مکان بے اختیار، زار زار[1] مثلِ ابرِ نوبہار رونے لگی اور ضمیر کے یہ اشعارِ آب دار زبان پر لائی:

۱۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'ونزار' ہے۔

اشعار

ایسا تجھے ہائے غم نے گھیرا　　آخر کو ہوا وصال تیرا
لذت نہ اٹھائی زندگی کی　　حسرت رہی ہائے جی میں جی کی
دل ترا ہوا نہ شاد ہے ہے!　　اے عاشق نامراد ہے ہے!

القصہ مختار مکان، دل بریان نے مکان وصیت میں اس کشتۂ الفت کو دفن کیا۔

اس عرصے میں کئی دن کے بعد وہ تجار عالی وقار مع خویش و تبار اس مکان جنت نشان میں نازل ہوا کہ جس کے انتظار میں وہ سوداگر خستہ جگر اپنی متاعِ زیست بازار عشق میں بیچ کر عدم کو روانہ ہوگیا تھا، لیکن اے یار بقول مرزا علی لطف:

عشق کوئی زور ہے خون ریز ہے
عشق کوئی طرفہ آفت خیز ہے
واقعی گر چارہ سازی پر یہ آئے
لاکھ معشوقوں کو عاشق کر دکھائے
دل میں گر لائے خیال آہ گرم
موم سا آہن کو کر دکھلائے نرم
زندگی میں گر رہے عاشق سے فصل
خاک میں دے بعد مرنے کے یہ وصل

چنانچہ اس کے مطابق میر تقی بھی یہ کہتے ہیں: شعر

وصل جیتے نہ ہو میسر گر　　لائے معشوق کو یہ تربت پر

المدعا وہ قافلۂ پربلا اس مکانِ دلستان میں اترا مگر وہ نازنین مہ جبین کہ جس کے نقشِ دست کے تعشق میں کوئی دست اجل میں گرفتہ ہو گیا تھا، وہ سرمایۂ زندگانی غافل از بلائے ناگہانی اس جائے راحت افزا میں کیا دیکھتی ہے کہ

ایک تربت کسی غربت زدہ کی ایسی ہے کہ سوائے باد صبا اُس کا جاروب کش کوئی نہیں نظر آتا اور بجائے چراغ اس تیرہ روز کا داغِ دل روشن ہے اور پاسبانی کو اس کی تربت پر غربت بصد حسرت موجود ہے ، لیکن بقول ضمیر :

اشعار

اس قبر کو دیکھتے ہی وہ گل کہنے لگی دل سے کر تأمل
آگے نہ تھی قبر اور اب ہے معلوم نہیں یہ کیا سبب ہے

یہ احوالِ پُرملال، حیرت افزا وہ ناشکیبا دیکھ کر مثل سیماب ایسی بے تاب ہوئی کہ عنان صبر دست دل سے چھوٹ گئی اور توسن طبع ، میدان وحشت میں جولانی کرنے لگا ۔ آخر کار مختار مکان کو بلوا کر سب سے الگ لے گئی ۔ بعد گفتگوئے بسیار وہ دل فگار یوں کہنے لگی کہ اے نیک بخت ، صاحبِ عصمت! تیرے جو مکان دلستان میں آگے ہم اُتر گئے تھے تو یہ تربت پر حیرت نہ تھی، سچ کہہ اس جا پر قبر ہونے کی کیاجہت ہے ؟

یہ سخن دل شکن وہ مختارِ مکان سن کر با دیدۂ تر یوں کہنے لگی بزبانیٔ ضمیر :

نظم

اے نو گل بوستان خوبی وے زیب دہ مکان خوبی
اے کام دلِ امیدواراں وے عقدہ کشائے بستہ کاراں
غم ہوئے تجھے نہ تا قیامت! اللہ رکھے تجھے سلامت!

اے مایۂ ناز و اے پیرایۂ اعجاز : شعر
اب آگے کیا کہوں احوال، جی تو سنسناتا ہے
زباں کرتی ہے لکنت اور کلیجا منہ کو آتا ہے

قصہ کوتاہ اے غیرتِ ماہ! اس تربتِ پُرحسرت کا یہ واقعۂ جگر سوز حیرت اندوز ہے کہ ایک سوداگر پری پیکر حشمت شاہانہ اور شوکت خسروانہ سے آتر کر اس مکان دلستان کو مطبوع و وسیع ملاحظہ فرما کر نازل ہوا تھا ۔ قضائے کار بوقت خواب اُس بےتاب کو تیرے ہاتھ کا چھاپا جو نظر آیا تو اُسی وقت سے اُس دل طپیدہ، جگر دریدہ کے اجل دست و گریباں ہوئی ۔ الحاصل تیرے فراق پُراشتیاق میں سب اسباب بے حساب لٹا کر چند روز ہوئے ہیں کہ وہ جگر سوز، غم اندوز ملک عدم کو سفر کر گیا ، اگرچہ مجھ جگر کباب بیتاب نے تیرے ادھر پھر آنے کا وعدہ بھی بیان کیا تھا لیکن بقول ضمیر : شعر

میں غم زدی کیا کہوں کہ کیا ہے
اس قبر کا سن یہ ماجرا ہے

اس احوال پُر ملال ، کثیرالاختلال کو جو گوش زد کیا تو مرزا علی لطف کے بقول :

ابیات

تھی مجال اس گفتگو کی پھر کسے
بات کی دل نے نہ دی فرصت اُسے
بےکلی سے ایسی ہی گھبرا گئی
رک کے جاں اِک دم میں لب پر آ گئی
اپنی ہی مطلق نہ تھی اس کو خبر
ہووے کس کو پاس ناموسِ پدر
مضطرب افتاں و خیزاں برق وار
پہنچی اس مرقد تلک جب بے قرار

کر کے اک آلودہ حسرت کی نگاہ
گر پڑی مرقد پہ اُس کے کر کے آہ
ہو گیا اک دم میں سب قصہ تمام
عشق نے آخر کیا اپنا ہی کام

کہ یکایک اس کشتۂ حسرت کی تربت شق ہوئی اور اس میں وہ غیرت ماہ ، آہ سما گئی ۔ یہ واقعۂ جگرسوز ، حیرت‌اندوز اُس کی مادر خستہ جگر دیکھ کر بحالتِ مضطر خاک پر تڑپ کر یہ اشعار زبان پر لائی :

مثنوی

اے راحت جانِ من کجائی
وے روحِ روانِ من کجائی
جس طرح سے تو نے جی دیا ہے
اس طرح کوئی بھی مر گیا ہے
افسوس ہے صد ہزار افسوس !
مر جائے تو یوں نگار افسوس !

آخرکار اُس کی مادر و پدر اہلِ ماتم ، پُرغم کو ہر ایک نے یوں سمجھایا کہ مشیت ایزدی سے کسی کو چارہ نہیں ہے؛ بہر حال اس حور تمثال کے لیے اب صبر کرنا واجبات سے ہے، چنانچہ حدیث شریف سے ہے ''الصبر عندالصدمۃ اولیٰ'' یعنی صبر کرنا مصیبت کے نزدیک اولیٰ‌تر ہے ۔ المدعا وہ سوگوار بادل زار بصد بے قراری و اشک باری چہلم تک اس مکان وحشت نشان میں مقیم رہی ۔ بعد چہلم وہ اہل ماتم سنگ صبر اپنے سینۂ بریان پر رکھ کر وہاں سے بصد تباہی راہی ہوئی :

مثنوی

اب آگے کیا لکھوں اس غم کا دفتر
ہوا جاتا ہے میرا حال ابتر
بس اے مہجور تو اپنی زباں تھام
ہمیشہ سے یہی ہے عشق کا کام
کہ بعد از مرگِ عشاق دل افگار
روا ہے قتل معشوقانِ غدار

داستان

ایک بادشاہ طفلِ ماہی گیر پر عاشق تھا اور بادشاہ
کی بیٹی ماہی گیر کے عشق میں ماہی وار بے قرار
تھی۔ ایک دن ایک جوان راہ گیر شاہزادی پر
عاشق ہوا اور شاہزادی نے اس عاشق سے
ماہی گیر کے واسطے اس کا دل طلب
کیا۔ اس نے اپنا دل نذر کیا اور جان
بہ حق تسلیم ہوا ۔ تین دن کے بعد
شہزادی نے بھی اس جوان کے
عشق میں جان بہ حق
تسلیم کی

راویانِ غواصِ دجلۂ معانی اور حاکیانِ امواجِ لجّۂ خوش بیانی یہ حکایت گرداب الم اور روایت سحابِ پُر غم بالائے کاغذ آبی، مثلِ موجِ دریائی ، سیاہیٔ رواں سے یوں لکھتے ہیں کہ ایک

بادشاہ ، شہنشاہ دریا دل ، گرداب الم کا ساحل ، ایک ماہی گیر دل پذیر کے دام عشق میں اسیر تھا لیکن اُس بادشاہ عالم پناہ نے اُس کو ارباب محفل میں لانا ننگ دبدبۂ بادشاہی جانا اور ایک نظر آٹھ پہر میں اُس کو نہ دیکھنا یہ بھی شاق تھا۔ اس واسطے بادشاہ عالی جاہ نے اُس ماہی گیر خوش تقریر کو فراست سے یہ خدمت بخشی کہ ایک مچھلی کا دلِ نیم بسمل محفلِ عالی منزل میں شب کو بلا ناغہ لایا کرے۔

لیکن اس ماہی گیر، رشک ماہ منیر کے دامِ عشق میں اُس بادشاہ کی دختر ، رشک قمر بھی ایسی گرفتار تھی کہ اگر ایک روز اُس دل افروز کو نہ دیکھتی تو مانند ماہیٔ بے آب بے تاب ہو جاتی اور اپنی اشک باری اور بیداری پر وہ بے خور و خواب بہ صد اضطراب یہ مطلع مصحفی کا پڑھتی : مطلع

ہوں آشنائے غفلت چشمِ پُر آب کیوں کر
پانی کے اندر آئے مچھلی کو خواب کیوں کر

وہ دخترِ شہر یار ، دل فگار ، گرفتار دامِ بلا ، برائے تفریح طبع بارہا آہ سرِ راہ جھروکے میں بیٹھ کر مرزا علی لطف کے بقول : شعر

وحشیوں کو سیکڑوں انداز سے
صید کرتی تھی کمند ناز سے

قضائے کار نامساعدیٔ روزگار سے ایک جوانِ پُر ارمان ، شکلِ رعنا ، خوش زیبا ، ماہ سیما ، مہر لقا ، شکارِ شہباز عشق ، گرفتارِ انداز عشق جو اس طرف سے گزرا اور نگاہ اس رشکِ ماہ سے ناگاہ دو چار ہوگئی تو میر تقی کے بقول :

مثنوی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی
وہ نظر ھی وداع طاقت تھی
ھوش جاتا رھا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ھوا اک آہ کے ساتھ
بے قراری نے کج ادائی کی
تاب و طاقت نے بے وفائی کی

لیکن وہ ماہ وش اُس جفاکش کی طرف کب خیالِ وصال کرتی ، کس واسطے کہ ھمیشہ ماھی گیر کے دریائے انتظار میں اس کی شست نگاہ آہ پڑی رھتی تھی اور اُس کے سوا مرزا علی لطف کے بقول :

اشعار

مہر اُس پر کیوں کہ ھو اُس ماہ کو
کیا تناسب ھے گدا سے شاہ کو
کب غرورِ حسن کو ھے یہ دماغ
خود نمائی سے کہاں اس کو فراغ
صید لاغر کو اٹھانا خاک سے
ننگ سمجھے باندھنا فتراک سے

حاصل کلام وہ خوش خرام بقول میر تقی :

مثنوی

جھاڑ دامن کو بس وہ مہ پارہ
اٹھ گئی سامنے سے یک بارہ
وہ گئی اس کے سر بلا آئی
خاک میں مل گئی وہ رعنائی

اب آگے عاشقِ زار، نو گرفتار کی حقیقتِ پُر رقّت ، صفحۂ غم

پر نوک قلم سے کیا رقم کروں ! جس جا پر وہ خستہ جگر ، مضطر و ششدر ، محو نظارۂ ماہ پارہ کھڑا تھا ، وہیں کھڑا رہ گیا لیکن بقول عشرت :

نظم

پھر کوئی اٹھتا تھا اس کا واں سے گام
کیوں کہ واں تو عشق تھا گسترده دام
پاؤں اس کا کیا اٹھے واں سے بھلا
عشق جس جا ہوگیا زنجیر پا

بیان شب : القصہ بعد روز سوم ، سر شب چہارم جس وقت ماہی گیر شب نے برائے تسخیر ماہیان سیارگان شست کہکشان ماہ کا چارہ لگا کر دریائے فلک میں پھینکی ، وہ ماہی گیر دل پذیر اپنے معمول سے سر شام شاہزادی غیرت ماہ کے قریب آ کر مے نوشی میں مالوف و مصروف ہوا ۔

اسی کیفیت اور نشۂ عشرت میں وہ شب بوالعجب جب پہر کے قریب گزری تو ماہی گیر ، رشک ماہ منیر به خوف شاہ بحر و بر نشۂ غفلت سے ایک بار ہوشیار ہوکر شاہزادی رشک پری سے رخصت طلب ہوا اور یہ سخن زبان پر لایا کہ اے دریائے جود و سخا و اے صدف گوہر بے بہا! آج طلاطم امواج عیش و عشرت کے باعث سے میری دام داری کا وقت گزر گیا مگر اب اس گرداب فکر میں دل غوطہ زن ہے کہ اگر آج مچھلی کا دل بادشاہ بحر و بر کے متصل نہ پہنچے گا تو خدا جانے اس آن کیا طوفان برپا ہوگا ۔ اے مایۂ عشرت! اس وقت میرے احوال پر ملال پر بقول مرزا بے دل : شعر

بحر می پیچد بموج اشک غم پر درد ما
چرخ می‌گردد دوتا در فکر بار درد ما

یہ سخن دل شکن اس ماہی گیر دل پذیر کا شاہزادیٔ رشک پری سن کر یوں حرف زن ہوئی کہ اے غریق بحر ہراس و اے رفیق دریائے یاس! ایک مچھلی کے دل کے واسطے اپنے دل کو لجۂ غم میں ناحق ڈبوتا ہے ۔ اے دل دار! میں دل فگار تجھ کو مچھلی کا دل اسی منزل میں منگا دوں گی ، اپنی خاطر فاطر کو ساحل امید سے ہم کنار کر ۔

اس کلام بد انجام سے اس ماہی گیر دل پذیر کو شگفتہ دل کر کے ایک خواص خاص سے یوں چپکے سے فرمایا کہ اے محرم راز و اے پروردۂ ناز! ایک کارد خوں ریز اورطشت طلائی اس بے بدل کے پیچھے سے چھپا کر لے جا اور وہ جوان پر ارمان دل فگار جو میرا تشنۂ دیدار کھڑا ہے ، اس سے یوں کہہ کہ اے عاشق صادق! دختر شہر یار، تیری دل دار کہتی ہے کہ اپنے دل ناشاد ، نامراد کو سینے سے فی‌الحال نکال کر میرے پاس بلا وسواس بھیج دے تو میں جانوں کہ تو بے دل عاشق کامل ہے ورنہ بہ قول میر تقی : شعر

دل اگر تھا عزیز، اے ناکام!
کیوں عبث عشق کو کیا بد نام

الحاصل وہ خواص خاص حسب ارشاد دختر شہر یار ایک بار وہیں جا کر موجود ہوئی کہ جس جا پر وہ جوان پر ارمان، بے آب و نان محو خیال جاناں کھڑا تھا ۔ یکایک چھری اور طشت کو آگے رکھ کے یہ سخن زبان پر لائی کہ اے گرفتار اجل و اے دل‌فگار بے بدل ! تیری مایۂ زندگانی اور پیرایۂ کامرانی تیرا دل طپیدہ ، آفت رسیدہ طلب کرتی ہے ۔ اگر تو نے میدان عشق میں قدم مارا ہے تو ہاتھ دریائے یاس میں دھو کر موت کا بیڑا اٹھا لے اور حکم دل دار بلا تکرار بجا لا

چنانچه مرزا بے دل کہتے ہیں : شعر

بے دل! آں صیدے که مخمور گرفتاری بود
ساغر سر شار داند حلقهائے دام را

یه گفتگو دو بدو اس عربده جو کی وه کشتهٔ الفت اور تفتهٔ آتشِ محبت سن کر بقول شخصے یوں کہنے لگا : شعر

دل لے کے ہمارا کہیں برباد کرو گے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

الحاصل اس بے دل نے اپنا دل سینۂ بے کینه سے نکال کر اس خواص خاص کے حوالے کیا اور یه شعر کسی کا زبان پر ارمان پر لایا : شعر

نقد دل رکھتے تھے سو یار کو مطلوب ہوا
للهالحمد! چھٹے رنج سے کیا خوب ہوا

غرض وه نیم بسمل ، بے دل تو خاک پر تڑپ کر جان به حق ہوگیا اور وه خواص بلا اختصاص اس بے دل کا دل دختر شہر یار ، جفا کار کے پاس لے گئی مگر اپنے دل میں بقول عشرت یوں کہتی تھی : شعر

دیکھیو نیرنگ بازی عشق کی
بے دلوں پر حیله سازی عشق کی

آخرکار وه ماہی گیر نابکار اس صید شاہباز عشق کا دل باورچی خانۂ شاہی میں لے گیا اور کباب پز جگر کباب نے چاہا که اسے سیخ پر لگا کر برائے شاہ عالی جناب کباب تیار کروں که یکایک اس دل فگار سے یه آواز خدا ساز صادر ہوئی : مصرع

دلم بردی و دل داری نه کردی

یہ احوالِ کثیرالاختلال کبابِ پُر جگر کباب اور تمام احباب سن کر حیران و ششدر ہوئے۔

المدعا یہ خبر وحشت اثر بکاول باورچی خانے کا ساعت کر کے بصد ادب ، دست بستہ شہنشاہ عالم پناہ سے بقول عشرت یوں عرض کرنے لگا :

اشعار

کاے شہ مہر سپہر عزّو جاہ!
ماہتاب سلطنت عالم پناہ !
وے شہ عالی قدر والا گہر !
آج دیکھا ماجرائے طُرفہ تر
یعنی ہر شب بہر شاہ نیک نام
ایک دل مچھلی کا آتا تھا مدام
آج کا دل اُن دلوں سے کچھ کلاں
طُرفہ تر آیا ہے بے نام و نشاں

اور اس کے سوائے یہ ماجرا عجیب و غریب ہے کہ اُس دلِ بے دل سے یہ صدا بار ہا آتی ہے : مصرع

دلم بُردی و دل داری نہ کردی

لیکن بقول عشرت : شعر

میں یہ حیراں ہوں یہ کیا اسرار ہے
یہ دلِ ماہی عجب پُر خار ہے

یہ کلامِ وحشت التیام وہ شاہِ بحر و بر سن کر گرداب حیرت میں غوطہ زن ہوا اور لجّۂ تفکر میں ڈوب کر بہ تامل بسیار ایک بار اس بکاول سے یوں فرمانے لگا کہ اُس دل شکوہ کن کو حضور پُر نور میں حاضر کر تاکہ دریافت صاف صاف ہو کہ وہ دل کس کی تیغِ جفا کا نیم بسمل ہے۔

الحاصل حسبِ ارشادِ عالی متعالی وہ دل میانِ طشتِ زریں بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا اور بصد اضطرار ایک بار یوں آواز دینے لگا : مصرع

دلم بُردی و دل داری نہ کردی

یہ ماجرا حیرت افزا بادشاہ عالی جاہ ملاحظہ فرما کر دم بخود ہوا اور تمام حضار ، محفل میں اُس دل نیم بسمل کے احوال پُر ملال پر مانند ماہیٔ بے آب بے تاب ہوئے ؛ اور میاں عشرت حضرت عشق کی شان میں یوں کہتے ہیں :

نظم

واہ رے ظالم تری بے باکیاں
طُرفہ تر ہیں کچھ تری چالاکیاں
خاک میں رکھا کہیں تن کو چھپا
دل کو فریادی کہیں ظاہر کیا

الغرض بادشاہ جم جاہ نے اُس ماہی گیر بے پیر کو طلب فرما کے پوچھا کہ اے صیاد ماہیان دریا و اے جلاد دل مظلومان باوفا ! تو نے آج کس صید ناامید کو تہ‌دام بلا کیا ہے جو یہ دل نیم بسمل مچھلی کے دل سے نہایت افزوں ہے اور اس کے سوا ہر زماں شکوہ کناں ہے ؟

یہ ارشادِ حضور پُر نور وہ صیاد بے شعور سن کر یوں گویا ہوا کہ اے مہر سپہر حشمت و اے ماہتاب آسمان شوکت! اس دل کی آواز خدا ساز سے میں بھی حیران ہوں مگر اس دل کی کلانیٔ لاثانی کا یہ سبب ہے کہ آج ایک مچھلیٔ کلاں میرے دام کے درمیان آ کر پھنسی تھی - غرض آپ کے اقبال دولت سے غلام نے بہ زور تمام اُسے تہ دام کر کے اُس کا شکم

چاک کیا تھا مگر معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مچھلی کسی بحر عشق کی ہے کہ جس کے دل سے درد کی صدا آتی ہے اور یا یہ ماہی کسی عاشق صادق کو شکل حضرت یونس علیہ‌السلام بر محل نگل گئی ہے ، اور یا اس ماہی کی سرشت میں صانع قدرت نے عشق مخلوق کیا ہے ۔

حاصل کلام وہ ماہی گیر نا فرجام تقریر بے تاثیر کرتا تھا لیکن بادشاہ عالم پناہ کے دل کو اصلاً تشفّی نہ ہوتی تھی ۔ بہر حال وہ شب پُر تعب تو گزر گئی ۔

بیان سحر : اور جس وقت جلادِ فلک نے خورشید کو خون شفق میں غلطاں کر کے مثلِ دلِ نیم بسمل طشت مشرق میں رکھا، اس شہنشاہ عادل زمان ، رشک نوشیرواں نے کوتوال خوش خصال سے فرمایا کہ اس دل فگار آواز دار کو سر بازار دروازۂ شاہی میں رکھوا دے اور چند اشخاص خاص پاسبانی اور خبرداری کو تعین کر دے ، شاید اس کا راز مخفی کسی رہ گزرے سے افشا ہو جائے تو عجب نہیں ۔

القصہ وہ دل نیم بسمل ادھر سر بازار مصروف شکوۂ یار روانہ ہوا اور اُدھر کا احوال پُر ملال ، کلک جگر شگاف قرطاس الم پر کیا رقم کرے ! یعنی دختر شہر یار ، ماہ رخسار جفا کارؔ نے اُس بے دل کا دل بے دلی سے طشت آزمائش میں لیتے تو لیا مگر جس وقت وہ جوان پُر ارمان، کشتۂ تیغ جفا اور مذبوح خنجر دغا زیر زمین دفن ہوا ، آسی وقت اسی ساعت سے جذبۂ عشق نے مرزا علی لطف کے بقول :

مثنوی

یاں کیا پیوند اس کو خاک کا
دل وہاں پھیرا ہے اُس سفّاک کا
شاد و خنداں یا تو مثل گل تھی وہ
یا کہ رشک افزائے صد بلبل تھی وہ
پر حیا از بسکہ دامن گیر تھی
چپ مثالِ بلبلِ تصویر تھی
گرچہ تھا شدت سے ضبط اضطرار
پر کوئی ہوتا ہے دل پر اختیار
رفتہ رفتہ اشک سے خوں ہوگیا
یا تو نم تھا یا کہ جیحوں ہوگیا
ہم‌سری تھی گل سے جس عارض کو ننگ
ہوگیا صد برگ سا صاف اس کا رنگ
فرش گل پر بے کلی سے زار تھی
ہر رگ گل اُس کو نوک خار تھی

اور میاں عشرت کشتۂ الفت کی زبانی ہے :

مثنوی

سونپتے ہی خاک میں وہ دل فگار
ہوگئی دامِ محبت کی شکار
آتش غم دل پہ جو بھڑکی دو چند
مضطرب جلنے لگی مثل سپند
غرق دریائے ندامت تھی مگر
جذب دل اس پر ہوا یہ حملہ ور
روز و شب بے خواب و خور با چشم‌تر
بیٹھتی تھی آ کے اُس کی خاک پر

سیر صحرا سے ہوئی وہ دل فگار
گشت گلشن ہوگیا آنکھوں میں خار
بیٹھتی غرفوں[1] میں سیر آب کو
رو کے اُٹھتی اُس دل بے تاب کو
ذکر جام و بزم سے تھا اُس کو ننگ
ہوگئی تھی زندگی سے اپنی تنگ
تھی جو آمد رفت اُس صیاد کی
سدّ رہ اس کے وہ حالت ہو گئی

اے سامعانِ حکایتِ پُر غم و اے شاعرانِ عطارد رقم! ادھر تو دخترِ شہر یار دل فگار اپنے عاشق زار ، جان نثار کی سوگوار تھی اورؔ اُدھر وہ دل نیم بسمل ، طشتِ طلا میں دروازۂ شاھی پر مانند قندیل بے عدیل لٹکتا تھا اورؔ ایک ھجوم با دلِ مغموم اُس کے گرد شب و روز اس قدر تھا ، بقول میر تقی :
شعر

تھا ہنگامہ اک سر پہ یوں اس کے جمع
پتنگے اکھٹے ہوں جوں گردِ شمع

لیکن اس راز مخفی اور آواز غیبی سے کوئی ماھر نہ تھا ۔
قضائے کار بہ قدرت پروردگار ایک فقیر روشن ضمیر ، عاشق دل ، صادق منزل سر پر تاج الفت رکھے ، گلے میں محبت کی کفنی پہنے، اشک مسلسل کی سیلیاں ڈالے اور ھاتھ میں آہ کی بیراگی لیے ، فراق کا کچکول کمر سے لگائے ، اُس جائے حیرت افزا پر وارد ھوا کہ جس رہ گزر میں وہ دل نالاں با آہ و فغاں شکوہ کناں دلبران بے وفا تھا ۔ یہ فقیرِ روشن ضمیر اُس

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'گلشن' ہے ۔

بے نصیب کے قریب گیا اور یوں گویا ہوا ، بقول عشرت :

ابیات

ہے دلوں کو عاشقوں کے اضطرار
لیکن اے دل! ہو نہ ایسا بے قرار!
پردہ‌ہائے غم میں ہے پنہاں سرور
بے قراری اتنی اے دل کیا ضرور

یہ حرفِ شگرف وہ درویشِ جگر ریش کہہ کر راہی ہوا اور یہ دل طپیدہ ، آفت رسیدہ چپ ہوگیا اور فی‌الحقیقت ہے : شعر

پھر زباں سے کس طرح نکلے جواب
جب کہ حاصل ہو جواب باصواب

اور یہ واقعۂ حیرت افزا ، ہوش ربا ، پیر و جوان اس زمان دیکھ کر آئینہ ساں حیران و ششدر ہوئے اور یہ ماجرائے عجیب و غریب خبرداران صدق مقال اور چوکی داران کوتوال کی زبانی بادشاہ عالم پناہ کے گوش ہوش میں پہنچا کہ ایک فقیر روشن ضمیر کے ہم کلام ہونے سے وہ دل پُر آواز ، کشتۂ ناز چپ ہوگیا ہے : شعر

اب نہیں وہ بے قراری کی صدا
ہے گلِ پژمردہ سا بے حس پڑا

اس سخنِ حیرت افزا سے شہنشاہِ عالی جاہ کو اور حیرت زیادہ ہوئی لیکن وہیں ارشاد فرمایا کہ اس درویش کو جلد تلاش کرکے بارگاہ شاہی میں حاضر کرو ۔

غرض لوگوں نے بہ تلاشِ بسیار اُس درویشِ عالی مقدار کو رو بروئے بادشاہ عالم پناہ حاضر کیا ۔ شہنشاہ عالی جاہ

نے اس درویش صاحب کمال ، شیریں مقال کو اپنے قریب بٹھا کے با دل شاد یہ ارشاد کیا کہ اے صاحب کشف و کرامات و اے فخرِ فقیران عالی درجات ! اس دل کی شکایت بے نہایت کا اور چپ ہو جانے کا کیا سبب ہے ؟

یہ کلام شاہِ عالی مقام کا استماع کر کے فقیرِ روشن ضمیر نے کہا کہ اے بادشاہ بحر و بر و اے شاہ والا گہر! یہ دل ماہی کا نہیں ہے، یہ دل کسی ناامید ، دامِ عشق کے صید کا ہے ، یہ دل دریائے الم کا غریق رحمت ہے ، یہ دل گرداب ستم کا آشنا ہے ، یہ دل کشاکش الم کا مستغرق ہے اور اس کا ماجرائے پوشیدہ کیا بیان کروں ، بقول شخصے : مصرع

کہیں کہنے سے اولیٰ ہے نہ کہنا

حاصلِ کلام ، بادشاہِ عالی مقام جب اس رازِ مخفی کے افشا کرنے میں نہایت درپے ہوا تو اس درویشِ دل ریش نے اس دلِ نیم بسمل کو مثل ید بیضائے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں لے کر یہ کہا کہ اے بادشاہ عالم پناہ! اگر تجھ کو کوہِ طور عشق کی تجلی دیکھنی ہے تو بسم اللہ میرے ہمراہ چل ؛ اس دلِ فگار کا احوالِ پر ملال دل پر اظہر ہو جائے گا ۔

غرض شاہ و گدا باہم اس دل پُر غم کو لیے جو اٹھے تو وہ دل بے تاب مثل سیماب اس درویش دل ریش کے ہاتھ پر جذبۂ عشق سے یوں چل نکلا کہ گویا کوئی دست درویش کو خود بخود کھینچے لیے جاتا ہے ۔ آخر کار وہ دل فگار بادشاہ اور گدا کو اپنے پیچھے پیچھے لیے اس مکان حیرت نشان پر آیا جس جا پر اس کا قالب تن بے وطن تہ خاک پڑا تھا ۔ اس تربت بے نشان لا مکان پر وہ نابود اپنی بود موجود سمجھ کر کھڑا ہو

گیا اور اس فقیر روشن ضمیر کے ہاتھ سے مثل سپند آتش رسیدہ چٹک کر گر پڑا اور مانند ماہیٔ بے آب تڑپنے لگا کہ یکا یک گورگن عشق نے اس کشتۂ محبت کی تربت شق کی اور بقول عشرت :

ابیات

دل نے وا دیکھی جو اس کشتے کی قبر
پھر کوئی دل کو بھلا آتا تھا صبر
دیکھ خالی آپ سے اپنا مکاں
جا پڑا اس زخم پر شکوہ کناں

یہ حالت طُرفہ تر وہ شاہ بحر و بر ملاحظہ فرما کر دریائے تحیّر میں مستغرق ہوا اور تمام خدام مع خاص و عام زبانی مرزا علی‌لطف کے یوں کہتے تھے :

نظم

عشق کوئی طرفہ آفت خیز ہے
عشق کوئی زور ہے خوں ریز ہے
واہ رے اے عشق نیرنگی تری
گہ خوشی اور گاہ دل تنگی تری

اور اُدھر دختر شہریار سوگوار اپنے دل فگار کی تربت پر پوشیدہ غرفے سے دیکھ رہی تھی کہ یکایک وہ رشک لیلیٰ مجنوں‌وار، بے اختیار قصر شاہی سے اس طرح تربت عاشق پر کود پڑی کہ جس طرح کوئی شہ‌باز اپنے شکار پر بے اختیار گرتا ہے لیکن بقول معقول عشرت :

ابیات

آہ بھر کر قبر میں جوں ہی گری
گرتے ہی بس جاں بہ حق تسلیم کی

جذب تھا از بس دل بے تاب کا
ہو گیا پھر چاک سینہ خاک کا
مثلِ گل جو قبر اس کی کھل گئی
بہ مثال اشک اس میں مل گئی
نام ھی باقی رھا اُس کا وھاں
پھر نہ پایا اس سوا کچھ بھی نشاں

اب آگے حالت پُر رقت شہنشاہ جاں‌کاہ اور خادمان محل کی مشق نالہ و آہ کی کیا بیان کروں بقول مصحفی :

ابیات

ھر ایک واں جو پُر عجب تھا
دنداں کے ساتھ ربط لب تھا
کہتے تھے کہ ان میں چاہ ہو گی
مدت سے دلوں میں راہ ہو گی

اور گریہ و زاری اور اشک باری کا اُس محل بے بدل میں یہ تلاطم تھا کہ گویا طوفان نوح دوبارہ برپا ہوا، بقول عشرت :

اشعار

غرق جس میں دخت شاھی ہو گئی
کشتی شاھی تباھی ہو گئی
بس اے مہجور تھام اپنی زباں کو
نہ اتنا طول دے اس داستاں کو
یہ ادنیٰ اس محبت کا اثر ھے
نہ لیلیٰ ھے نہ مجنوں نوحہ گر ھے
نہ شیریں ھے نہ خسرو ھے نہ فرھاد
نہ وامق ھے نہ عذرا رشک شمشاد

ایاز مہروش ہے اور نہ محمود
محبت سے ہوئے سب بود نابود
ہوا نل کا نہیں جینا گوارا
دمن کو بھی محبت ہی نے مارا

داستان

خاص محل کی خواص پر خدمت گار بادشاہ عاشق ہوا اور زہر ہلاہل کھاکر نہ موا۔ بادشاہ یہ ماجرائے حیرت افزا سن کر متعجب کمال ہوا اور حکمائے حاذق کو طلب فرما کر مستفسر حال ہوا۔ طبیبوں نے جواب دیا کہ تاثیر عشق کے سبب سے زہر نے اثر نہ کیا وگرنہ اس کی زیست محال ہے، فقط وصل معشوق مانع وصال ہے۔ بادشاہ نے دونوں عاشق و معشوق کو باہم وصل کیا۔ پہلے عاشق نے جان دی، تھوڑے دنوں کے بعد جذبۂ عشق سے معشوق نے دارالبقا کی راہ لی

راویان رطب اللسان اور حاکیان شیریں دہان یہ فسانۂ غم آلودۂ زہر الم صفحۂ قرطاس پر نوک قلم الماس سے یوں تحریر کرتے ہیں کہ زمانۂ سلف میں شہر بغداد میں ایک بادشاہ جم جاہ، اس قدر ممسک و منحوس و مکھی چوس تھا کہ سپاہ خیر خواہ

کو تنخواہ ماہ بہ ماہ نہ دیتا تھا ۔ آخر کار اطبائے عالی مقدار و حکمائے والا تبار سب متفق ہو کر کہنے لگے کہ کوئی تدبیر پُر تاثیر مفرح القلوب اس قانون کی حکمت سے کیجیے کہ یہ بادشاہ کسی نحو سے ہماری صرف اوقات کا خبر گیراں ہو اور آزار افلاس بے قیاس خلق کا اُس کے داروئے بخشش سے دور ہو جاوے ۔

المطلب ان اطبائے حاذق اور حکمائے صادق نے بہم ہو کر زہرہلاہل ، بار نخل اجل ایسا بنایا : شعر

سونگھے سے جسے مارسیہ ہائے
بہ بحر مرگ مثل موج لہرائے

الغرض وہ زہر ہلاہل ایک چھوٹی شیشی میں بھر کر حکیمان ممالک محروسۂ قریب شہنشاہ گیتی پناہ لے گیے ۔

بعد آداب و تسلیم ایک حکیم فہیم وہ تحفۂ اعجوبہ نذر گزران کر یہ سخن زبان پر لایا کہ اے شہنشاہ عالی جاہ! اس تحفۂ نادر و ہدیۂ پر اثر کی توصیف و تعریف میں زبان رطب البیان تلخ کام ہے ۔ یہ گفتگو دُو بدُو طبیب نیک‌خو کی بادشاہ مسموع فرما کر یوں حرف زن ہوا کہ اس چیز عجیب و غریب کا خواص خاص بیان کر کہ یہ دوا پُر بلا کس درد مند کو فائدہ مند ہے ۔

یہ کلام شاہ عالی مقام کا سن کر وہ طبیب صادق اور لبیب حاذق ، ارسطو طبیعت ، افلاطون خصلت ، لب زہر خوردۂ رعب شاہی کو تریاق تقریر سے کھول کر یوں گویا ہوا کہ اے رونق گلستان شاہی و اے زیب بوستان آگاہی! یہ شیشی زہر پُر قہر کی ہے ۔ اگر اس کی ایک سینک پیل طویل

کے دانت پر بطور خط کھینچ دیجیے تو مانند آب بہہ جائے یا اس کا ایک قطرہ سر کوہ پر شکوہ پر ٹپکائیے تو عجب نہیں کہ مانند حباب دریائے فنا سے ہم کنار ہو ۔ یہ سخن حیرت افگن بادشاہ سن کر کہنے لگا :

اشعار

ارے حاضر ہے کوئی جلد جاؤ
وہ ہاتھی فیل خانے میں سے لاؤ
کہ جس کو دیکھ کر پیل فلک کا
خطر سے آب ہو بہہ جائے زہرا

غرض حسب حکم شاہی ایک پیل نہایت طویل ایسا حاضر ہوا کہ جس کی صفت میں میرزا سودا یوں کہتے ہیں :

بیت

بیٹھنے میں ہے وہ کوہ ، اٹھنے میں ہے ابر سیاہ
عرش رفعت میں ، روش میں یہ صفت چرخ اتھک[۱]

المدعا بادشاہ نے بہر امتحانِ حکیمانِ مسیح الزمان ایک سینک زہر پر قہر سے تر کر کے جو ہاتھی کے دانت پر آفات پر لگوائی، ایک خط کھینچتے ہی نہ معلوم ہوا کہ وہ ہاتھی تھا یا کہ کالے پانی کا حباب تھا کہ ہوا کے لگتے ہی آب ہوگیا ، و یا کہ چھاگل پانی کی تھی کہ ٹھیس لگتے ہی رواں ہوگئی ۔ یہ تاثیر بے نظیر اس ہلاہل ثمر اجل کی دیکھ کر بادشاہ نہایت شگفتہ خاطر ہوا اور اس کے صلے میں ہر حکیم قدیم کو خلعت فاخرہ اور جواہر بے بہا سے سرفراز و ممتاز فرما کر رخصت بصد بشاشت کیا ، اور اسی دن سے زہر پر قہر نے اس کے دل کو یہ تاثیر بخشی کہ وہ باتیں زہرناک جو تھیں

۱ - نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'اٹھ تک' ہے ۔

ان سے دست بردار ہوا اور یہ اشعار آب دار رنگین کے زبان پر لایا :

مثنوی

ظلم اے رنگیں بہت معیوب ہے
عاجزوں پر رحم کرنا خوب ہے
کر لے نیکی تجھ سے جتنی ہو سکے
تخم یہ اچھا ہے بو ، گر بو سکے
نیک و بد کی کیا تجھے اٹکل نہیں
راہ سے بے راہ ہر گز چل نہیں

اور فی‌الحقیقت ہے ، بقول نخشبی :

نخشبی رسم ظلم بد باشد   زہر کے کار ہاے قندکند
عاقبت در زمانہ ظالم را   داد مظلوم درد مند کند

القصہ اُس بادشاہِ جم جاہ نے وہ شیشی زہر پُر قہر کی ایک خدمت گار امانت دار کو دے کر اشارہ فرمایا کہ اس شیشی کو سنگ حوادث سے بچا کر محافظت سے محل بے بدل کی ڈیوڑھی پر لے جا اور شیریں خواص خاص داروغۂ دارالشفا کو سپرد کر کے رسید لے آ۔

بہ موجب حکم بادشاہی وہ خدمت گار دل فگار شیشی زہر پُر قہر کی لے کر چلا لیکن اثنائے راہ میں وہ نیک خصال یہ خیال دل میں لایا کہ ایسی چیز شاذ و نادر کہاں میسر ہوتی ہے ۔ 'برائے داشتہ آید بکار' اس امانت میں خیانت کیجیے بقول ظہور : شعر

چراؤں میں تو کوئی کیا کہے گا
کبھی کچھ کام میرے آ رہے گا

المدعا وہ عزیز باتمیز اُس میں سے چہارم حصہ بے خوف و غم لے کر آگے بڑھا۔

قضائے کار ایک بار قضا بصورت انسان بن کر نمودار و آشکار ہوئی اور یہ شعر ظہور کا زبان پر لائی : شعر

پھنسا ہے ہاتھ میں گو تو قضا کے
قضا کو لے چلا ہے پر چرا کے

یہ بات واہیات اس کی سن کر اس کے دل کو کمال زہر معلوم ہوئی :

اشعار

میں کس کا چور ہوں چوری ہے کیسی
نہ کہنا پھر کسی کو بات ایسی
جو زہر آلودہ کہتا ہے کوئی بات
قسم ہے سخت ہوتا ہے وہ بدذات

یہ گفتگو دُو بدُو قضا سے کر کے حضور پُر نور کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا اور فرہاد خواجہ سرا کو محل کے اندر برائے طلب شیریں‌خواص، غنچہ‌لب بھیجا لیکن بقول ظہور : شعر

خبر سن کر خواص خاص آئی
اٹھا پردے کو شکل اپنی دکھائی
خواص خاص کیا خاصی بلا تھی
تھی انساں پر وہ پردے میں قضا تھی

اب آگے اُس کے سراپا کی سراپا صفت کیا کروں ! حقیقت میں وہ سراپا قیامت تھی : شعر

اگرچہ نام کو شیریں تھی وہ ماہ
ولیکن زہر کی تھی گانٹھ واللہ

غرض اس خدمت گار، دل فگار، سیہ بخت، ہمسر فرہاد ناشاد کو پہلے تو اس شیریں کے بال رشک سنبل نے سم‌الفار عشق کھلایا ، اور زلف افعی مثال نے قضا کے سانپ آنکھوں میں لہرانے شروع کیے، اور پیشانیٔ لاثانی کو دیکھ کر آئینہ وار ششدر و حیران ہوا ، اور ابروؤں نے ایک بار تیغ آب دار ہلالی دودستی سے سر دست گھائل کر دیا ، اور تیر مژہ نے ہدف سینہ کو مانند خاک تودہ چھلنی کیا ، اور خنجر نگاہ نے اس کے دل نحیف کو دیکھتے دیکھتے نیم بسمل کر دیا ، اور عارض رشک گل کو ملاحظہ کر کے بوستان حیرت میں مثل نرگس حیران ہوگیا ، اور بینی کو دیکھ کر جان غم ناک ، ناک میں آ رہی، اور لب لعل فام کو دیکھ کر جان بہ لب ہوگیا، اور تنگیٔ دہن اس غنچہ دہن کی دیکھ کر درجک گویائی پر قفل خاموشی لگ گیا ، اور دانتوں کی آب داری دیکھ کر چشم گُہر بار، تار مژہ میں موتی پرونے لگی ۔ چاہ ذقن کود یکھتے ہی عشق نے چاہ الم جھنکا کر دل کو ڈانواں ڈول کر دیا اور اس مہ رو کی صفائی گلو اُس ذرۂ بے مقدار کا دست غم سے گلا گھوٹنے لگی ، اور گردن صراحی دار نے گردن پکڑ کر جلاد عشق کے حوالے کر دیا، اور شانہ دیکھ کر تیر قضا کا نشانہ ہوگیا، اور بازوؤں کے عالم نے نقد جان دست برد کر لیا ، اور ساعد سیمیں نے گریبان وحشت پھاڑ کر دامن گیر جنوں کر دیا ، اور کلائی کی نزاکت کا صدمہ جگر تک پہنچا ، اور دست حنائی بصد خون خواری دل نیم بسمل سے ہم پنجہ ہوئے ، اور انگلیوں کے عالم نے عشق کی ناخن بندی کر کے عاشقوں میں انگشت نما کیا، اور چھاتیوں کو دیکھ کر کچھ چوٹ سی سینے میں لگ گئی ، اور پیٹ کی صفائی ملاحظہ کر کے عشق کی لپیٹ میں آگیا

اور ناف پُر اوصاف نے گرداب غم میں غوطہ زن کیا ، اور سُرین کی گلاوٹ دیکھ کر دل بر میں پہلو تہی کرنے لگا ، اور ران کی صفائی نے مثل آئینہ حیران کر دیا ، اور ساق سیمیں نے اس غم گیں کو ہم زانوئے اجل کیا ، اور پائے نگاریں کو دیکھ کر بے قراری اور اشک باری نے پاؤں پھیلائے ۔ غرض بہ ہر صورت وہ کشتۂ وحشت، پامال غم و الم ہوا ۔ قصہ مختصر اس تفتہ جگر نے اس عشوہ گر سے دو چار ہو کر وہ شیشی زہر پُر قہر کی آگے لے جا کے بقول ظہور : شعر

کہا لیجے امانت شہ کی جانی!
ہوئی زہر اب ہمیں یہ زندگانی

غرض وہ خواص خاص اس کشتۂ یاس ، بے حواس کے ہاتھ سے ہیہات وہ شیشی زہر پُر قہر کی لے کر اور زہر عشق پلا کر محل کے اندر چلی ؛ وہ مسموم رنج و الم اور کشتۂ تیغ ستم یہ دوہرا کسی کا زبان پر لایا :

دوہرا

بانہہ چھوڑائے جات ہو نبل جان کے موئے
ہر دے میں سے جاؤ گے تو مرد بدوں گی توئے

المدعا وہ حور لقا اپنے مکان جنت نشاں میں جا کر زینت بخش ہوئی اور یہ تپیدہ ، جفا کشیدہ ، بصد ملال یہ خیال پر اختلال دل میں لایا کہ اس آرام جان عاشقاں کا وصال محال ہے بقول جرأت : شعر

وصل بننے کا کچھ بناؤ نہیں وان لگا دل جہاں لگاؤ نہیں

اور یہ بے قراری اور آہ و زاری دل سے دور ہونی نہایت اشکال ہے ۔ پس اس سے تو بہتر ہے کہ اس جان شیریں کو شیریں

کے اشتیاق میں فرہاد آسا تیشۂ زہرِ ہلاہل سے ہلاک کیجیے، بقول میر سوز : مصرع

فرہادِ ہم نہیں جو مریں سر پٹک پٹک

غرض وہ دل‌گیر پُرتشویر یہ تدبیر دل میں کر کے اس زہر کے پینے پر مستعد ہوا، پھر یہ دل میں خیال پُر اختلال آیا کہ اگر اس زہرِ پُر قہر کے پینے سے جانِ شیریں شیشۂ قالب سے فرار ہو گئی تو موجب بدنامی شہنشاہ عالم پناہ ہے، کس واسطے کہ جمیع صغیر و کبیر، برنا و پیر کہیں گے کہ یہ عزیز بے تمیز بادشاہ عالی جاہ کی خواص خاص پر مفتون و شیدا ہو کر مر گیا۔ اس بات سے تو یوں بہتر ہے کہ یہ زہرِ پُر قہر یہاں پی کر گھر میں چلیے اور وہاں جا کر چپکے سے مر رہیے۔ یہ مشورۂ غم افزا اس مسمومِ عشق نے دل سے کر کے اس زہرِ پُر قہر کو لے لیا اور یہ اشعار آب‌دار ظہور کے پڑھنے لگا :

اشعار

خوشی رہ تُو، چلے ہم اپنے گھر کو
وصیت کرتے ہیں تجھ بے خبر کو
نہ تو آئے گی میرے پاس جب تک
نہ نکلے گی مری جاں تن سے تب تک
تغافل کی قسم تو جلد آنا
عدم کو تا میں ہوں جلدی روانہ
نہ دکھلانا عذاب نزع مجھ کو
قسم ہے کشتۂ الفت کی تجھ کو
چلا یہ کہہ کے پھر با جانِ ناشاد
چلے ہم اپنے گھر کو خانہ آباد

القصہ وہ زہر پُر قہر اس مسموم عشق نے شیشۂ حلق میں پُر کر کے اپنے خانۂ ویران اور کاشانۂ پریشان کی راہ لی ، اور بادشاہِ جم جاہ بعد فراغ سیر و شکار محلِ خاص میں درآمد ہو کر بہ زبان شیریں یوں گویا ہوئے کہ وہ شیشی زہر پُر قہر کی فلانا خواص ، جو شیریں خواص کو دے گیا تھا وہ کہاں ہے ؟

یہ کلام شاہ عالی مقام کا شیریں سن کر مع امانت خدمت شہنشاہ میں حاضر ہوئی لیکن بقول ظہور :

اشعار

جونہیں دیکھی وہ شیشی شہ نے خالی
یکایک آگئی چہرے پہ لالی
یہ فرمایا کہ ہے یہ جائے حیرت
امانت میں ہماری ہو خیانت

یہ کس کی زندگانی دار فانی میں تلخ ہوئی ہے جو اس نے زہر ہلاہل کو چرا لیا ۔ یہ گفتگو بادشاہ تند خو کی سن کر سب خواصیں دست بستہ عرض کرنے لگیں کہ اے شاہ بحر و بر ، والا گہر ! ہم پرستاروں، جاں نثاروں کا کیا زہرہ ہے جو حضرت کی امانت میں خیانت کریں ۔ اس حالت پُر غضب میں وہ شاہ عالم پناہ محل سرا سے برآمد ہوا اور امین خاص کو طلب فرما کے یوں ارشاد کیا ، ”اے عزیز بے تمیز ! تجھ کو میں نے زہر پُر قہر کی شیشی کیا اسی قدر دی تھی ؟ سچ بتا نہیں تو واللہ باللہ اس کی تعزیر ایسی دوں گا کہ تیری زیست تلخ ہو جائے گی ۔“ اس کے جواب میں اس مسموم عشق نے ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ اے شاہ گیتی پناہ ، فی‌الحقیقت بقول ظہور : شعر

اُسے جب میں در شاہی پہ لایا   بہ ناکامی وہ میرے کام آیا

یہ احوالِ کثیرالاختلال بادشاہ سن کر مانندِ بلبل تصویر گلستان حیرت میں خاموش ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ یا الٰہی ! یہ عزیز ناچیز کیا کہتا ھے ، یعنی ایسا زہر پُر قہر نوش کرے اور اب تک جیتا رہے ! یہ بات حسب ظاہر کچھ عقل میں نہیں آتی ۔ القصہ بادشاہ عالی جاہ نے وھیں حکیموں کو طلب فرما کے یوں ارشاد کیا کہ یہ مسموم مغموم کس سبب سے اب تک قید حیات میں ھے ؟

الغرض حکیموں نے اس جاں بہ لب ، زہر خوردہ کی نبض دیکھ کر عرض کی کہ اے شاہ فلاطون طبیعت و اے ارسطو خصلت! یہ مسموم مغموم ظاھر میں زندہ ھے مگر اس کی نبض سے معلوم اور مفہوم ھوتا ھے کہ اس کو کسی کے افعئی زلف نے ڈسا ھے کہ تاثیر زہر کو فرو کر دیا ۔ اگر اس مضطر خستہ جگر کو اس کا شربت دیدار ملے تو غالب ھے کہ یہ جان بہ لب دیکھتے ھی اپنے دلبر کو پانی کی طرح بہہ جائے ، بقول ظہور :

اشعار

کسی کی زلف پیچاں کا سیہ مار
بس اس کو ڈس گیا ھے ظاھر آثار
اگر وہ سانپ اس کے آگے لہرائے
یہ کھا کر لہر ، پانی ھو کے بہہ جائے

یہ سخن حیرت افگن حکیموں سے سن کر بادشاہ کہنے لگا ”یہ بات خلاف عقل ھے ۔“

اس کے جواب میں حکیموں نے عرض کی کہ اگر اس بات میں مُو برابر فرق ھو تو ھم خانہ زادوں کو زہر عقوبت سے ھلاک کیجیے، اور حضرت کو اس میں کچھ تامل ھو تو ھمارے

نسخۂ تشخیص کو امتحان کر لیجیے ۔

الغرض بادشاہ نے حکیموں سے ارشاد کیا ’’اگر اس کا معشوق دریافت ہو تو اس کو بلا کر موصل کیجیے تاکہ یہ مسموم تلخیٔ ہجر کے عذاب سے مخلصی پائے یا جان شیریں کو دار فانی میں آسانی سے گنوائے ۔

یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر اطبائے حاذق اور حکمائے صادق بہم ہو کر عرض کرنے لگے کہ خداوند نعمت ! سپہر کرامت! غالب ہے کہ جو رشک حور اس کے ہاتھ سے زہر کی شیشی لے گئی ہے ، اسی نے اس دیوانے کو زہر عشق پلا دیا ہے ۔

یہ سخن دل شکن حکیموں کا سن کر بادشاہ نے اس مسموم مغموم سے پوچھا ’’اے تفتہ جگر ، دل مضطر ! سچ بتا ، تیرے ہاتھ سے زہر پر قہر کی شیشی کون بس کی گانٹھ لے گئی تھی ؟‘‘

یہ گفتگو بادشاہ تند خو کی سن کر وہ عازم ملک عدم مسموم زہر غم یوں گویا ہوا : ’’اے بادشاہ عالم پناہ ! وہ جو شیریں ، خواص خاص سرکار والا تبار کی ہے ، اس کا افعیٔ زلف میرے دل حزیں کو ڈس گیا ، لیکن اے شہنشاہ گیتی پناہ! پھر بقول تنہا :

ہے جی میں اس کے کاکل پر خم کو دیکھیے
اس آرزو کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

قصہ مختصر بادشاہ جم جاہ نے فرہاد خواجہ سرا ، خوش زیبا کو ارشاد کیا کہ اس وقت خلوت کر کے شیریں خواص خاص کو بلا لا ۔

الغرض جس وقت بادشاہ عالی جاہ کے قریب اطبائے خاص

اور کشتۂ یاس کے سوا کوئی نہ رہا ، تو وہ فرہاد خواجہ سرا مہر لقا شیریں خواص کی طلب کے واسطے محل سرا میں گیا اور ادھر اس ناشاد رشک فرہاد کو جو دریافت ہوا کہ وہ شیریں دہن شیریں نام مجھ تلخ کام کو شربت دیدار پلانے کو آتی ہے ، بقول میر حسن :

کچھ اک جی کو امید اور دل کو یاس
لبوں پر ہنسی لیک چہرہ اُداس

اور ہر بار وہ دل فگار دل کو تشفی دیتا تھا کہ اے دل! اب تیرا وصل نہایت متصل ہے ، بقول ظہور : شعر

ملے گا بوسۂ لعل شکر خند
یہ زہرِ تلخ سب ہو جائے گا قند

اور کبھی وہ جگر فگار اس کے انتظار میں بہ صد بے قراری ہر باری شبنم کا یہ مطلع زبان پر لاتا : مطلع

دم نکل جائے کہیں یا مجھ نحیف و زار کا
یا کہیں جلدی میسر وصل ہو دلدار کا

اس حالتِ پُرملالت میں وہ ماہ رخسار ایک‌بار نمودار ہوئی، غرض بقول ظہورؔ :

نظم

قریبِ شاہ جب وہ آن پہنچی
تو اس مُردے میں‌گویا جان پہنچی
محبت کا جب آیا جوش پُر جوش
ہوئیں شرم و حیا دونوں فراموش

یکایک تمنائے ہم‌آغوشی میں اس مسموم مغموم نے خوف بادشاہ کو گوشۂ دل سے فراموش کر کے کمان صبر سے مثل تیر

پرّان ہو کر اپنے لب کو لب معشوق سے لب معشوق کیا اور اس کمان ابرو کو قبضۂ آغوش میں کھینچ کر یہ شعر کسی کا زبان پر لایا : شعر

کمان ابرو مرے گھر کیوں نہ آئے
کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

لیکن بقول مرزا سودا : شعر

فائدہ اب کیا کرے تریاق وصل
زھر غم ھجر اثر کر گیا

غرض وہ جگر فگار، عاشق زار ھدف سینہ پر تیر قضا کھائے مرنے پر لیس بیٹھا تھا پر پیکان[1] شادیٔ مرگ کی خواھش میں یکایک اس مہ کے گلے لگتے ھی زھر پُر قہر نے ھجر کی تاثیر کو شربت وصل سے مبدل کر کے اپنا جو اثر بخشا تو وہ مسموم مغموم مثل موج دریا آب ھو کر بہہ گیا ، لیکن حرارت عشق اور تاثیر زھر سے وہ پانی آفت کی نشانی اس قدر گرمی رکھتا تھا کہ جس زمین پر وہ آب رواں ھوا ، حباب آسا اس مکان پر پھپھولے پڑ گئے لیکن بقول ظھور :

ابیات

بہ رنگ ابر پانی ھو بہا وہ
سحاب غم سے نکلی مہ لقا وہ
یہ چمکی برق جو ابر سیہ میں
ھوئی حیرت دل حیران شہ میں

القصہ وہ شاہ عالم پناہ اس مسموم مغموم کے مرنے سے نہایت ملول و اندوہگیں ھوا اور وہ جو زھر پُر قہر کے گم ھونے

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں 'مکان' ہے ۔

کا دل پر غضب پُرتعب تھا، سو اس تلخ کام کی جان شیریں جانے سے فرو ہو گیا اور اس پری زاد ستم ایجاد کی حالت پُر ملالت نہ پوچھو ! دریائے حیرت اور لجۂ ندامت میں غوطہ زن ہو کر یوں کہتی تھی : شعر

یہ کیسی اس کے دل پر لہر آئی
جو اپنی جان شیریں یوں گنوائی
نہیں میں جانتی تھی فی‌الحقیقت
کہ یہ یوں ہے غریق بحر الفت

غرض وہ پری رخسار جگر افگار خوف شاہی سے قلق کو ضبط کر کے مثل بلبل تصریر خاموش ہو گئی اور جس جا پر وہ دل بے تاب آب ہو کر بہہ گیا تھا ، اس جا پر بادشاہ والا گُہر کی جو نظر پڑی تو کیا نظر آیا کہ ایک لعل بے بہا مثل اخگر چمک رہا ہے !

یہ احوالِ پُر اختلال بادشاہ دیکھ کر حکیموں سے پوچھنے لگا کہ یہ لعل بے بہا اس کے جسم پُر آب سے کس طرح پیدا ہوا؟

یہ گفتگو بادشاہ کی اطبا سن کر کہنے لگے ''اے شہنشاہ گیتی پناہ ! یہ لعل بے بہا نہیں ہے ، اس مسموم مغموم کا دل بسمل ہے لیکن حرارت قلق جگر سے پتھر ہو گیا ہے ، لعل بد خشاں اس کے پاسنگ کو نہیں پہنچتا ۔

غرض بادشاہ جم جاہ نے پھر ایک جوہری رشک پری کو جو دکھلایا تو وہ جوہری با شعور بقول ظہور یوں گویا ہوا : شعر

بہا اس بے بہا کا کیا بھلا ہو
سر قاتل پہ جس کا خوں بہا ہو

غرض بادشاہ عالی جاہ نے اس لعل عجیب و غریب کو توشک‌خانہ میں سپرد کر کے توشکچی سے یوں فرمایا کہ اس لعل خوش نگار، رشک بہار کو سرپیچ میں نصب کر کے خلعت فاخرہ میں لگا رکھنا ۔ ان شاءاللہ تعالیٰ بہ شرط زیست بروز عید اس کو ہم اپنے سر پر چڑھائیں گے اور شیریں خواص بے حواس کو فرمایا کہ تیرا عاشق جان نثار کوہسار عشق پر فرہاد آسا کوہ‌کنی کر گیا لیکن تو اپنی جان شیریں کو تیشۂ غم سے نہ ہلاک کرنا ۔

الغرض بادشاہ جہاں پناہ نے شیریں مائل رقّت کو رخصت کر کے استراحت فرمائی مگر شیریں با دل اندوہ‌گیں جو اپنے مکان دلستان کی طرف چلی تو آواز خدا ساز گوش ہوش میں آئی ۔

مثنوی

اے قاتل عاشقان محروم — و اے ظالم بے دلان مظلوم
میرا تو عدم ہوا ٹھکانا — تو بھی مرے بعد جلد آنا
تجھ کو قسم اپنی کافری کی — سوگند تجھے ستم‌گری کی
عاشق کو نہ اپنے کر فراموش — خالی ہے ترے بغیر آغوش

یہ ندا ہوش ربا وہ مبتلا سن کر بہ حالت ششدر کہنے لگی : شعر

جان باختہ کیسی یہ ندا ہے
سن کر جسے جی ہی سُن ہوا ہے

المدعا وہ رشک پری ، بہ حالت بے صبری اپنے مکان دلستان میں جا کر زینت بخش ہوئی، لیکن اسی دن سے یہ حالت پُر ملالت بہم پہنچی کہ وہ جو عارض ، رشک دانۂ انار، رخ گل پر طعنہ زن تھے ، سو کاہش غم سے بسان سیب زرد ہو گئے اور بقول

میر حسن :

ابیات

وہ آنکھیں جو روئیں تھیں بس پھوٹ کر
تو گویا تھے موتی بھرے کوٹ کر
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
دُر اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے

غرض وہ نازنینِ اندوہگین اپنی بے قراری اور آہ و زاری سے تنگ ہو کر دم بہ دم کسی کا یہ شعر پڑھتی تھی : شعر

دو روزہ دوریٔ آں یار جانی می کشد ما را
بیا اے مرگ ورنہ زندگانی می کشد ما را

اور کبھی اپنی تنہائی اور نا شکیبائی پر یہ مطلع مصحفی کا پڑھتی تھی : مطلع

مریض عشق را کس از پئے تسکیں نمی آید
اجل از بیم بدنامیش بر بالیں نمی آید

اور کبھی بہ حالت جاں کنی کہتی تھی ، اجل پُر دغل کیا کرے، بقول شخصے :

بیت

فراق یار چناں زار و ناتوانم ساخت
کہ بارہا اجل آمد و مرا نہ شناخت

القصہ اس عرصے میں روز عید سعید بعد عرصۂ بعید پدید ہوا ۔ ہر ایک خواص خاص اور بیگمات محل بے خلل اپنی اپنی آرائش میں مصروف و مالوف ہوئیں لیکن وہ ماہ بحال تباہ اپنے عاشق جاں دادہ کے فراق میں یہ مطلع مصحفی کا پڑھتی تھی: مطلع

تری دوری سے اے پیارے یہ دل پر درد اور غم ہے
کہ روز عید بھی گویا ہمیں ماہ محرّم ہے

اور ادھر ، بادشاہ عالم پناہ نے خلعت فاخرہ تن پر آراستہ و پیراستہ کرکے وہ جیغہ دل کشتۂ زہر جفا کا سر پر چڑھا کے برائے ادائے دوگانہ نماز عیدالاضحیٰ سوار ہوا ۔

الحاصل بعد فراغ نماز دوگانۂ عید مذکور ہر ایک سے نذریں لے کر خلعت سے سرفراز و ممتاز فرما کر محل سرا میں داخل ہوا ۔ وہاں بھی ہر ایک بیگم طبق جواہرات برائے تصدق و نذر لا کر موجود ہوئی ۔ قضا را شیریں با دل غمگیں نذر معمول مع نقد جان ہاتھ میں لیے شہنشاہ کے آگے جو آئی : شعر

تو پھر میں کیا کہوں اللہ اللہ !
عجائب طرح کا ہے ماجرا آہ !

کہ یکایک دل مقتول اپنے قاتل کو غافل سمجھ کر مثل مرغ نیم بسمل جیغے سے تڑپ کر جدا ہوا اور اس کے قدموں کے آگے گر پڑا ۔ اس میں شیریں با دل حزیں چاہتی تھی کہ اس بلیّات پُر آفات سے بھاگ کر الگ ہو، اتفاقاً پائے حنائی کی جو اس کو ٹھوکر بے خبر لگ گئی تو لعل بے بہا اپنا خوں بہا لے کر

مثل دریائے خون بہہ گیا اور جوئے خون سے یہ آواز خدا ساز سرزد ہوئی : شعر

بہا خوں ہو کے دل زخمی دوبارا
یہی تھا خوں بہا صاحب ہمارا

یہ ندا ہوش ربا اس خونیں جگر کی شیریں اندوہ‌گیں نے سن کر گریبان کو تا بہ دامان مثل گل چاک کیا اور مانند سنبل بالوں کو پریشان کر کے با دیدۂ پُر خون اس سیل خون پر بیٹھ گئی اور بقول ظہور : شعر

یہ کہہ کر اپنے سر پر ہاتھ مارا
میں آئی جس کو تھا تو نے پکارا

کہ یکایک جذبۂ عشق نے اس کو بہ رنگِ شمع جاں‌گداز ایک‌بار بہا کر اس سیل خون سے ملا دیا تو اس وقت آن دونوں کا یہ رنگ ظاہر ہوا گویا لعل اور مروارید کا دریا نمایاں ہے ، یا شفق شام سفیدیٔ سحر سے دست و گریباں ہے ۔ غرض بقول میر تقی : شعر

محبت نے کام اپنا پورا کیا
کہ ان دونوں لعلوں کا چورا کیا

یہ واقعۂ حیرت افزا ، غم انتہا ان دونوں کا وہ بادشاہ دیکھ کر یکایک بحرِحیرت میں غرق تا فرق ہو کر کہنے لگا :

بیت

دیکھا نہ سنا تھا یہ تماشا
اے وائے جوہم نے آج دیکھا !

اور اس کی ہمجولیاں با دیدۂ گریاں بہ صد تأسف یوں گویا تھیں :

مثنوی

گو تیری یوں ہی لکھی تھی جانی
افسوس مگر تری جوانی

ہر دم ہے ہمیں یہی پریکھا
کیا تو نے ابھی جہاں کا دیکھا

مرنے سے ترے تمام گھر میں
کُہرام ہے صبح و شام گھر میں

ہر سمت سے ہے یہ صدا آتی
شیریں ترے بن ہے جان جاتی

مہجور غرض ہر ایک عورت
کرتی تھی الم میں اس کے رقت

اور جس نے سنی نئی یہ روداد
کرنے لگا وہ بھی آہ و فریاد

آگے نہیں اب قلم کو طاقت
اس غم کی لکھے جو سب حقیقت

داستان

ایک شخص طوائف پر عاشق ہوا اور محفل رقص میں تپنچہ مار کر آپ کو ہلاک کیا ۔ اس جوان پُر ارمان کے مرنے کے بعد جذبۂ عشق سے وہ طوائف بھی فوت ہوئی

کاتبانِ دست و قلمِ بے کار اور محرّرانِ سینہ و دل فگار اس افسانۂ جگر سوز اور قصۂ غم اندوز کو محفل بیان میں یوں

جلوہ‌گر کرتے ہیں کہ ایک جوانِ پُر ارمان ، نہالِ باغِ جوانی ، گلِ حدیقۂ کامرانی ، یوسف ثانی ، زلیخا طبیعت ، مجنوں صفت ایک کسبی رشک لیلیٰ پر اس قدر مبتلا تھا کہ اس کو بقول مروت :

نہ اندیشۂ پا نہ اندوہِ فرق
شب و روز دریائے وحشت میں غرق

لیکن وہ کسبی غیرتِ لیلیٰ جس محفلِ عالی منزل میں برائے رقص جاتی تھی ، وہ جوانِ دل پریشان بھی اس شمع رو کے ساتھ مانندِ پروانہ رہتا تھا اور جو کوئی یاروں، رشتہ‌داروں، غم‌خواروں میں چرب زبانی سے کہتا کہ اے چراغ بزم محبت و اے سراجِ دودۂ الفت ! تو اس شمع رو نیک خو سے لگن لگا کر کیوں اس شکل سے گریاں رہتا ہے ؟ تو وہ جگر سوز ، غم اندوز بقول گنا بیگم یوں کہتا : شعر

شمع کی طرح کون رو جانے
جس کے دل کو لگی ہو سو جانے

المدعا وہ ماہ لقا ، دل افروز ایک روز مجرے کو کسی دولت مند دل خورسند کے مکان دلستان میں‌گئی ؛ وہ عاشق جاں نثار پروانہ وار بھی اپنی شمع رو کے ہمراہ اس محفل میں پہنچا ۔

قصہ مختصر وہ ماہ پیکر، زہرہ جبین بہ صد تمکین ناچنے کو کھڑی ہوئی تو اس وقت کا عالم کیا بیان کروں : شعر

کھڑی بھرتی تھی اس طرح سے گت
جس طرح سے ہو برق کو حرکت

اور ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کے اور گردن کو خم دے کر جو بہ صد ناز و انداز آگے چلتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بے دل کا دل وہ سنگ دل دونوں ہاتھوں میں ملتی ہے

اور جو ساعد سیمیں ، رشک شاخ نسریں کو بالائے سر لے جا کر پنجۂ رشک مرجاں کو جنبش دیتی تھی تو یوں ظاہر ہوتا تھا بقول جرأت : شعر

خریداروں کو کہتی تھی کہ تم جاؤ
متاع حسن کا ہے اب بڑا بھاؤ

اور کبھی وہ مہ رُو شعلہ خُو جو دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کو سر سے آگے کھینچ کر بہ صد خرام ناز چلتی تھی تو یوں دکھائی دیتا تھا کہ گویا ماہ تاباں زیر سائباں آگیا ہے اور بقول میر حسن کیا کہوں : شعر

وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ
دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا
نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دوپٹے کو کرنا کبھی منہ کے اوٹ
کہ پردے میں ہو جائیں دل لوٹ پوٹ

اور گانے کا احوال پُرملال کیا بیان کروں! اگر تان سین ہوتا تو اس کی تانِ دل ستان پر خیال کر کے علم موسیقی سے دست بردار ہوتا ، غرض بقول میر حسن :

ابیات

عجب تان پڑتی تھی انداز سے
کہ ہر تان بے کل تھی آواز سے
وہ تھی گٹکری یا لڑی نور کی
مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی

اور اس کے ساتھ کے سازندوں کا اس قانون سے ساتھ تھا کہ جن

کی سارنگیوں کی آواز خوش انداز پر عاشق‌زار، دل‌فگار، کمانچۂ الم سے گلا کاٹتے تھے اور دست وحشت سے گریبان تا به دامان تار تار کرتے تھے، اور طبلچی کی گمک پر اس بزم میں دائیں بائیں کے لوگ عالمِ حیرت میں بھچک بیٹھے تھے، اور من چنگ خوش آہنگ کی آواز اس قدر خوش آیند تھی که ہر خوش لہجه کے منه پر قفل خاموشی لگ‌گیا تھا، لیکن اے یار! وہ جوانِ دل پریشان محفل کا یه عالم دیکھ کر دل میں کہنے لگا که سچ تو یوں ہے که ''سرود به مستاں یاد دهانیدن'' اس کو کہتے ہیں، اور کبھی اس شمع رو کے رُو برُو جا کر با آہِ جگر سوز وہ غم اندوز زبانی قاصر یوں کہتا : شعر

کیا سوز جگر اپنے کی تحریر کروں میں
جل جائے زباں وونہیں جو تقریر کروں میں

لیکن بقول میر تقی :

مثنوی

دل تـڑپتـا ہے متّصل مـیرا
مرغ بسمل ہے یا کـه دل میرا
بے کلی جی کـو تاب دیتی ہے
طـاقت دل جـواب دیتی ہے
اب ٹھہرتـا نہیں ہے پـائے ثبات
ایک میں اور ہـزار تصدیعـات

یه احوال پُر ملال اس جوانِ خسته حال کا وہ آئینه رُو نیک‌خو سن کر نہایت مکدّر خاطر ہوئی اور به غرور کبریائی اُس کے چہرۂ آرزو کو غازۂ مراد سے آراسته نه کیا ۔ پھر تو وہ جوان خسته جان کسی کا یه قطعه زبان پر لایا :

قطعہ

درد دوری کا مبتلا جانے
دلِ بے درد کی بلا جانے
جو گزرتی ہے جان پر میری
میں ہی جانوں ہوں یا خدا جانے

ایک لحظے کے بعد وہ برق رفتار ، تیز گفتار ایک بار مرقص کرتے کرتے جو آگے بڑھ کر پھر پیچھے ہٹی تو وہ جوان پریشان اس کے گوش کے قریب جا کر بقول مسرور یوں کہنے لگا :

اشعار

صبر کی اب تو نہیں طاقت مجھے
ایک دم دشوار ہے فرقت مجھے
صدمۂ ہجراں سے گھبراتا ہے دل
کب تلک چھاتی پہ رکھوں غم کی سل
زندگی میری ترے ہی ھاتھ ہے
تجھ کو مُردے کو جلانا بات ہے

یہ سخن اس خستہ تن کا وہ حور لقا، ماہ سیما مسموع کر کے بہ نازِ معشوقانہ و بہ اندازِ محبوبانہ کہنے لگی : شعر

یوں ہی سب کہتے ہیں ہر جا عشق میں
پر کوئی مرتے نہ دیکھا عشق میں

یہ سخن اس شمع انجمن کا سن وہ تفتہ جگر، کشتۂ تیغ الفت، مذبوح خنجر محبت اپنے پیٹ میں آپ تپنچہ مار کر یوں حرف زن ہوا : شعر

وہ جو عاشق ہیں سو اس طرح سے مر جاتے ہیں
جس طرح جان سے ہم اپنی گزر جاتے ہیں

یہ کلام رقّت التیام زبان پر لا کر وہ غم ناک آغوشِ حسرت میں عروس غشی کو لے کر بسترِ خاک پر غلطیدہ ہوا اور روح نفسانی و حیوانی پیالۂ تن سے رنجک کی طرح اڑ گئیں ، اور فرزول[1] حواس کا کندہ دماغ سے گر پڑا ، اور کمانی تاب و طاقت کی دست غم سے ٹوٹ گئی اور نال قالب حرارت غریزی سے خالی ہونے لگی اور قبّہ حیات پُرصفات کا دست قضا سے چھوٹ گیا، اور گز آہ و نالے کا فردِ خنجری میں تنگی کرنے لگا۔ یہ واقعۂ حیرت افزا وہ رشک لیلیٰ دیکھ کر وہیں مجنوں وار بے قرار ہو گئی اور اس جوان نیم جان کو اپنے زانو پر رکھ کر یہ اشعار آبدار بہ شکل سوگوار زبان پر لائی :

مثنوی

اے عاشق جاں نثار میرے !
وے مونس غم گسار میرے !
اے کشتۂ تیغ ابروئے من !
وے مائل چشم جادوئے من !
اے شمع دودمانِ الفت !
وے بلبل بوستانِ الفت !
کیا تیرے یہ جی میں ہائے آئی
جان اپنی جو تو نے یوں گنوائی
صدقے ترے وقت واپسیں کے
صدقے ترے نالۂ حزیں کے
منہ کی ترے مردنی کے صدقے
جانی[2] تری جاں کنی کے صدقے

---

۱ ۔ یہ لفظ مبہم ہے ، فارسی لغات میں صرف 'فرگل' پایا جاتا ہے ۔
۲ ۔ نسخہ مطبوعہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ ھ میں 'جان کی' ہے ۔

مر جائے گا تو جو کوئی دم میں
تو میں بھی مروں گی تیرے غم میں
بے تیرے مری یہ زندگانی
کس طرح کٹے گی یار جانی
مرنا ہی مرا غرض بجا ہے
یہ شعر کسی نے سچ کہا ہے

شعر

دل می طپد از غم نہانی اے بے تو حرام زندگانی

یہ ابیات پُرنکات وہ نازنین اندوہگین اس کے لاشۂ جگرخراش پر پڑھ رہی تھی کہ یکایک اس رُوداد بے داد کا غل بے تامل جو اٹھا تو اس محفل رشکِ بزمِ اندر کا احوال پُر ملال کیا لکھوں، بقول میر حسن : شعر

خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا
ورق کا ورق سب وہ برہم ہوا

اس عرصے میں اس جوانِ نیم جان کے خویش و اقربا کو یہ خبر وحشت اثر جو پہنچی تو ہر ایک بے حواس و پُر ہراس اس کسی کے پاس آ کر بقول میر تقی :

اشعار

ایک آسے تیر سے ڈراتا تھا
کوئی برچھی آسے دکھاتا تھا
ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر
ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر

اے یارو! اس فسوں ساز و جادو طراز نے خنجر ناز اور تیغِ انداز سے دیکھو تو کیسے نوجوان پُر ارمان کو قتل کیا

ہے ، تو اب اپنے نزدیک :

نظم

قتل کرنا ہی اس کا بہتر ہے
آج مرنا ہی اس کا بہتر ہے
کیوں کہ یہ برملا ستم ایجاد
کرتی ہے عاشقوں کے گھر برباد

یہ گفتگو دو بدو ہر ایک تند خو عربدہ جو کی وہ نگار سن سن کر اپنا سر ہر ایک کے پاؤں پر رکھ کر کہتی تھی :

نظم

قتل کا میرے گر ارادہ ہے
تو بھلا اس میں دیر پھر کیا ہے
ہاتھ کھینچو نہ قتل کرنے سے
زندگانی ہے میری مرنے سے
میری غیرت کو یہ نہیں ہے قبول
میری الفت کو یہ نہیں ہے قبول
کہ میں جیتی رہوں، یہ مر جائے
کیوں کہ بے یار زندگی بھائے
یہ نہیں چاہتی طریقت عشق
طعنہ زن مجھ پہ ہو حمیّت عشق

یہ سخن دل شکن اُس نازنین اندوہ‌گین کا وہ جوان نیم جاں عالم نزع میں سن کر ہر خویش و برادر اور یار و یاور سے کہنے لگا کہ اے بھائیو! جو کوئی اس مہ جبین غم‌گین کو کچھ کہے گا ، واللہ‌باللہ میں چاک گریبان اس کا بروز جزا دامن گیر

ہوں گا :

اشعار

کیوں کہ اس نے مجھے نہیں مارا
یہ چترتر قضا کا ہے سارا
اس میں اس کی بھلا ہے کیا تقصیر
چاہتی تھی مری یو نہیں تقدیر
سچ ہے قسمت میں جو کہ ہے لکھا
وہ کسی شکل سے نہیں مٹتا[1]

یہ کلام وہ ماہ تمام، تمام نہیں کہنے پایا تھا کہ بات کی بات میں تمام ہو گیا ۔

یہ واقعۂ رقت انتما، حیرت افزا وہ کسبی رشک لیلیٰ دیکھ کر مجنوں وار زار زار مثل ابر نو بہار رونے لگی، اور سر پر جو بال سراسر غیرت سنبل تھے، ان کو دست الم سے نوچ نوچ کر صبا کے حوالے کیے، اور عارض جو رشک گل ورد تھے، ان کو مارے تھپڑوں کے لالہ ساں پُر خون کیا، اور گریبان کو مثل گل بالکل چاک کر کے صبح محشر پر طعنہ زن ہوئی اور گاہے اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر کہتی : شعر

کس روز ترے رو سے سرخ رو ہوں
مجرم ترے منہ سے مُو بمُو ہوں

اور کبھی اس کی پیشانی ماہ ثانی سے اپنی پیشانی رگڑتی اور یہ کہتی ''اے نیرِ سپہرِ غیرت و اے مہرِ چرخِ الفت! سچ ہے : مصرع

پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ مہدی ۱۳۱۱ھ میں 'ٹلتا' ہے ۔

یہ آفت رسیدہ ، دل طپیدہ تو اس طرح زار و نزار تھی لیکن اس جوانِ نیم جان کی مادر مضطر جو ڈولی پر سوار ہو کر آئی تو بے اختیار منہ پر دوہتڑ مار مار کے یوں کہنے لگی :

مثنوی

اے رونقِ گلشنِ جوانی
وے زینتِ باغِ کامرانی
مرنے کے ترے ابھی نہ تھے دن
پورا نہ ہوا تھا بیس کا سِن
کیا جی میں ترے یہ آئی بیٹا
جو خاک میں با فراغ لیٹا
کس سے ترے غم کی بات ہیہات
ظاہر کروں آہ میں پُر آفات
اس پیرِ فلک کو ہائے جانی
بھائی نہ تری یہ نوجوانی
مرنے کو تو سب جہاں مرے گا
پر کوئی نہ یوں جواں مرے گا
افسوس کہ تو نے جان دے کر
برباد کیا مجھے بھی دل‌بر
بے تیرے میں جی کے کیا کروں گی
جس طرح بنے گا میں مروں گی

القصہ اس کے اقربا اہل عزا وہ نعشِ جگر خراش روتے پیٹتے جو گھر میں لائے تو پھر دوبارہ قیامت برپا ہوئی، یعنی ہر ایک کنبے کی عورت بصد رقّت بین بے چین کر کے رونے لگی :

اشعار

کوئی کہتی تھی ہائے اے بھائی
بے اجل تیری موت کیوں آئی
اس تری بے کسی کے مرنے کے
جان سے جائے یہ بہن صدقے
تو نے دنیا کا کیا ابھی دیکھا
یک بہ یک آ گئی جو تیری قضا

الحاصل اس بے دل کو تجہیز و تکفین کر کے اور غسّالوں نے لاش کو غسل دے کر کفنِ صاف میں رکھ کر ایک صندوق میں روپوش کیا ، بقول مصحفی :

نظم

تابوت پہ سبز اک دوشالا
لا کر پئے زیب و شان جو ڈالا
چادر پھولوں کی لہلہاتی
پھٹتی تھی صبا کی جس سے چھاتی
یوں سبز دوشالا تھا بہ تزئیں
جس طرح کہ آسماں پہ پرویں
تابوت کہ تختۂ چمن تھا
جس تختے پہ جوشِ نسترن تھا

الغرض اس تابوت کو سب روتے پیٹتے سوئے گورِ غریباں گریہ کناں لے چلے اور وہ کسبی رشکِ لیلیٰ بھی پا برہنہ ، با سرِ عریاں ، چاک گریباں تا داماں، افتاں و خیزاں، با آہ جاں کاہ همراہ تھی، لیکن جس بازاری کی ایک باری اس پر نگاہ پڑتی تھی بے اختیار دیدۂ گوہر بار سے گوہرِ اشک اس لعلِ بے بہا پر

نثار کرتا ۔ المطلب به صد بے قراری و آہ و زاری گورِ غریباں میں پہنچ کر نمازِ جنازہ سے فراغت کر کے جو اس کو دفن کرنے لگے تو وہ کسبیٔ غم آمادہ ، دل دادہ بھی سرِ قبرِ عاشق آ کر کہنے لگی :

اشعار

اے آشنا مرا کام اب کرو تم
مجھ کو بھی اس میں گاڑ دو تم
بے اس کے میں جی کے کیا کروں گی
میں بھی اسی قبر میں گڑوں گی
یہ میرے کہاں نصیب ، ہے ہے
جو اس کے گڑوں قریب ، ہے ہے
جو اس سے مجھے جدا کرے گا
ناحق مجھے دردِ و غم وہ دے گا

غرض اس کو ہر ایک نے بصد منت و نصیحت قبر سے جدا کر کے اُس عاشق جان دادہ کو بادیدۂ پر خون مدفون کیا ۔ بعد رسوم چادر گل وغیرہ اس کسبی رشکِ لیلیٰ کو ہر ایک نے بدیدۂ گریاں بآہ و فغاں کہا کہ اے بی‌بی! اب گھر چل ، یہاں کے بیٹھنے سے کیا حصول ، بقول قدرت اللہ :

ابیات

یاران و ہم رفیق و شفیقان و دوست دار[1]
سب آشنا ہیں زندگیٔ مستعار کے
جب مند گئیں یہ آنکھیں تو اے دوست بعد مرگ
پھٹکے ہے کون گرد کسی کے مزار کے

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ ممبئی ۱۳۱۱ء میں ’دوستاں‘ ہے ۔

لیکن وہ سوگوار ُپر اضطرار اس قدر چپ ہوئی کہ پھر کسی سے مطلق ہم کلام نہ ہوئی ۔ آخرکار ناچار سب خویش و تبار اس جوان ِجاں نثار کے گھر میں آئے اور اس نازنین اندوہ‌گین کا احوال ِ ُپر ملال مادر عاشق جاں دادہ سے بہ تفصیل اظہار کیا ۔

یہ روداد بے داد[1] اُس کی مادر مضطر سن کر بہ صد بے قراری و آہ و زاری ڈولی پر سوار ہو کر تربت ِ دل بر پر آئی اور اس کی سوگ وار غم‌گسار سے کہنے لگی کہ اے بیٹی! مجھ کم بخت ماں نے سنگ دل ہو کے پتھر چھاتی پر دھرا اور تو کس واسطے اس خاک کے ڈھیر پر بیٹھی ہے؟ اے بیٹی! اگر تیرے یہاں بیٹھنے سے وہ جی اُٹھے تو کیا مضائقہ ! میں بھی تیری شریک حال ہوں :

ابیات

ورنہ اس غم الم سے کیا حاصل
یہ مری جبان مقام ہے مشکل
اس میں چارہ نہیں کسی کو ذرا
چہ امیر و وزیر و شاہ و گدا
کوئی مرتے کے ساتھ مرتا گر
تو نہ جیتا جہاں میں کوئی بشر

از برائے خدا و بحق ِ مصطفیٰؐ، اے نور ِضیائے چشم ِامیدواراں و اے دوائے دل ِ درد منداں! اُٹھ کر میرے گھر چل ، میں تجھ کو اپنی بہو بیٹی کی جا پر رکھوں گی اور جو کچھ خدمت گاری و دل داری ہو سکے گی، بہ سر و چشم بجا لاؤں گی

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں یہ لفظ نہیں ہے ۔

کیوں کہ تیرے دیکھنے سے بیٹے کا غم پُرستم ذرا فرو ہوگا اور تیرا بھی وہاں زنان ہم‌سایہ میں قدرے قلیل دل حزین بہل جائے گا، ورنہ بقول میر حسن : شعر

وگر نہ تو رک رک کے مر جائے گی
اسی طرح جی سے گزر جائے گی

غرض ہر چند بادل درد مند اُس کی مادرِ مضطر نے اس نازنین اندوہ‌گین کو سمجھایا لیکن اُس بلبل حدیقۂ سکوت نے گلشن تقریر میں ذرا بھی زبان کو نطق سے آشنا نہ کیا بلکہ درجک دہن کو اور قفل خاموشی لگ گیا۔ الحاصل وہ بے دل پھر اپنے گھر آ کے مصروف رقت ہوئی مگر وہ نازنین اندوہ‌گین صبح و شام اُس قبر کی جاروب‌کشی کرتی اور شب کو اُس کے تعویذ کو چھاتی سے لگا کر سو رہتی اور وقت سحر پھر اُس قبر کے گرد جاروب کشی اور چھڑکاؤ سے فراغت کر کے بیٹھ کر با دیدۂ اشک بار جرأت کے یہ اشعار دل فگار چپکے چپکے پڑھتی :

مثنوی

یہ درد غم سے حال دل ہوا ہے
کہ دم لینا مجھے مشکل ہوا ہے
مری قسمت میں گر یہ دکھ لکھا تھا
تو یا رب کیوں مجھے پیدا کیا تھا
کوئی جز غم نہیں ہے غم‌گسار اب
فقط ہے بے قراری ہی قرار اب
کسی صورت سے کل آتی نہیں ہے
الٰہی کیوں اجل آتی نہیں ہے
مروں تو جائے یہ درد جدائی
الٰہی کیا اجل کو موت آئی؟

اس عرصے میں جو کوئی کبھی زبردستی سے کھانے کو کھلا دیتا تو جبراً و قہراً کچھ کھا کے چلو پانی وہ تنگ زندگانی پی لیتی، بقول میر حسن : شعر

نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش
بھرا اس کے دل میں محبت کا جوش
جو پانی پلانا تو پینا اسے
غرض غیر کے ہاتھ جینا اسے

الغرض اس جوانِ جاں دادہ کا چہلم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک روز وہ جگرسوز قبر کو سینۂ بے کینہ سے لگا کر بقول مسرور یوں کہنے لگی :

مثنوی

دیکھتا[1] جو ہے وہ کہتا ہے مجھے
پاس ننگ و نام کچھ بھی ہے تجھے
یہ بھی جینے کا کوئی اسلوب ہے
ایسے جینے سے تو مرنا خوب ہے
تنگ کرتا ہے مجھے اب اضطراب
اے اجل تو کیوں نہیں آتی شتاب
الغرض درد و الم سے وہ نگار
ابرِ بہاراں کی طرح لیل و نہار
اس قدر روئی کہ آخر مر گئی
عاشقوں میں نام اپنا کر گئی
مر گئی رو رو کے جب وہ گل عذار
دیکھ کر ہر اک رہا حیران کار

---

۱ - نسخہ مطبع مصطفائی ۱۲۶۷ھ اور نسخہ میور پریس ۱۸۷۲ء میں بھی اس مصرع کی یہی صورت ہے -

ذکر یہ آپس میں سب کرنے لگے
دیکھیے گا عشق کہتے ہیں اسے

المطلب اُس غنچہ لب کو اُس کے عاشق کی تربت کے برابر بہ صد شور و شیون دفن کیا لیکن سچ تو یوں ہے :

مثنوی

واہ رے اے عشق چالاکی تری
واہ رے اے عشق سفّاکی تری
ایک کو غیرت سے مارا اس طرح
ایک کو فرقت سے مارا اس طرح
ہر جگہ تیرے نئے انداز ہیں
عقل سے پوشیدہ تیرے راز ہیں
جس کو چاہا بات میں گھائل کیا
جس کو چاہا آن میں بسمل کیا
عاشقوں کا تو غرض سرتاج ہے
ہر کوئی عاشق ترا محتاج ہے
وصف تیرے کیا کہے مہجور اور
عاشقوں سے کوئی پوچھے تیرے جور

داستان

لکھنؤ کے قاضی زادے کا ایک ماہ رُو پر اثنائے راہ میں عاشق ہونا اور اُس دلستاں کے زیر مکان جان دینا اور معشوقۂ دل فگار کا اُس کی لاش پر مرنا

راویانِ حکایاتِ غریب اور حاکیانِ روایاتِ عجیب

شاهدِ سخن کو حجلۂ بیان میں یوں جلوہ گر کرتے ہیں کہ خلافت شاھنشاہ اکبر بادشاہ میں ایک قاضی زادہ[1] خاص لکھنؤ[2] کا باشندہ برائے سیر کوچہ و بازار ہم راہ یاران غم گسار گھر سے باھر نکلا کہ بقول میر تقی : شعر

ناگہ اک کوچے سے گزار ہوا
آفت تازہ سے دو چار ہوا

یعنی ایک ماہِ تمام ، بہ لبِ بام نظارہ کناں تھی کہ یکایک اس ذرۂ بے مقدار کی آنکھ جو اس جادو چشم سے دو چار ہو گئی تو بقول میر تقی کیا کہوں :

ابیات

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی
وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
بے قراری نے کج ادائی کی
تاب و طاقت نے بے وفائی کی

الغرض وہ نازنینِ مہ جبین تو بصد ناز و انداز منہ کو موڑ کر کوٹھے کے نیچے اتر گئی اور اس خاک بسر نے بامِ عشق کے اول زینے پر قدم رکھ کر یہ شعر قائم کا پڑھا : شعر

---

۱ - نسخہ مطبع مصطفائی اور میور پریس ۱۸۷۲ء والے نسخے میں ''خوزادہ'' ہے -

۲ - یہ مصنف کی عدم واقفیت کا اظہار ہے ، اکبر بادشاہ کے زمانے میں لکھنؤ کہاں تھا !

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

غرض وہ عاشقِ زار ، دل فگار اُس گلی میں بسترِ خاک پر بحال مضطر بیٹھ گیا اور آنکھوں کو بالائے بام بہ خواهش آں ماہ تمام مثل نرگس حیران و نگران کیا لیکن وہ ماہ جبیں رشک لعبت چین پھر کبھی سر بام آ کر جلوہ گر نہ ہوئی ۔ آخرکار اُس عاشق زار، دل فگار، جگر سوز کے ایک روز تپ فرقت کی شدت سے ہاتھ اور پاؤں مثل برد سرد ہوگئے لیکن آنکھیں سوئے بام بہ خواهش آں ماہ تمام جو نظارہ کناں تھیں ، اُن کی ٹکٹکی میں فرق نہ آیا ۔ تب تو ہر ایک عقل مند دانش مند کی عندلیب[۱] تجویز گلشن بیان میں یوں نعرہ زن ہوئی، یعنی جس سمت گل پژمردہ ، دل افسردہ کی آنکھیں مثل نرگس حیران و نگران ہیں ، اُسی مکان رشک گلستان میں اس کا غنچۂ مقصد پوشیدہ ہے ۔ اگر وہ کسی روش اس دور افتادہ ، غم آمادہ کے قریب آئے تو غالب ہے اُس کا گل مراد نسیم وصال سے شگفتہ ہو جائے کیوں کہ یہ عاشق بقول میر تقی : شعر

خار خارِ دل غریباں ہے انتظارِ بلا نصیباں ہے

المطلب اہلِ ہم سایہ نے بہ صد منّت و ساجت اُس محبوبۂ مایۂ ناز و معشوقۂ فسوں ساز کے پدر عالی مقدار سے جا کر عرض کی کہ اے معدن نجابت و اے کانِ شرافت! ایک نوجوان پُر ارمان کا خون ناحق تیری گردن پر ہوتا ہے ؛ اگر تو اپنی دخترِ رشکِ قمر کو ایک دم کے واسطے اس بے دم کے پاس بلا وسواس بھیج دے تو غالب ہے کہ اُس کا دم اس دم اپنے

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی ۱۳۱۱ھ میں یہ لفظ نہیں ہے ۔

دم ساز کو دیکھ کر سوئے عدم نہ جائے۔ یہ کلام حیرت التیام
اُس کا پدر مضطر سن کر نہایت ششدر و حیران ہوا ۔ آخرکار
چار و ناچار اُس عالی مقدار والا تبار نے دخترِ رشکِ قمر کو
مواصلت کی اجازت دی ، لیکن وہ ماہ جبین جوں ہی[1] اس
اندوہ‌گین کے قریب آ کر چشم سے چشم دو چار ہوئی ، یک بیک
قوت عشق کی بدولت اُٹھ بیٹھا اور اُس کی طرف بغور دیکھ کر
یوں کہنے لگا : شعر

کہ تجھ کو دیکھ لیں پھر ایک باری
بس اتنی ہی تمنا ہے ہماری

یہ کہہ کر وہ مضطر بستر خاک پر گر کر جان بحق تسلیم
ہوگیا ۔ یہ واقعۂ حیرت افزا اُس کی محبوب دل مرغوب ملاحظہ
فرما کے بے اختیار بے قرار ہو کر اُس کی نعش جگر خراش سے
لپٹ کر یوں کہنے لگی :

مثنوی

اے عاشق جاں نثار میرے
قربان میں عشق کے ہوں تیرے
کیوں کر نہ ملوں میں ہاتھ ہے ہے!
جی کی رہی جی میں بات ہے ہے!
اپنی نہ کہی ، سنی نہ میری
فرصت ہی نہ دی قضا نے تیری

یہ کہتے کہتے وہ مضطر خستہ جگر آخر کو آخر ہوگئی ۔
یہ واقعۂ الم افزا اس کے خویش و اقربا دیکھ کر نہایت
بے قرار اور اشک بار ہوئے لیکن صبر کے سوا کچھ چارہ

---

۱ ۔ نسخہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں یہ لفظ نہیں ہے ۔

نہ دیکھا ؛ بصد رقت اُن دونوں کشتۂ الفت کو ایک ھی قبر میں مدفون کیا :

مثنوی

خاک میں خاک مل گئی آخر
بات کہنے کو یہ رھی آخر
عشق کی یہ بھی ایک حرفت ھے
ورنہ انساں کی کیا حقیقت ھے
عشق کی داستان اے مہجور
بخدا عقل سے بہت ھے دور

دوسرا باب

بدکار عورتوں کے چرتروں میں

ایک عورت نے قید شوہر میں حیلۂ بیماری سے بڑھیا کے ہاتھ جوان مجرد کو گھڑے میں فریب جادو سے سر شوہر پر طلب کیا اور اس سے ......[1] کر کے پھر بھیج دیا اور اس کے شوہر نے کچھ دریافت نہ کیا

افسون سازانِ فصیح شعار و جادو طرازانِ بلیغ گفتار کاغذِ مکاید پر یوں تحریر و تسطیر کرتے ہیں کہ ایک جوان ذوفنون سیرت ، فیلسوف صورت، زنانِ مکار و عورتانِ کار کا احوال سن کر اپنی زنِ کم سخن کو اس طرح رکھتا تھا کہ گاھے زن عم سایہ اور پیر زن دایہ تک بھی اس نیک اساس کے پاس نہ آنے دیتا، بقول نخشبی :

اشعار

نخشبی زن فریب ھا دارد
خویشتن را ز قید او برھاے

---

۱ - یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ہے ۔

مار زهر ست از سر و تا دم
زن فریب ست از سر و تا پائے

لیکن شیخ سعدی علیہ‌الرحمہ کے قول کو نہ سمجھا :

بیت

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

غرض وہ نابکار اس غیرتِ گلزار کے پہلو میں آٹھ پہر مانندِ خار بیٹھا رہتا اور گاہے جو کسی کارِ ضروری کو بہ مجبوری جاتا تو گھر کے دروازے کو باہر سے مقفل کر جاتا ۔

قضائے کار وہ نابکار اپنے معمول سے دروازے کو قفل کر کے ایک روز کہیں کو گیا تھا ۔ اس کے بعد حسب اتفاق ایک نخود فروش بآواز ُپرخروش اس کوچے میں وارد ہوا ۔ وہ گرفتار بلا اور مبتلائے جفا چنے والے کو بلانے در پر آئی اور ایک ایک کوڑی پٹ کی دراڑ سے باہر نکال کر وہ ہم بازوئے خورشید اور ہم ترازوئے ناہید اس نخود فروش با ہوش سے کہنے لگی کہ اے مرد دانا ، ہرزہ گرد ، زمانہ نورد ! اس دمڑی کے چنے تول کر تو دہلیز کی راہ پھینک دے ۔ یہ دانا زد ناچار اشد چن کر اٹھا لے گی ۔ اس عرصے میں وہ مردک اچانک آ پہنچا اور اس نخود فروش کو در پر دیکھ کر آتش غضب سے جل ُبھن کر مثلِ گلخن بن گیا اور اس قفل کو جھڑ سے کھول کر اپنی زن کم سخن سے کہنے لگا کہ اے خاتون بد طالع و اے پیرامون اوقات ضائع ! یہ کون سی حرکت ناشائستہ تجھ سے وقوع میں آئی ! : شعر

کہیں بھی عورتیں نیکوں کی آ کر
کھڑی رہتی ہیں یوں سودے کو در پر

یہ سخن دل شکن وہ زن سن کر درجک دھن کا قفل سکوت کلیدِ زبان سے کھول کر یوں کہنے لگی کہ اے عزیز بے تمیز! تو عبث خفا ہوتا ہے۔ کہیں بھی کوئی بھلا آدمی اپنی جورو نیک خو کو قید حیات میں یوں مایوس اور محبوس رکھتا ہے۔ اور کوئی بڑی بوڑھی مجھ بے یاس کے پاس ہوتی تو خیر اجرائے کار بہر طور بند نہ رہتا اور اس کے سوا گھر کی بستی دونی نظر آتی۔ اس کے جواب میں وہ جوان بے ایمان کہنے لگا کہ ہم کو زنان وفادار کا اعتبار نہیں ہے بقول نخشبی:

قطعه

نخشبی زن سرشتۂ مکر ست پارسا سان و ماہ فکر کنند
گر بخواهد زن جفا کاره بر بدیه هزار مکر کنند

اس کلام پُر اتہام سے وہ زن کمال بدظن ہوئی اور یوں کہنے لگی کہ اے عزیز ناچیز! یہ گفتگو واہی ناحق کرتا ہے۔ حق یوں ہے کہ جو زنان مکار اور نسوان بدکار ہیں، وہ اپنے خاوندوں دانش مندوں کے ہوتے ہوئے برے فعل کرتی ہیں اور کچھ نہیں ہوتا مگر اپنی وہ مثل ہے: ''کر تو ڈر، نہ کر تو ڈر'' بقول شخصے ''شیر کھائے تو منہ لال، نہ کھائے تو منہ لال'' یہ گفتگو وہ عربدہ جو، زشت خو سن کر بولا کہ وہ اور ہی نامرد ہوتے ہیں کہ جن کی جورواں پنہاں برے رستے جاتی ہیں، اور شعور داروں کی زنوں کا کیا مقدور جو کسی سے چشم بد دور آنکھیں ملا سکیں اور خیال بد کا تو کیا ذکر ہے۔ یہ سخن وہ زن پرفن سن کر خاموش

ہو گئی مگر دل میں کہنے لگی کہ دیکھ تو مردوے تیری خبرداری اور شعور داری کس راہ سے نکالتی ہوں ۔

القصہ بعد چند روز وہ شمع شب افروز بستر نا توانی پر غلطیدہ ہوئی اور ایک باری بیماری درد جگر کی اظہار کی ۔ ہر چند اُس جوان نے اطبائے حاذق اور حکمائے صادق کو اس علیل پُر تزویر کو دکھلایا ، لیکن کسی سے اس مکار کا آزار تشخیص میں نہ آیا ، مگر ایک حکیم فہیم نے اس سقیم بے حرارت اور الیم پُر فطرت کی نبض دیکھ کر بقول شمیم اس کے شوہر شکستہ کمر سے کہا : شعر

نہ مسیحا نہ فلاطوں کی دوا ہے مرغوب
ترے بیمار کو کیا جانیے کیا ہے مرغوب

قصہ مختصر جب اس کا شوہر بے پر دعا اور دوا جا بجا کی کر چکا اور گلشن امید میں گل مقصد نسیم فرحت سے نہ کھلا تو بحالت یاس وہ بد قیاس یہ شعر زبان پر لایا : شعر

طبیب عشق را دکاں کدام است
علاج جان کند او را چہ نام است

یہ گفتگو اس کی جورو سن کر کہنے لگی ”اے جوان نادان! میری بیماری بے اختیاری کی تو نے بہت تدبیر بے نظیر کی ، لیکن کسی سے شفائے کلی حاصل نہ ہوئی ؛ خیر آنچہ گزشت گزشت ، الماضی لایذکر ، مگر اے ناکام ! ایک کام یہ بھی کر کہ مجھ گرفتار اجل کو کسی دایۂ کاملہ کو دکھلا ، کیوں کہ عورتوں کا معالجہ کچھ عورتوں سے خوب ہوتا ہے ؛ بقول آنکہ ”الجنس مع الجنس“ یہ کلام وہ نا فرجام سن کر کہنے لگا ”اے بی بی ! کیا مضائقہ، مجھ کو ہر طرح تجھ رشک حور کی صحت منظور ہے ۔

الحاصل وہ سادہ لوح تلاش بسیار اور تجسس بے شمار سے ایک پیر زن علامۂ دھر اور دلالۂ عصر کو اپنے گھر میں بلا لایا ۔ غرض اُس دایۂ کاملہ نے ہر ایک کل سے اس بے کل کو دیکھا تو کوئی کل بے کل نہ پائی ۔ یہ ماجرا حیرت افزا وہ دایۂ قابلہ دیکھ کر اُس بیمار مکار سے یوں حرف زن ہوئی کہ اے افسر مکاراں و اے رہبر بد کاراں ! تو نے آزار مکاید سے اس بے چارے کو کیوں دق کیا ھے ؟ یہ بات اس دایۂ صاحب کرامات کی سن کر وہ زن پُرفن کہنے لگی ''اے دایۂ گراں مایہ! میری بیماریٔ پُر فطرت کا یہ باعث ھے کہ اس بدبخت کو میری عصمت اور نیک بختی کا مطلق اعتبار نہ تھا ۔ ہر چند کہ مجھ دل فگار پُر آزار نے اس کی صورت کے سوا کسی نامحرم مرد کی آج تک شکل نہیں دیکھی ۔ اس بات کا خدا دانا اور بینا ھے ، مگر یہ میرے سامنے بڑا بول بولا ھے ؛ سو اس کا نتیجہ ایک ایک ذرہ دکھایا چاہتی ہوں ، اس میں کچھ کیوں نہ ہو'' یہ کلام اُس دل آرام کا وہ دایۂ کاملہ سن کر بولی کہ اے کد بانو یہ کتنی بری بات ھے ، الحال میں تیرے شریک حال ہوں ۔ غرض وہ دایہ اُس بیمار بے قرار کے پاس سے اُٹھ کر اس جوان بدگمان کے قریب آ کر کہنے لگی کہ اے عزیز ناچیز ! تو نے ایسی عورت خوب صورت ، ماہ طلعت کو یوں گھلا گھلا کے تمام کیا : مصرع

افسوس ھے صد ہزار افسوس

بقول آں کہ : شعر

طالع بد کا نہ کیوں کر پھیر ہو
ماہ رو پر جس کے یہ اندھیر ہو

اس کے جواب میں وہ جوان بدگمان کہنے لگا کہ اے

پیر زال نیک خصال ! بقول شمیم : شعر

تدبیر کوئی اب نہیں بن آتی ہے مجھ کو
وہ دیکھوں ہوں تقدیر جو دکھلاتی ہے مجھ کو

وہ دایۂ گراں مایہ کہنے لگی ''اے عزیز بے تمیز! تو ناحق اس قدر اس کی فکر کرتا ہے اور غم کھاتا ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ میں غم خوار اس بیمار کو ایک روز میں مسندِ صحت پر بٹھا دیتی ہوں۔'' اس کلام کو سن کر وہ سادہ لوح کہنے لگا : ''ازیں چہ بہتر، نیکی اور پوچھ پوچھ ! اے پیر زال، نیک خصال! مال و منال تو کیا چیز ہے ، اگر میرا نقد جان اس آرام جان کے کام آئے تو ایک بار نثار کرنے کو حاضر ہوں۔'' یہ سخن وہ پیر زن پر فن مسموع کر کے کہنے لگی کہ ''اے جوانِ نادان! اگر تو نے مبلغ خطیر اس ماہ منیر کی تدبیر میں صرف کیے ہیں تو ایک پانسو روپے اور بھی خرچ کر۔ بقول اس کے ''جی ہے تو جہان ہے'' واللہ باللہ تیری شمع شب افروز جو ایک روز میں محفل صحت پر نہ جلوہ گر ہو تو گلگیر شمشیر سے میرا سر کاٹ ڈالنا ، کیوں کہ میری بھی بیٹی کو یہی مرض ہو گیا تھا۔ غرض میں نے بھی تمام جہان کے مُلّا، سیانے، حکیم، طبیب چھانے، لیکن کسی سے میرا مطلب بر نہ آیا۔ آخرکار بہ قدرت کردگار ایک فقیر روشن ضمیر ، سیّاح بے پروا میری قسمت سے آ وارد ہوا۔ اس بندۂ خدا نے میرے حال پر رحم کر کے ایک ٹوٹکا جادو کا پانسو روپے لگا کر ایسا بنا دیا کہ اس بیمار کا آزار بالکل دفع ہو گیا۔ سو وہ ٹوٹکا میرا بیٹا اپنی جان و ایمان کے برابر رکھتا ہے۔ اگر تو پانسو روپے خرچ کرے تو ایک شب کی شب میں اس کو چوری سے لے آؤں اور تیری جورو کا آزار گراں بار دور کر کے پھر وہیں پہنچا دوں ، مگر یہ بات پُرکرامات کسی

پر ظاہر نہ ہو ، کیوں کہ میرا بیٹا نہایت بد مزاج ہے ۔ جو اس حال محال سے آگاہ ہو جائے گا تو مجھ کو جیتا نہ چھوڑے گا ۔" یہ کلام فرحت انجام وہ ناکام سن کر اس پیر زال کذب مقال کے پاؤں پر سر رکھ کر کہنے لگا ."اس بات سے تو میری جان بخشی کرے گی تو تمام عمر تیرے احسان گراں بار سے سر نہ اٹھاؤں گا ۔" اس کے جواب میں اس پیر زال کذب مقال نے کہا "کیا مضائقہ ، لیکن اس ٹوٹکے کی یہ شرط ہے کہ تو آپ اپنے سر پر اٹھا لا اور آپ ہی پہنچا دے ، کیوں کہ غیر جنس کو اس کو نہیں چھونا ۔ آگے تو مختار ہے ۔" غرض اس پیر زال کذب مقال نے جو اس سے کہا ، اس نے سب قبول بے عدول کیا ۔ بقول شخصے "مرتا کیا نہ کرتا " القصہ وہ پیر زن پر فن اس الّو کو دام فریب میں لا کے اپنے گھر میں آئی اور ایک جوان دلستان کو بلوا کر کہنے لگی کہ اے ہمایوں بخت ، عنقا رخت ، تیرے طائرِ شہوت کے لیے ایک چڑیا سونے کی میں ناچیز لے آئی ہوں : شعر

شوق سے باز کو اُڑایا کر
اور گھوڑے کو نت کدایا کر

وہ مثل ہے کہ "ہم شیر و شکر" مگر ایک مٹکے میں بیٹھ کر تجھ کو چلنا پڑے گا ۔" وہ جوان مستان موچھوں کو تاؤ دے کر کہنے لگا "اے بڑی بی صاحب! مٹکا تو کیا چیز ہے اپنی افسوں سازی سے تم ہم کو اگر آب خورے میں بند کر کے لے چلو گی تو چلنے کو حاضر ہیں : شعر

ہم نہیں ایسے جو ان باتوں سے ہٹ جاویں گے
اور اگر لڑنے کو چاہوگی تو کٹ جاویں گے

غرض وہ دلالۂ کاملہ اس جوان مستان کو گھر میں بٹھا کے پھر اس جوان بدگمان کے پاس بلا وسواس آئی۔

بیان شب : اس عرصے میں جس وقت جادوگرِ سپہر نے دیو آفتاب کو سبوچۂ مغرب میں بند کیا اور عاملِ فلک نے مجمر کہکشاں پر اسپند انجم چھڑکنا شروع کیا، اس وقت وہ پیر زالِ افسوں ساز اس جوانِ سادہ لوح کو اپنے گھر لائی اور اس بد نظر کی نظر سے پنہاں اور پوشیدہ اس جوان مستان کو مٹکے میں بٹھا کے اس سادہ لوح سے یوں حرف زن ہوئی کہ لو میاں صاحب! یہی مٹکا ٹوٹکے کا ہے، اسے اپنے سر پر آہستہ آہستہ لے چلو۔ یہ سادہ لوح بہ خوشی تمام اس کے مٹکے نافرجام کو سر پر چڑھا کے گھر میں لایا، لیکن یہ سِر نہ سمجھا کہ اس میں سراسر سرنگونی ہے۔ الحاصل اس پیر زنِ پُر فن نے اس بیمار کو بہ لباس نفیس آراستہ و پیراستہ کیا اور عطر سے معطر کر کے ہار و پان اور چنگیر و پاندان رکھوا دیے اور ہر چہار طرف اگر کی بتیاں بے پایاں روشن کر دیں۔ اس کے بعد وہ پیر زن صاحب خانہ سے یوں کہنے لگی کہ لو میاں صاحب! تم اس کوٹھری کے اندر نہ جانا کیوں کہ اس میں جان کا ضرر بے نہایت ہے۔ غرض وہ جوان بدگمان اپنی جورو سے نہایت تعشق رکھتا تھا، خیر ''سنگ آمد سخت آمد'' سمجھ کر کوٹھری کے در پر پلنگ بچھا کر بستر حماقت پر لیٹ گیا، اور آغوش دیوثی میں عروس حسرت کو لے کے سر گرمِ خواب غفلت ہوا اور ادھر اس جوان مستان نے فتیلہ کام دیو کا نکال کر چراغ بوالہوسی میں روشن کیا۔ غرض اس ابلیس پُر تلبیس نے تمام رات حاضرات خاطرخواہ کی۔

بیان سحر : اور جس وقت شب کی پیرزادی کے سر پر سے

قمر کا شیخ سدو اترنے لگا اور شہید مرد مشرق کو مؤذن خروس مصلۂ شفق پر بانگ دے دے کر بلانے لگا ، اس وقت اس پیر زن پُر فن نے اپنا ٹوٹکا جادو کا پھر مٹکے میں بند کیا اور اس سادہ لوح سے کہا کہ لو صاحب! اپنی بی‌بی کو دیکھو تو وہ آزار گراں بار کیا ہو گیا ۔ یہ کاٹھ کا الو اپنی جورو کو صحیح سالم دیکھ کر مثلِ گلِ خنداں پیرہن میں پھولا نہ سمایا اور بسان بلبل بے تامل چہچہ زن ہو کر یہ شعر مسرور کا زبان پر لایا : شعر

کیوں نہ وہ گل کی روش باغ جہاں میں شاد ہو
خانماں برباد ہو کر جس کا پھر آباد ہو

یہ عالم اس فرحت دل عشرت منزل کا وہ پیرزال بد خصال دیکھ کر کہنے لگی کہ میاں صاحب ! اس خوشی پُرفرحت میں صبح تو رخصت ہوئی جاتی ہے ۔ خدا نخواستہ اگر نور کا تڑکا ہو جائے گا تو تم کو مٹکا لے چلنے سے خفّت اور ندامت ہوگی اور مجھ بیوہ کا بیٹا چوکی خانے سے جو گھر میں آئے گا اور مٹکا نہ پائے گا تو میرے کاسۂ سر کو سنگ غضب سے توڑے گا ۔ اب ”الکریم اذا وعد وفا“ کو بجا لائیے اور اس ٹوٹکے کو جہاں سے لائے ہو وہاں پہنچا دیجیے تا ہماری تمھاری دونوں کی عزت و حرمت میں فرق نہ آئے ۔“

القصہ وہ پیر زن پُر فن وہ مٹکا سحر پُر فریب کا اس سادہ لوح کے سر پر رکھوا کر لے چلی ۔ اتفاقاً اس نور ظہور کے وقت ایک حلوائی اپنی دکان کے نیچے کڑاھی دھو رہا تھا کہ یکایک اس حلوائی خوش چشم کی نظر اس عزیز بے تمیز پر پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوان خوش اسلوب ، دل مرغوب پوشاک نفیس پہنے ہوئے سر پر مٹکا لیے سامنے سے چلا آتا ہے اور

اس کے پیچھے پیچھے ایک پیر زالِ بد خصال لکڑی ہاتھ میں پکڑے سر کو ہلاتی کھٹ کھٹ کرتی چلی آتی ہے ۔ اس کیفیت عجیب و غریب کو وہ حلوائی دیکھ رہا تھا کہ یک بہ یک وہ شخص مٹکا سر پر لیے قریب آ پہنچا ، مگر اس جا پر کڑاھی وغیرہ کے دھونے سے وہاں کی زمین پھسلنا پتھر بن رہی تھی ۔ اتفاقاً اس سادہ لوح کا پاؤں جو لغزش میں آیا تو چاروں شانے چت گرا اور وہ مٹکا فریب جادو کا ٹوٹ گیا، مگر وہ جوان مستان جھٹ آپ کو جھاڑ پونچھ کر ہاتھ میں جوتی لیے اٹھ کھڑا ہوا ، اور اس سادہ لوح کے گریبان میں ایک ہاتھ ڈال کے کہنے لگا کہ او مسخرے ! راہ‌گیروں پر مٹکا دے دے مارتا ہے ۔ وہ خدا نے خیر کی کہ کوئی ٹھیکرا مٹکے کا میرے سر پر نہیں لگا ورنہ ابھی جوتیوں کے مارے تیرا سر گنجا کر ڈالتا ۔ ادھر تو وہ جوان مستان جوتی اس کے سامنے لیے اپنی کھری کھری کر رہا تھا ، لیکن اس سادہ لوح سے کچھ نہ بن آتی تھی جو بے کھٹکے جوتی پیزار لڑتا ، اور ادھر وہ پیر زن پر فن اس جوان مستان کے اڑ تلے میں پاپوش فریب سے پاؤں خاک ہو کر دامن کو پکڑے کہتی تھی کہ میاں مجھ کو تم نے ناحق ناک چوٹی میں گرفتار کیا ۔ یہ میرا مٹکا ھیرے پنے کے مول کا بازار رسوائی میں غارت کیا ۔ میاں صاحب! میں خانہ خراب جو اس مٹکے کو کبھی ہاتھ لگاتی تھی تو میرا بیٹا مجھ کو ہمیشہ کہتا تھا کہ ”اری اس کو ہاتھ نہ لگا ، نہیں تو تیری ٹانگیں چر سے چیر ڈالوں گا ۔“ غرض یہ سادہ لوح ایک تو اس کی باتوں سے چونکتا تھا کہ جو اس کی جورو سے[1] ہو گیا تھا اور دوسرے اس بڑھیا کی زاری اور بے قراری سے روح قالبِ تن میں تنگ تھی ۔

---

۱ ۔ یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ہے ۔

الغرض اس جوان مستان کو بہ ہزار سماجت اور بہ صد منت ہاتھ پاؤں پڑ کر رخصت کیا اور اس پیر زن پُر فن کو کچھ اور زر نقد دے کر راضی کیا ، لیکن وہ حلوائی یہ رسوائی دیکھ کر کمال متعجب ہوا ، پر دل میں کہنے لگا ''یہ شعبدہ بھی نہ دیکھا تھا جو آج دیکھنے میں آیا ، مگر یہ اسرار اے یار خالی از علت نہیں ہے'' اور یہ سادہ لوح اس رسوائی اور بے عزتی کو جورو کے اچھے ہونے کی خوشی میں مطلق خیال میں نہ لایا لیکن وہ بے حیا یہ نہ سمجھا جو اس نے کہا تھا سو کر دکھایا ، مگر کسی نے سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے ۔

مثنوی

گرچہ عورت کی ذات ہے بد ذات
مرد کو چاہیے ولے یہ بات
کہ سدا ان سے الاماں مانگے
ان سے محفوظ ہی خدا رکھے
ہے اگر تجھ کو کچھ بھی عقل و شعور
قول سعدی پہ کر عمل مہجور
''زن بد در سرائے مرد نکو
ہم دریں عالم ست دوزخ او''

چرتر

ایک زن مکارہ کا اپنے آشنا کو اس کے شاگرد سمیت شوہر کے سامنے گھر سے باہر نکال دینا اور اس سادہ لوح کا کچھ دریافت نہ کرنا

محرّرانِ عبارتِ رنگین اور منشیان حقیقت نگارین کاغذ بوقلموں پر کلک گلگوں سے بہ خط گلزار یوں لکھتے ہیں کہ ایک رنگ‌ریز، رنگین وضع ، تماشا بین طبع ایک عورت ماہ طلعت کے رنگ تعشق میں نہایت شرابور تھا لیکن اس غیرت گلزار ، رشک بہار کو وہ رنگ‌ریز عشق نوانگیز انواع انواع کے رنگ کے دوپٹے اڑھا کر جمالِ خوش رنگ کی بہاریں لوٹتا اور برائے وصلت وہ بد خصلت :

نظم

کبھی پوشیدہ اُس تک آپ جاتا
کبھی فطرت سے اُس کو گھر بلاتا
غرض وہ ھجر میں ھوتا نہ دل تنگ
موصل تھا بہ ہر صورت بہ ہر رنگ

قضائے کار اس بدکار ناھنجار کو ایک روز اُس شمع شب افروز کی محفل تک جانے کی دکان داری سے فرصت ایک ساعت کی نہ ھوئی اور آتش عشق نے قرمز اشتیاق کو دیگ محبت میں جوش کرنا شروع کیا تو وہ رنگ‌ریز غم انگیز آپ کو رنگ‌ریز بریش خود درماندہ سمجھ کر ایک شاگرد امرد سے

کہنے لگا ''اے فرزند دل بند! اس دم بقول ہمدم : شعر

نہ قاصدے، نہ صبائے، نہ مرغ نامہ برے
کسے ز بے کسئی ما نمی برد خبرے

از برائے خدا و بحق مصطفیٰؐ شکل صبا تیز پا جا کر میرے محبوب دل مرغوب کو بلا لا تاکہ بقول میر حسن : شعر

ہووے نصیب جلد کہیں وصل یار کا
احوال بے طرح ہے دل بے قرار کا

الحاصل وہ شاگرد یگانہ ، آستاد زمانہ اس فاسقہ فاجرہ کے بلانے کو روانہ ہوا اور در مقصد پر پہنچتے ہی استاد نا فرجام کا پیغام بد انجام زن مکارہ کے گوش گزار کیا ، لیکن وہ آستانی اغوائے شیطانی سے شاگرد امرد کو نعم البدل سمجھ کر اس کو گوشے میں لے گئی اور دونوں ہاتھوں سے بلائیں لے کر یوں گویا ہوئی کہ ''یہ زرد رو تیرے اس چنپئی رنگ بادامی چشم پر قربان ہو گئی ، اور اس سرمئی انکھڑیوں پر مجھ تیرہ بخت کی آنکھیں ہزار ہزار بار نثار ہو جائیں ۔ اے رشک گل معصفر ! اس وقت عشرت کے شہاب سے میرے اشتیاق کو سرخ رو کر تو دل کی جان کاہی سے چمن حلاوت میں سرسبز و شاداب ہو جاؤں'' الغرض وہ رو سیاہ اس معصفر خوش رو کی صحبت سے اپنے دامن کو گل مدعا سے بھر کر لالوں لال ہو گئی اور اس طفل گلابی رخسار کی وہ حالت ہو گئی جس طرح کوئی کھار سے ایک بار رنگ کاٹ لیتا ہے اور بقول میر حسن : شعر

یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ
اب اس پر مزا تم سنو اور یہ

کہ وہ رنگ ریز دل آویز شاگرد امرد کو ادھر بھیج کر

آہ ! چشم براہ تھا اور یہ شعر عمادۃ الملک کا زبان زد تھا : شعر

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسی کی
ایسی نہ لگانا مرے اللہ کسی کی

آخر کار اس بدکار بے قرار کو صبر نہ آیا تو ایک بار تیغۂ باڑھ دار ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور غصے سے نیلا پیلا ہو کر آنکھیں شنگرفی سی نکال کے یہ کہنے لگا کہ معلوم اور مفہوم نہیں ہوتا کہ کس سبب سے وہ مردک ابھی تک نہیں آیا بقول جرأت : شعر

یا گھر ہی کو وہ بھولا یا راہ پھیر کی ہے
یارب تو خیر کیجو قاصد نے دیر کی ہے

القصہ وہ رنگ ریز محبت انگیز دروازۂ مطلب پر جو آیا تو اس فاحشۂ فاسقہ نے جلدی سے اس شاگرد یگانہ ، اُستاد زمانہ کو ایک مکان پوشیدہ میں چھپا رکھا اور اُس رنگ ریز دل آویز سے کہنے لگی کہ اے یارِ وفا دار و اے غم خوار جاں نثار ! :

نظم

خیر تو ہے مزاج ہے کیسا آج تیرا جو حال ہے ایسا
تیری آئی لگے بلا مجھ کو نت سلامت رکھے خدا تجھ کو

یہ واردات واہیات آج کیا در پیش ہے جو اس طرح تیغ بکف ، بحال عجیب مجھ بے نصیب کے قریب آیا؟ یہ بات وہ بد ذات سن کر کہنے لگا کہ ''اے غفلت شعار ، لعنت بکار ! ایک پہر کامل ہوا ہے کہ وہ شاگرد بوالعجب تیری طلب کو آیا ؛ نہ تو جواب با صواب لے گیا اور نہ تو بلا وسواس میرے پاس آئی ، اس کا کیا سبب بے موجب ہے؟'' یہ گفتگو عربدہ جو س رنگ‌ریز وحشت انگیز کی وہ فاجرہ فاسقہ سن کر کہنے لگی

''اے تو بھی نرا کاٹھ کا اُلو ہے ! کوئی بھی زن پردہ نشین مہ جبین کے قرین مرد اجنبی کو پیغام و سلام کے واسطے بھیجتا ہے ! وہ کم بخت ، زبان سخت دروازے پر آیا تھا ، دور سے ایک ڈھیلا سا مار کر بھاگ گیا ۔ مجھ کو ندامت کمال ہوئی اور ہم چشموں میں آنکھ چرانی پڑی کیوں کہ لوگوں کو دریافت ہوا ہوگا کہ یہ عورت نیک خصلت بھی کسی سے بات چیت رکھتی ہوگی ۔ اے عزیز بے تمیز ! عورت کے بلانے کو عورت بھیجتے ہیں ، کس واسطے کہ موقع اور بے موقع سمجھ کر سلام و پیغام کرتی ہے ۔ مثل مشہور ہے 'ہر کارے و ہر مردے' اور قول نخشبی کا یہی ہے : شعر

نخشبی کار ہر کسے مپسند طیبت عود از خسے ناید
مرد باید کہ کار مرد کند کار ہر کس زہر کسے ناید

یہ گفتگو دوبدو ان دونوں میں ہو رہی تھی کہ یکایک اس زن پرفن کا شوہر بے خبر سامنے سے ایک بار نمودار ہوا ۔ اس رنگ‌ریز وحشت انگیز کا طائر رنگ گلشن رخسار سے پرواز کر گیا اور بے حواس ہو کر کہنے لگا کہ ''اے کان فطرت و اے معدن فراست ! بڑا غضب پرتعب ہوا کہ اب میں جان بہ لب کیا کروں ؟'' اس کے جواب میں وہ زن پرفن کہنے لگی ''اے وحشی خود غلطیدہ اس تلوار باڑھ دار کو ننگا کر کے بشکل سودائی ادھر اُدھر دوت دبک کرتا ہوا یہاں سے کافور ہو جا ، آگے میں سمجھ لوں گی'' غرض اس رنگ‌ریز طبع تیز نے یہی کیا کہ جھٹ تلوار کو میان سے ایک بار کھینچ کر ہی دو دست کھیلتا دروازے سے باہر نکل گیا ۔

یہ ماجرائے عجیب اور وارداتِ غریب صاحب خانہ

دیکھ کر بحالت ششدر اپنی زن پُرفن سے کہنے لگا کہ ''اے بی بی! یہ کون ننگی شمشیر دست بقبضہ ، تیز رفتار ، تند گفتار تجھ سے دوبدو گفتگو کر کے یوں ایک بار فرار ہو گیا ؟'' وہ زن پُرفن اپنے شوہر بے خبر کے سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر کہنے لگی ''اے میاں! کچھ نہ پوچھو : مصرع

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت

خدا اور رسول نے تیری آج بڑی مدد کی ؛ اگر آج تیرے اوپر سے اپنی جان کو قربان کر ڈالوں یا گھر بار سب لٹا دوں تو بھی بجا ہے کیوں کہ اس مست بدسرشت کے ڈر سے ایک لڑکا کسی بھلے آدمی کا بھاگا ہوا میرے گھر میں آ کر کہنے لگا ''اے بی بی! مجھ نادان کی جان اس وقت ایک سڑی کے ہاتھ سے بچا لے، اس کا اجر تجھ کو خدا اور مصطفیٰ دے گا۔ اے میاں سنو ، اس لڑکے کو میں نے کوٹھری میں چھپا رکھا ہے۔ ہر چند مجھ سے اس سڑی سودائی نے کہا کہ وہ لڑکا کہاں ہے، مجھے بتا دے، نہیں تو تجھے اس تیغ تیز سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ یہ گفتگو عربدہ جو وہ مجھ سے دُو بدُو کر رہا تھا کہ اس میں تو جو سامنے سے نمودار و آشکار ہوا ، نہیں معلوم اس بوم کو کیا خوف و خطر تیرا آیا کہ جو وہ یہاں سے بکتا جھکتا دفع ہو گیا۔''

یہ واردات وہ اُلو اُس کی زبانی سن کر کہنے لگا کہ اے بی بی ! وہ لڑکا خوف و خطر کا سہما کہاں ہے ؟ وہ زن مکار بدکار کہنے لگی ''اے میاں! اس کوٹھری کے درمیان پنہاں ہے۔'' غرض وہ سادہ لوح اس لڑکے کی جبین و ابرو کو بوسہ دے کے کہنے لگا ''اے نازنین مہ جبین! تجھ کو خدا نے

آج بڑی آفت سے نجات دی ۔ سچ تو یوں ہے کہ ''جس کو خدا رکھے اُس کو کون چکھے'' حاصل کلام اس بدانجام نے اُس طفل کو آب و طعام سے سیر کر کے بصد تشفی و تسلی رخصت کیا اور یوں کہا کہ اے بیٹا ''ایں خانہ خانۂ شماست'' جب تمھارا جی چاہے بے تکلف چلے آنا ؛ اور اپنی زن مکار بدکار سے کہنے لگا کہ اے زن وفا دار ! اس طفل دلدار کو تو بھی ذرا چھاتی سے لگا کر پیار کر لے تاکہ اس کے دل سے خوف و خطر نکل جائے ۔''

مثنوی

جو ایسے نہ ہوں بے حیا مسخرے
تو کیوں ان کی جورو نہ ایسا کرے
غرض ایسی زن سے خدا کی پناہ
جو شوہر کے ہو سامنے بد نگاہ
خدا اُس کو اندھا کرے قہر سے
بہ ذلت نکالے و یا شہر سے
تری بات مہجور سچ ہے تمام
و لے شیخ سعدی کا سن یہ کلام
''ز بے گانگاں چشم زن کور باد!
چو بیروں شد از خانہ در گور باد!''

چرتر

ایک شخص نے کئی دفتر عورتوں کے مکر و فریب کے لکھ کر اپنے پاس رکھے تھے، ایک دن ایک عورت نے ایسا چرتر کیا کہ اس نے کبھی دیکھا نہ سنا تھا

دبیرانِ سخن سنج اور محررانِ بے رنج یہ حکایتِ پُر ندرت بہ صفحۂ حریر یوں تحریر و تسطیر کرتے ہیں کہ ایک عزیز با تمیز نے زنان حیلہ ساز اور عورتان دغاباز کی مذمت میں چند دفتر چرتر کے اس واسطے تحریر و تسطیر کیے تھے کہ ان کے پڑھنے سے کوئی رنڈی بدکار، نا ھنجار فریب پیش نہ لے جاوے اور ھمیشہ زن مکارہ و بدکار کو میں ھی ھر ایک قاعدے سے زیر و زبر کیا کروں، لیکن قول نخشبی کو نہ سمجھا :

نظم

نخشبی مکر در زنان پید است تا نہ دانی تو سہل عذر زنان
گر نویسد کسے ز شغف دروں صد سفینہ شود ز مکر زنان

اتفاقاً وہ عزیز با تمیز ایک شہر نو آباد مینو سواد میں جو گزرا تو ایک مکان جنت نشان میں مقیم ھوا لیکن اس کے قریب ایک محل بے بدل کے دریچے میں ایک عورت خوب صورت، پُر فطرت بیٹھی تھی۔ اس میں ناگاہ اس کی نگاہ جو اس جوان نادان کے اسباب پر پڑی تو کیا دیکھتی ھے کہ اور تو اسباب انتخاب بے حساب ھے لیکن کتابیں کچھ حد سے افزوں

ہیں۔ یہ احوال کثیر الاختلال وہ ماہ لقا باوفا ملاحظہ کر کے خاموش ہوگئی ، لیکن اُس جوان نادان کو ایک کنیز جان عزیز سے بلوا کر کہنے لگی ''اے عزیز با تمیز ! تیرے اسباب انتخاب میں جلد ہائے کتاب بے حساب جو ہیں ، اس کا کیا موجب ہے ؟'' یہ کلام وہ خود کام سن کر کہنے لگا کہ ''یہ کتابیں زنان فاجرہ و فاسقہ کے مکر میں میں نے تحریر کی ہیں کیوں کہ اُن کی ذات نہایت قسم واہیات سے ہے ، بقول عنایت اللہ : شعر

عزیزاں را کند کید زناں خوار
بہ کید زن بود دانا گرفتار''

یہ گفتگو وہ زن بدحواس عزیز با تمیز کی سن کر کہنے لگی ''صاحب اب آپ پوشاک بے باک اُتار کر آرام فرمائیے ، یہ پلنگ خوش رنگ موجود ہے ، دو چار گھڑی کے بعد تشریف شریف اپنے مکان دلستان پر لے جائیے گا'' الحاصل اُس رو سیاہ کے ہمراہ شراب نوشی اور ہم آغوشی میں وہ جوان انجان مصروف و مالوف ہوا۔ اس عرصے میں اس کا شوہر بے خبر در پر آواز دہ ہوا تو اس زن پُرفن نے ایک کنیز با تمیز سے کہا ''اری فلانی! دروازہ کھول دے ، میاں صاحب آتے ہیں۔'' وہ جوان نادان کہنے لگا ''بی بی صاحب! اب میں کہاں جاؤں'' اُس زن پُرفن نے کہا ''اس صندوق مضبوط میں تم جا بیٹھو ، میں اوپر سے قفل دے دوں گی ، تمھارا پردہ فاش نہ ہوگا'' وہ جوان نادان صندوق میں جا کے مخفی ہوا اور صاحب خانہ نے گھر میں آ کے دیکھا تو عجب ماجرائے حیرت افزا ہے۔ کہیں تو دستار رشک بہار رکھی ہے اور کہیں جامۂ گھیردار مردانہ پڑا ہے اور کہیں سپر اور تلوار اعجوبہ کار رکھی ہے اور شراب ناب کے شیشے مع گلاس زرنگاری بصد تیاری جلوہ نما ہیں۔

یہ نقشہ اپنے گھر کا وہ حیرت زدہ دیکھ کر اپنی زن پُرفن سے کہنے لگا ''ارے یہ کیا واردات واھیات ھے ؟'' وہ زن پُرفن جواب دہ ھوئی ''میاں صاحب ! ایک جوان مہمان آیا تھا ، سو اُس کے واسطے یہ سامان بے پایاں مہیا کیا تھا '' صاحب خانہ یہ سخن دل شکن سن کر کہنے لگا کہ وہ جوان بے جان کہاں ھے؟ اُس عورت پُر فطرت نے کہا ''اس صندوق میں پنہاں ھے ، اس کو کھول کر دیکھ لو'' ، جوں ھی اُس نے اُس صندوق کی کنجی زن پُرفن کے ھاتھ سے لی کہ یکا یک وہ عورت پُر فطرت کہنے لگی ''اے جان مرا یاد ترا فراموش'' واللہ تجھ با ھوش کو کس فطرت سے آج بہلایا ھے کہ تجھ کو عمر بھر یاد رھے گا'' اور لونڈی سے کہنے لگی ''اے کنیز عزیز! یہ سپر و شمشیر اور پوشاک مردانہ جس بے گانے کی لائی ھے ، اُس کو پہنچا دے'' بخدا یہ بت جاں فزا اگر یہ فطرت پُر حیرت نہ کرتی ، نہ بازی لے جاتی ۔ اس گفتگو دو بدو سے اُس اُلو کو اُس نے ایسا خاموش کیا کہ اس کا قفل سکوت کلید تقریر سے، نہ وا ھوا اور وہ نوجوان نادان صندوق فطرت میں پنہاں کا پنہاں رھا ۔

آخر کار وہ زن مکار پھر شوھر بے خبر سے کہنے لگی کہ آج میرے سر میں درد اس قدر ھے کہ جس سے سراسر دل کو الم ھے ، کسی حکیم فہیم سے اس کی دوا پوچھ آ تو اس درد واھیات سے نجات پاؤں کیوں کہ بقول میر تقی : شعر

درد سر کا پھر پھر ھے اب　　زندگانی ھی درد سر ھے اب

وہ اُلو اس دام فریب میں آ کر باھر دوڑا گیا اور اُس کے بعد وہ زن پُرفن صندوق کو کھول کر کہنے لگی ''کیوں جی

یہ بھی چرتر تمھارے دفتر ابتر میں لکھا ہے یا نہیں؟" غرض اُس جوان نادان نے اُس کا چرتر خوش تر دیکھ کر وہ دفتر ناکام تمام دریائے حیرت میں ڈبو دیا اور یہ قطعہ نخشبی کا زبان پر لایا :

قطعہ

نخشبی زن بہ جملگی مکر ست
نیست خالی زمانہ از تلبیس
کید و مکرے کہ از زناں آید
ناید آں ہیچ وقت از ابلیس
سچ ہے مہجور فرقۂ نسواں
ہے عجائب طرح کا میری جاں
ان کے مکروں سے ہے خدا کی پناہ
گھر کے گھر ان سے ہو گئے ہیں تباہ

چرتر

ایک شخص تاجر نے عیاشی کے واسطے دلالہ کے ہاتھ عورت کو طلب کیا اور دلالہ نادانستہ اسی کی جورو کو اُس کے پاس لے گئی اور عورت نے ایسا حیلہ کیا کہ وہ شخص آپ نادم ہوا

تجارانِ جنسِ معانی اور خریدارانِ متاعِ خوش بیانی یہ حکایت بیش قیمت و دل پذیر بہ بازار تقریر یوں بیان میں لاتے

هیں کہ ایک سوداگر پری پیکر برائے سوداگری براہ تری کسی ملک کو روانہ ہو گیا تھا اور اُس کے بعد گھر والی بی‌بی[1] مصروف بہ عیش و عشرت ہوئی ۔ بعد مدت مدید و عرصۂ بعید اس سوداگر نے سفر سے آ کر اپنے شہر کی کاروان سرا میں داخل ہو کر ایک پیر زن پُرفن کو طلب کیا اور یہ سخن زبان پر لایا کہ ''اے پیر زال نیک خصال! میرا جی چاہتا ہے کہ چند روز دل افروز اس شہر مینوچہر میں رہ کر زندگی کی حلاوت اٹھائیے کیوں کہ بقول فہیم: شعر

دم کا یہ مہماں ہے دم جو دم ہے سو غنیمت ہے
زیست نظر آتی ہے کم جو دم ہے سو غنیمت ہے''

یہ کلام اس عالی مقام ، نیک انجام کا وہ پیر زال کذب مقال سن کر کہنے لگی کہ ''اے سوداگر ، پری پیکر رشک قمر ، مہر انور ! تیرے واسطے ایسی پری رخسار ، غیرت گلزار ، شعلۂ نور ، رشک حور لاؤں ، بقول مصحفی : شعر

کیا حسن سے اس کے ہو خبر اهل زمیں کو
سورج نے بھی دیکھا نہ ہو جس پردہ نشیں کو

یہ گفتگو وہ بدخو سوداگر سے کر کے نادانستہ اس کی جورو ماہ رُو دل فریب کے قریب آ کے کہنے لگی ''اے ماہ تمثال خوش حال! تیرے واسطے ایک شکار فربہ اور تیار لائی ہوں ۔ اُس کو اپنے دام فریب میں لا کر طائرِ دولت اور کبوتر حشمت کو شوق سے اُڑا ، یعنی ایک سوداگر ملک التجار مال دار کسی شہر کا تیرے ملک میں صادر و وارد ہوا ہے ؛ سو اس کی یہ خواهشِ دل ہے کہ کوئی عورت خوب صورت ہو تو اس سے

---

۱ - یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

چند روز اس شہر فرحت اندوز میں اوقات بسر کیجیے ۔ سو اے ماہ لقا ، باوفا! میں نے تجھ کو تجویز کیا ہے ؛ اگر مزاج وہاج میں آوے تو اس امر میں تامل نہ کر ، بقول شخصے : ع

درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"

یہ کلام وہ بد انجام اس پیر زنِ پر فن کا مسموع کر کے کہنے لگی "ازیں چہ بہتر ۔"

المطلب وہ غنچہ لب، بہ صد زیب و زینت آراستہ و پیراستہ ایک ڈولی میں سوار ہو کر اس پیر زنِ پُر فن کے ہمراہ ہوئی ۔ رفتہ رفتہ وہاں پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس مکان دلستان میں تو میرا شوہر جلوہ گر ہے ۔ القصہ جو ان دونوں کی نگاہ ایک بار دو چار ہوئی، یکایک وہ عورت پُر فطرت چادر سر سے پھینک کر بہ صورت مہیب اور بہ حالت عجیب اس غریب کے قریب جا کر ایک دوہتڑ سر پر جڑ کے یہ سخن زبان پر لائی کہ "اے مرد بے درد! میں نے تو تیرے فراقِ پر اشتیاق میں ایک ایک روز با آہِ دل سوز ایک ایک سال کے برابر کاٹا اور تو آج اس شہر میں جو وارد و صادر ہوا ہے ، تو یہاں اس واسطے مقام ناکام کیا ہے کہ عیاشی و مزے داری بہ شوق تمام کیجیے ، "چہ خوش چرا نہ باشد" اے جھڈو ، نکھٹو ! اتنے روزوں باہر رہا اور تاحال عشق بازی سے جی نہیں بھرا جو آج کے روز یہاں ٹھہر رہا ہے ۔ اے بے حیثیت اور بے حقیقت! وہ تو مجھ کو وہیں خبر وحشت اثر تیرے داخل ہونے کی ہوئی تھی کہ جس وقت تو اس شہر میں وارد و صادر ہوا تھا ، لیکن اس بڑھیا کا خدا بھلا کرے کہ جس نے تیرے مکان بے نشان کا پتا لگا دیا ۔" غرض وہ عورتِ پُر فطرت اس احمقِ مطلق کو مارتی دھاڑتی گھر کو لے گئی :

مثنوی

واہ رے تیری عقل ، واہ شعور
نخشبی کا ہے قول سچ مہجور
''نخشبی زن کہ جنگ جُو باشد
طاقت جنگ او نہ دارد گیو
ہمہ عالم ز دیو بگریزد
از زن جنگ جُو گریزد دیو''

چتر

زنِ دھقانی بدکار ، حاضر جواب

باغبانِ گل زارِ خوش بیانی اور مزارعانِ کشت زار معانی مزرعۂ قرطاس صاف میں اس حکایت نغز کو یوں سر سبز کرتے ہیں کہ ایک زن دریدہ دھن ، دھقانی بے معنی کی بے حساب حاضر جواب تھی ؛ چنانچہ ایک روز وہ تیرہ روز اپنے شوھر گیدی خر کے واسطے ستو مثل لڈو گوندھ کر ایک رکابی میں بھر کر کشت کار پر بہار کو لے چلی لیکن اثنائے راہ میں ایک جوان نو نہال ، خوش جمال ، گندم رنگ کو دیکھ کر خرمن ننگ و ناموس کو آتش شوق سے جلا کر اس کے قریب گئی اور یوں گویا ہوئی '' اے گلِ خوبی و اے حدیقۂ محبوبی! بقول میر حسن :

نظم

غنیمت شمر صحبت دوستاں
کہ گل پنج رو زست در بوستاں

ثمر لے بھلائی کا گر ہو سکے
شتابی سے بو لے جو کچھ ہو سکے

الحاصل وہ عورت پُر فطرت اس جوان عالی شان کو دام فریب میں لا کے ایک مکان ویران میں لے گئی[1] ، اور اُدھر اُس جوان انجان نے رکابی کو شتابی جو وا کیا تو ستو مثل لڈو نظر آئے ۔ اس جوان شیریں دہن نے چالاکیٔ دست، صنعت سے اس ستّو مثل لڈو کا ایک پیل مست ، بدصورت پُرہیبت بنا کر پھر اس رکابی کو غلاف کر دیا ، اور یہ زن پُر فن بعد خلاصی عیاشی اس کے پاس سے بلا وسواس اٹھ کر اپنے شوہر کے قریب جا کر ستو کی رکابی رکھ کر چپ ہوگئی ۔ وہ خر بے دُم جو زہر مار کرنے کو بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ستّو کا ایک ہاتھی رکابی میں رکھا ہے ۔ یہ ماجرائے عجیب و غریب دیکھ کر کہنے لگا کہ ”اے المست ، عقل پست! یہ ستّو تو کیسے واہی تباہی بنا کے لائی ہے ؟“ وہ زن پُر فن بولی ”اے میاں کچھ نہ پوچھ ، آج کی شب پُر غضب میں مَیں نے یہ خواب پُر عذاب دیکھا تھا کہ تیرے پیچھے ایک فیل بد مست بدہیئت دوڑتا ہے اور تو اُس کے ڈر سے بھاگا پھرتا ہے ۔ یہ خواب پُر عذاب میں نے جو ایک بزرگ سے وقت سحر بیان کیا تو اُس نے یہ تعبیر پُر تاثیر دی کہ ایک ہاتھی ہاتھوں ہاتھ ستّو کا بنا کے اپنے شوہر بے خبر کو کھلا دے تو اُس کی نحوست پُر کدورت دور ہو جاوے ۔ اے الو! اس ستو کا یہ موجب اور سبب ہے“ ، لیکن وہ احمق مطلق یہ گفتگو جوروئے بدخو کی نہ سمجھا اور بہ خوشی تمام یوں گویا ہوا :

---

۱ ۔ یہاں سے دو جملے بر بنائے کثافت حذف کر دیے گئے ہیں ۔

مثنوی

خدا اجر اس کا بہت دے تجھے
کہ ایسی بلا سے بچایا مجھے
و لیکن نہ سمجھا وہ اس بات کو
کہ یہ پیل پُر مکر تھا تند خو
جو مہجور ایسا نہ ہوتا وہ مست
تو گھر اس کا رہتا نہ بے بند و بست
زنِ بد سے لیکن ہمیشہ خدا
رکھے حفظ میں اپنے یہ ہے دعا

چرتر

زنِ دھقانی نے ایک شخص سے[1]......کی اور سسرے کو خفت دی اور خاوند کو راضی رکھا

مزارعانِ مزرعہ حکایت اور جامعانِ خرمنِ روایت، سطحِ کاغذ پر دانہ ہائے سخن کی یوں تخم پاشی کرتے ہیں کہ ایک زنِ پر فن دھقانی بے معنی کی نہایت پُر فطرت تھی ۔ اتفاقاً وہ نافرجام ایک روز بالائے بام نظارہ کناں تھی ۔ قضائے کار ایک جوان طرح دار سے دو چار جو ہوگئی تو وہ جوانِ پر ارمان اس گندم گوں کو دیکھ کر خرمنِ صبر و شکیبائی کو بدستِ فوجِ عشق لٹا بیٹھا اور بقول میر حسن یوں کہنے لگا : شعر

صبر و قرار و ہوش و دل و جاں تو کھو چکا
اب چھوڑوں کیوں کہ تجھ کو جو ہونا تھا ہو چکا

---

۱ - یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

یہ احوالِ پُر ملال اُس جوانِ ماہ تمثال کا وہ زنِ بد افعال بہ دانائی کمال دریافت کر کے نیچے کوٹھے کے آئی اور اس جوانِ نادان کے گوش ہوش اور گردنِ رشکِ سمن کو مل کر گھر میں چلی گئی ۔ یہ جوانِ پر ارمان بعد انتظار بے شمار اپنے گھر میں آیا مگر یہ عقدہ دل میں گرہ بند ہوا ۔

المطلب ایک پیر زالِ بد اعمال سے پوچھا کہ اے پیر زال! میرے احوالِ کثیرالاختلال کا کیا بھید ہے ؟ برائے خدا سچ بتا ۔ وہ پیر زن پُر فن جواب دہ ہوئی کہ اے جوان نادان! تیرے گوش اور گردن ملنے سے اُس چشمک زنِ پُر فن کا یہ اشارہ اور ایما ہے کہ تو کسی رنڈی زاد کو میرے پاس بلا وسواس برائے پیغام و سلام روانہ کر تا میری اور تیری ملاقات ہو ۔ یہ کلام بد انجام اس پیر زال کذب مقال کا وہ جوان نادان سن کر کہنے لگا : شعر

تجھ سا غم خوار ، وفا دار کہاں پاؤں گا
اس فسوں ساز کے نزدیک جو بھجواؤں گا

غرض اس جوانِ نادان نے پیر زنِ پُر فن کو اپنی دلدار ماہ رخسار کے قریب بھیجا ۔ القصہ وہ پیر زالِ بد اعمال جونہیں اُس ماہ پارہ کے قریب گئی ، وہیں اُس نے اُس پیر زن پُر فن کا منہ خاطر خواہ سیاہ کر کے تابدان کی راہ سے نکال دیا ۔ یہ پیر زنِ دل شکن بایں صورت اس جوان سہر رفعت کے قریب جو آئی تو وہ جوان حیران و پریشان ہو کر کہنے لگا ۔ ”ہائے یہ رسوائی اور بے حیائی کیا درپیش آئی ۔“ یہ گفتگو وہ پیر زنِ بدخو سن کر کہنے لگی ۔ ”اے جوان نادان! اس کو رسوائی اور بے حیائی نہ سمجھ ، یہ اشارا سارا تیری ملاقات

بے آفات کا ہے ، یعنی اس روسیاہی اور تابدان سے نکالنے کا یہ مطلب بوالعجب ہے کہ تو بوقت شب تابدان کی راہ سے اُس کے پاس بلا وسواس جانا'' یہ سخن حیرت افگن سن کر وہ جوانِ نادان خاموش ہوگیا ۔

بیان شب : اس عرصے میں جس وقت شام سیہ فام نے سیاہیٔ شب سے رخِ خورشید کو کالا کیا اور تابدانَ کہکشاں کو سطح فلک پر نموَد کیا ، اس وقت وہ جوان ُپر ارمان تابدان کی راہ سے اُس زن مکار بدکار کے قریب گیا اور یہ شعر شمیم کا زبان پر لایا : شعر

دل کو یقیں ہوا کہ بس اب جی سے جا چکے
جب ہم تمہارے دامِ محبت میں آ چکے

. . . .[1] قضائے کار یہ دونوں نابکار ایک بار خوابِ غفلت میں بے ہوش و مدہوش ہوکر سو رہے ۔

بیان سحر : اس عرصے میں جس وقت کھیت ستاروں کا آغاز سحر سے مرجھانے اور کمھلانے لگا ، اُس وقت اس رنڈی کا سسرا ُپر دغا ایک بار کشت کار کو راہی ہوا ۔ اتفاقاً جس گوشے میں یہ دونوں خواب غفلت سے کھیت آئے تھے ، اسی طرف سے ہوکر نکلا ۔ یہ احوالِ کثیرالاختلال وہ دھقانی بے معنی دیکھ کر خاموش ہو گیا لیکن اس کے پاؤں کی گجری نقرئی اس واسطے اُتار لی کہ یہ بوقت سحر منکر نہ ہو جائے ۔ غرض وہ گجری ستھری لے کر اپنی کشت کار رشک بہار کو روانہ ہوگیا اور ادھر جو اُس زن ُپر فن کی آنکھ کَھل گئی تو اپنے حال بداعمال سے ماہر ہوئی ۔ اس جوان ُپر ارمان کو

---

۱ ۔ یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

بصد بشاشت رخصت کیا اور اپنے شوہر بے خبر کے پاس بے ہراس آ کر کہنے لگی ”اے مونسِ غم خوار اور اے جان غم گسار! آج یہ گناہ گار بے مزگیٔ طبیعت سے جہاں لیٹی تھی وھیں سو رھی اور اس وقت خواب غفلت سے میری آنکھ وا ہوئی تو میں نے اپنے پہلو میں تجھ زینت آغوش کو نہ پایا۔ اے جان جہان! اس مکان پریشان میں کیا سوتا ھے: شعر

چل اٹھ یاں سے ھمراہ میرے وھاں
میں غفلت سے سوتی تھی تجھ بن جہاں

دیکھ تو کیا خوب، دل مرغوب، ٹھنڈی ٹھنڈی، سہانی سہانی ھوا چلتی ھے، کوئی دو چار گھڑی با فراغت الگ استراحت کیجیے“ وہ الو اس غوغائی کے کہنے سے وھیں آ کر سو رھا۔ ایک گھڑی کے بعد اپنے شوھر بے خبر کو جگا کے کہنے لگی ”دیکھ یہ کیا غضب پُر تعب ھوا! کہیں یہ بھی سنا ھے کہ جس جا جورو خاوند خواب میں خورسند ھوں، وھاں سسرا بڑا بوڑھا آن کر اپنی بہو کے پاؤں کی گجری کو اپنے ھاتھ سے لے جائے: شعر

ھائے کیسا یہ بد زمانہ ھے ھے وہ بے گانہ جو یگانہ ھے

یہ کلام وہ نا فرجام اپنے شوھر ناکام سے کر کے پھر سو رھی۔

الحاصل دوپہر کے وقت اس کا خسر گھر میں آ کر اپنے فرزند دل بند سے کہنے لگا ”اے نادان، انجان! دیکھ اپنی جورو بد خو کا تماشا بے محابا کہ شب کو ایک شخص غیر کے ساتھ فلانے گوشے میں با فراغت ایسی سوتی تھی کہ یہ اس کی گجری میں نے اتاری اور اس بے خبر کو خبر نہ ہوئی۔“ یہ گفتگو

عربدہ جُو وہ بد خُو باپ کی سن کر کہنے لگا ''یہ بڑھاپے میں تجھ کو اے بوالہوس! کیا بڑبھس لگا تھا جو تو نے یہ حرکت ناشائستہ کی ۔ ارے وہ تو میرے باھم سوتی تھی ؛ چنانچہ اس نے تو مجھ کو وھیں اس بات سے آگاہ کر دیا تھا ۔ غرض تو بھی احمق مطلق ہے ۔ کوئی بھی بہو بیٹے سے یہ سوانگ کرتا ہے جو تو نے یہ اختراع نکالا ۔''

مثنوی

یہ سن کر کہا اس نے ''ہاں واقعی
یہ تقصیر مجھ سے نہایت ھوئی
اگر مجھ کو معلوم ھوتی یہ بات
تو ھرگز میں اس کو لگاتا نہ ھات''
غرض اس کا سسرا بہ صد انکسار
یہ کہنے لگا ''میں ھوں تقصیر وار''
نہ مہجور زن ایسی حرّاف ھو
نہ اپنے پرائے سے یوں صاف ھو

چرتر

ایک عورت نے اپنے آشنا کو شوھر سے روپوش کیا اور وہ جوان دانائی سے اپنے گھر گیا

فیلسوفانِ زمان اور باوقوفانِ جہان کاغذِ افشاں پر نوک قلم سے یوں رقم کرتے ھیں کہ ایک زنِ پُر فن اپنے یار دل خواہ کے ھمراہ عیش و طرب میں مصروف و مالوف تھی کہ یکایک اس کے شوھر گیدی خر نے دروازے پر آ کر آواز دی ۔ اس

عرصے میں اس زن پُر فن نے اپنے دھگڑے کو مرغی کے دڑبے میں چھپایا اور مینڈھا جو گھر میں بندھا تھا ، اس کی گردن کھولنے کے بعد دروازے کی کنڈی کھول کر خاوندِ دل پسند کو بلا لیا اور وہ گیدی خر اس کو ننگے سر با حال پریشان اس آن دیکھ کر کہنے لگا ''ارے یہ کیا سبب بے موجب ہے جو تو نے اتنی دیر میں دروازے کی کنڈی کھولی اور اس کے سوا تیرے بال و بال جان کیوں سراسر پریشان نظر آتے ہیں ؟''

مثنوی

یہ سن کر کہا اس نے ''اے میری جاں!
بھلا اس سبب کا کروں کیا بیاں
ترے گھر میں مینڈھا جو ہے یہ بندھا
مجھے اس نے آج ایسا عاجز کیا
کہ جس سے مرا ناک میں دم ہے آج
بہ جز قتل اس کا نہیں کچھ علاج''

یہ احوال کثیرالاختلال وہ مردک اذبک سن کر ایک بار تلوار باڑھ دار لے کر مینڈھا مارنے کو تیار ہوا ۔ غرض یہ بے پیر مینڈھے بے تقصیر کو مارنے کے داؤں گھات کرتا تھا ؛ اتفاقاً وہ مینڈھا دوڑتا دوڑتا تھک گیا تو اس مرغے کے دڑبے پر کھڑا ہو گیا کہ جس میں وہ مرغا چھپا تھا ۔ اس مردک اذبک نے ایک بار تلوار زور سے جو اس مینڈھے پر ماری تو وہ تو چوٹ بچا گیا لیکن اس کی دھمک سے ذرا سا دڑبا ٹوٹ گیا ۔ اس میں اس جوان اور اس بے ایمان کی آنکھ جو دو چار ہو گئی تو یوں حرف زن ہوا ''ابے تو کون مرغا بے ہنگام ہے جو اس دڑبے سے نکل آیا ؟'' وہ بولا ''ابے تو مجھ کو نہیں پہچانتا ہے ؟ ابے میں ملک الموت صاحبِ فوت ہوں ، یعنی تمام جن اور انسان

اور حیوان کی جان میرے قبضے میں ہے ؛ سو اس مینڈھے کی جان اے نادان قبض کرنے آیا ہوں" یہ سخن دل شکن اس جوان کا سن کر کہنے لگا "اگر میں اس کو قتل نہ کروں تو تُو کیا کرے؟" وہ جواب دہ ہوا "کیا مضائقہ ، ہم اپنے آسمانِ بے نشان پر چلے جاویں گے ۔"

مثنوی

یہ کہہ کر وہاں سے وہ پُر فن جواں
بچا لے گیا صاف ہی اپنی جاں
بچا آپ بھی اور مینڈھے کا جی
بچایا عجائب طرح سے اجی
جو مہجور ہوتا نہ وہ ذو فنون
تو دونوں میں ہوتا عجب کشت و خون

چرتر

ایک عورت نے مکاری سے چراغ بجھا دیا اور شوہر کے رو برو اپنے آشنا کو گھر سے باہر کیا

راویان روشن ضمیر اور حاکیانِ خوش تقریر اس حکایتِ دل افروز کو محفل بیان میں یوں روشن کرتے ہیں کہ ایک زن تیرہ روز اپنے یار دل سوز کو ساتھ لیے پلنگ خوش رنگ پر بیٹھی تھی کہ یکایک اس کا شوہر بے خبر دروازے پر آ پہنچا اور اس روسیاہ پُر گناہ نے اس کے پاؤں کی آہٹ پا کر چراغ جھٹ باد ہوائی سے بجھا دیا اور اس آشنائے دل سوز کو اپنے پیچھے چھپا کر بٹھا لیا ۔ اتنے میں وہ گیدی خر آ کر کہنے لگا

''اے تیرہ بخت، سیاہ رخت! آج کیا واردات واھیات درپیش ھے کہ ابھی تک گھر میں چراغ نہیں روشن ھوا؟'' وہ کہنے لگی ''اے محرم راز و اے ھم دم دل نواز! تیرا محلہ نہایت پُر فطرت ھے۔ واللہ باللہ میں اس محلے کو لوکا لگا کر چھوڑ دوں گی : شعر

بھلا کیوں نہ میری طبیعت جلے
چلن ھوں یہاں کے جو ایسے برے
خدایا محلہ یہ ھووے تباہ
و یا اس کا دنیا میں ھو رو سیاہ''

یہ گفتگو جوروئے زشت رُو کی سن کر وہ اُلّو کہنے لگا ''اے بی بی! خیر تو ھے، یہ ماجرا حیرت افزا کس صورت پر ھے؟'' وہ کہنے لگی ''اے میاں! یہاں کی عورتاں عجب پُر غضب ھیں، یعنی آج اس محلے میں ایک قحبہ نے یہ چرتر اپنے شوھر بے خبر کے ساتھ کیا کہ اپنے دوست کو پاس لیے بیٹھی تھی اور اس کا شوھر بے خبر جو باھر سے آیا تو اس نے جھٹ پٹ چراغ کو بے تامل گل کر دیا اور آشنا کو پیچھے چھپا کر بٹھایا۔'' اس گفتگو میں اپنے سر کی چادر شوھر کے منہ پر ڈال کر کہنے لگی ''اے میاں! اس طرح سے اس نے اپنے خاوند کے منہ پر چادر ڈال کر اپنے آشنا کو نکال دیا۔'' یہ سخن پُر فن اس کا یار دل‌دار سن کر چپکے سے دبے پاؤں وھاں سے راھی ھوا، اور یہ گیدی خر کہنے لگا ''اے بی بی! تجھے اس واھی ماجرے سے کیا؛ بقول شخصے، مثل: ''اپنی کرنی اپنی بھرنی'' : مصرع

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت''

مثنوی

واہ حرفت تری زن عیار!
کس چلن سے نکالا اپنا یار

دیکھ کر عقل زن کی اور شعور
مخشی نے کہا ہے اے مہجور
''مخشی زن تمام حیلہ بود
تا نہ داری تو قول شاں باور
صد جگر از زناں شود خستہ
زشت باشد زن زباں آور

چرتر

تنبولی کی جورو نے ایک مرد مفلس کو . . . [1] کے واسطے نوکر رکھا اور وہ شخص اس تنبولن کے شوہر کا آشنا تھا ۔ ہر روز جو حال گزرتا ، دانستہ تنبولی سے بیان کرتا ۔ تنبولی نے اس شخص کو اور اپنی جورو کو پنچوں میں طلب کیا اور حال گزشتہ پوچھا۔ اس نے مفصل بیان کیا ، پھر عورت کی اشارت سے بیان واقعی کو خواب و خیال سے مبدل کیا اور تنبولی کو انفعال دیا

محرران اوراق بوستان اور دبیران اشتیاق گلستان اس حکایت پر فطرت کو بیان کی پنواڑی میں یوں سرسبز کرتے ہیں

---

۱ - یہاں سے ایک فقرہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

که ایک پان فروش ماہ وش کی دکان دل ستاں پر ایک سپاہی بہ حالت تباہی آن کر یہ سخن زبان پر لایا کہ ''اے بہارِ سبز بختان گلشن دولت ، و اے آبشارِ خیابانِ چمن حشمت! تیری خدمتِ فیض درجت میں یہ عرض ہے کہ افلاسِ بے قیاس نے میری دولت دنیوی سب ڈھو لی ہے ؛ اب کوئی انوپان اس آن سر سبزی کا نظر نہیں آتا ، اور گردش افلاک نے مجھ غم ناک کے تباہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے ؛ غرض زمانے کی نیرنگی نے کمال بد رنگی دکھائی ہے ۔ اگر تو اپنی دکان دل ستاں کا بنگلہ رہنے کو دے اور کچھ اکل و شرب کی خبر لے تو مجھ پر تیرا نہایت احسان بے پایان ہوگا ، اور اس عرصے میں جو میرا روزگار پائدار ہو جائے گا تو میں بھی تیری خدمت بجا لاؤں گا ۔'' یہ کلام اس خود کام کا وہ تنبولی سن کر یہ کہنے لگا : شعر

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ ، خانۂ تست

الحاصل یہ جوان پریشان اس کی دکان دل ستاں میں رہنے لگا لیکن اس تنبولی کی جوروئے بد خو نہایت چنچل و بہ غایت بد فعل تھی ۔ اتفاقاً ایک روز یہ سپاہیٔ غم اندوز اس کے مکانِ عالی شان کی طرف ہو کر گزرا اور وہ تنبولن رشک چمن دریچے میں بیٹھی نظارہ کناں تھی ۔ ناگاہ اس جوان پریشان پر نگاہ جو پڑی تو ایک چیری سے طلب کر کے کہنے لگی کہ ''اے جوانِ پریشان ! تو ہماری نوکری کرے گا تو ایک دو روپے کا روز فرحت اندوز حاضر ہے ۔'' یہ جوان پُر ارمان کہنے لگا ''بی بی میں اس تلاش دل خراش میں سرگرداں ہوں ، بقول فدوی : شعر

آوارہ و سرگشتہ ، نہ دیوار نہ در کے
سائے کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ ادھر کے

غرض اس عورت بد بخت نے اسے ایک گوشے میں لے جا کے اس تنبولی کی پنواڑی کو کام دیو کے ھاتھ سے پامال کیا۔ بعد انفراغ مطلب اس عورت نے دو روپے اس جوان پریشان کو تنبول پینے کو دیے اور یہ کہا ''اسی وقت تو یہاں با فراغت آیا کرنا'' غرض وہ سپاھی واھی دو روپے لے کر خوش خوش تنبولی کے قریب آ کر کہنے لگا ''اے یار وفادار! آج ھم نے بڑا شکار خوش نگار مارا، یعنی ایک عورت خوب صورت نے ھم کو دو روپے روز پر نوکر دلبر بنا کے رکھا ھے۔'' وہ تنبولی دل شکستہ نادانستہ پوچھنے لگا ''اے یار غم خوار! اس کا مکان دل ستان کہاں ھے؟'' اس نے جواب دیا ''اے یار وفادار! اس کوچے کے قریب جو وہ حویلی دل فریب ھے، وھی اپنا عشرت کدہ ھے، بقول میر حسن: شعر

مرا تو تُو ھم دم ھے دن رات کا
مجھے تجھ سے پردہ ھے کس بات کا

یہ بات واھیات تنبولی سن کر کہنے لگا کہ کچھ دال میں کالا نظر آتا ھے کیوں کہ اس نے سب پتا میرے مکان دل ستاں کا دیا ھے۔ پھر کہنے لگا ''اے یار وفادار! کل بھی وھاں جائے گا یا نہیں؟'' وہ جواب دہ ھوا کہ ''اے بھائی سودائی! جس کا نمک کھائیں گے اور اس کی نوکری نہ بجا لائیں گے؟ یہ بات آدمیت سے بعید ھے؛ اس کے سوا تحفہ خاصہ کھانا کھانے کو اور پری رخسار بوس و کنار اور عیش و طرب کو۔ وہ مثل ھے کہ ''ھم خرما و ھم ثواب۔'' یہ گفتگو عربدہ جو وہ تنبولی سن کر چپ ھو رھا۔ دوسرے روز اس جوان دل افروز نے جو ارادہ چلنے کا کیا تو وہ تنبولی بولا ''کیوں یار غم گسار! وھیں جانے کا اب قصد ھے؟'' کہنے لگا: شعر

ہاں مرے یار وہیں اس گھڑی ہم جاتے ہیں
دو روپے روز جہاں سے ہمیں ہاتھ آتے ہیں

یہ بات واہیات اس بد ذات کی تنبولی سن کر کہنے لگا ''بھلا جا تو سہی ، آج تیرا جانا معلوم ہو جائے گا'' یہ سپاہی واہی تو اپنے مکانِ مقصد کو گیا ، اس کے بعد تنبولی بھی دکان سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہوا ۔ جوہیں وہ سپاہی واہی اس تنبولن کے قریب بیٹھا تھا کہ تنبولی نے دروازہ کھڑکھڑایا ۔ اس عورتِ پُر فطرت نے سپاہی کو ایک بورے میں لپیٹ کر گوشے میں کھڑا کر دیا اور چیری سے کہا ''دروازہ کھول دے'' کہ یکایک وہ تنبولی بہ صورت مہیب اور بحال عجیب ادھر ادھر دیکھ بھال کے اپنی جوروئے بد خو کے قریب آ بیٹھا اور کہنے لگا ''آج مجھ کو اشتہا بے انتہا سویرے معلوم ہوئی تھی ، اس واسطے آیا ہوں کہ کچھ مٹھائی رکھی رکھائی ہو تو لے آ ، اسے نقل کروں ۔ غرض وہ زنِ شیریں دھن کچھ لڈو اندر سے لے آئی اور ایک جا دونوں بیٹھ کر کھانے لگے ۔ اس میں اس قحبہ نے کہا ''اے رشکِ یوسفِ مصری! اگر کچھ دل میں نہ شک کرے تو اس بورے میں لڈو پھینک ، دیکھیں تو کس کا لڈو بورے کے اندر جاتا ہے ، اور جو میری یہ بات نہ مانے گا تو خوب بیزار پٹی کروں گی ۔ وہ احمق مطلق ریوڑی کے پھیر میں آ کر کہنے لگا ''تمسخر میں اے دلبرنی کیا ہے'' آخرکار دونوں نابکار اس بورے میں لڈو پھینکنے لگے ۔ غرض جو لڈو اس بورے کے اندر گئے وہ گزک اس جلیبی جوان کے ہو کر گویا اندر بہشت کے گئے ۔

المطلب جب یہ بوالعجب اپنی دکان پریشان پر گیا تو اس زنِ پُر فن نے اس سپاہی واہی کو بورے سے نکال کر کہا

''اے دلبر ! سو لے میرے پاس، نہیں تو مارے تھپڑوں کے تیرا حلوا نکالوں گی ، اس میں میرے ھاتھ کا گٹا اور کنگن کیوں نہ ٹوٹ جائے ۔'' غرض اُس بد قوام نے اپنی چاشنی چکھا کے سپاھی کو بصد بشاشت رخصت کیا اور کہا ''یہ گپ چپ کی مٹھائی تو اب یہاں سے کھا جا لیکن اس کی خرچیاں اکٹھیاں تجھ سے بھر لوں گی ۔'' الغرض وہ سپاھی واھی پھر اس تنبولی کے پاس بلاوسواس آن کر کہنے لگا کہ ''اے یار وفادار! آج تو بڑا غضب پُر تعب ھوا ، یعنی جونہیں میں وھاں پہنچا تھا کہ وھیں اُس کا شوھر بے خبر باھر سے آیا ؛ غرض وہ عورت نہایت پُر فطرت تھی کہ اُس نے ایک بورے میں مجھ کو چھپایا بلکہ لڈو بھی وھیں کھانے کو پہنچائے ۔'' یہ سخن دل شکن اس سپاھی واھی کا سن کر کہنے لگا ''ارے یہ تو صاف صاف اس شخص کا ماجرا حیرت افزا ھے ۔'' الحاصل ''قہر درویش بر جان درویش'' سمجھ کر چپ ھو رھا ۔

تیسرے روز وہ جوانِ فرح اندوز جو وھاں چلنے کو ایک بار تیار ھوا تو وہ تنبولی کہنے لگا ''کیوں جی وھیں کا ارادہ کیا یا کہیں اور کا قصد ھے؟'' اُس نے جواب دیا : شعر

کیوں نہ اُس جا پہ ھم بھلا جاویں
دو روپے روز جس جگہ پاویں

یہ سپاھی واھی تو کہہ کر اُدھر راھی ھوا اور اُس کے بعد وہ تنبولی بھی اُٹھا ۔ غرض جوں ھی یہ گھر میں جا کر بیٹھا تھا کہ وہ تنبولی بھی آ پہنچا ۔ اس جوان پریشان نے کہا ''اے جان ! اب کیا کروں ؟'' اس عورت نے کہا ''اس حوضُ پر آب میں غرقاب ھو جا اور ایک تربوز کا چھلکا اپنے سر پر رکھ لے

اور ادھر آدھر ٹہلا کرنا ۔'' المدعا وہ سپاھی واھی یوں ھی عمل میں لایا لیکن مارے خوف کے زھرہ آب تھا ۔ اس میں وہ تنبولی جنونی آ کر تلوار آب دار سے بورے کو چورنگ کرنے لگا ۔ یہ ماجرا حیرت افزا تنبولن پُر فن دیکھ کر کہنے لگی ''اے ملعون ذو فنون! تجھ کو خیر تو ھے جو کل سے تو وحشیٔ خبطی کی طرح سے حرکتیں کرتا ھے ؟''

غرض وہ تنبولی حیران و ششدر ھو کر اُس کے پاس بیٹھ گیا ۔ وہ زن پُر فن کچھ امرود اور نارنگی اور فالسے اس آسیب زدہ کے رُو برُو رکھ کر کہنے لگی ''ابھی رسوئی ھونے میں دیر ھے کیوں کہ تیری والدہ شریفہ آج انمول سری پائے پکا کے بھیجے گی اور اگر زیادہ بھوک ھو تو اس کونے میں انناس بے قیاس اکٹھے رکھے ھیں ، جا سن چاھے تو کھا لے اور جو بھوک کم رکھتا ھے تو کچھ کیلے تو ھی اکیلے کھا کر سبزی منڈی کو روانہ ھو جا ۔'' الحاصل وہ خود غرض امرود کھانے لگا اور اُس زن پُر فن کو جو اپنے یار دل فگار کا خیال آیا تو شوھر بے خبر سے کہنے لگی '' اے میاں! تجھ پر قربان ھوگئی میں ! یہ جو حوض میں تربوز کا چھلکا پڑا ھے، اس کو جو نشانہ مارے ، وہ سو تربوز جیتے ۔'' یہ گیدی خر بے خبر اُس کو امرود اور نارنگیوں سے نشانہ زن ھوا ۔ وہ جوان پریشان وہ امرود بے نمود اور وہ نارنگیاں وھاں نوش جان کرنے لگا ۔ دو چار گھڑی کے بعد وہ تنبولی آدھر اپنی دکان دلستان کو گیا اور ادھر اس عورت بد خصلت نے اپنے یار وفا دار کو حوض سے نکال کر دامن مطلب کو دُر شہوار سے پُر کیا ۔ غرض بعد خلاصی از دست زن بدکار وہ جوان طرح دار تنبولی کے پاس بلا وسواس آ کر کہنے لگا ''اے یارِ وفا دار! آج مجھ کو خدا

نے بچایا ، یعنی اُس کا شوہر گیدی خر آتے ہی گھر میں جس بورے میں َمیں آگے چھپا تھا ، اُس نے اُس کو ایک بار تلوار سے پُرزے پُرزے کیا۔ نہیں معلوم کس بوم نے اُس بد اعمال کو میرے احوال سے آگاہ کردیا ، لیکن وہ عورت نہایت پُر فطرت تھی کہ اُس نے مجھے ایسا چھپایا تھا کہ وہاں فرشتے کو بھی دخل نہ تھا ۔" وہ تنبولی بولا "اے عزیزِ بے تمیز! تو کہاں پنہاں تھا؟" کہنے لگا "آج اُس دلدار نے مجھ کو حوض پُر آب میں میرے سر پر تربوز کا چھلکا رکھ کر چھپا رکھا تھا ، بلکہ امرود وغیرہ بھی وہیں اُس مہ جبیں نے کھانے کو پہنچائے تھے ۔" یہ تقریر نا گزیر سن کر دل میں کہنے لگا ، بقول شخصے : شعر

یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم
آب در کوزہ و من تشنہ لباں می گردم

بروز چہارم وہ سپاہیٔ بے غم جو چلنے کو تیار ہوا تو وہ تنبولی کہنے لگا "کیوں جی وہیں جانے کا ارادہ ہے؟" وہ جواب دہ ہوا : شعر

بھلا کیوں کر نہ جاویں واں جہاں سے
بہ ظاہر زر ملے کار نہاں سے

یہ کلام وہ نافرجام زبان پر لا کر وہاں سے راہی ہوا اور اُس تنبولی نے جل کر جی میں کہا "رہ تو مرغ خانہ خراب! آج تیرا دڑبا ہی جلا دیتا ہوں ، پھر تو وہ انڈے کہاں سے لائے گا ، اس کوفت میں تو آپ ہی مر جائے گا" یہ دل میں کہہ کر اُس کے پیچھے چلا ؛ اس میں جونہیں وہ سپاہی واہی اُس کے پاس بے وسواس آ کر بیٹھا تھا کہ یہ تنبولی بھی جا پہنچا ۔ اس عورت صاحب فراست نے اس کا کھٹکا پا کے ایک

صندوق مضبوط میں اس سپاھی کو بند کر کے قفل لگا دیا ، اور وہ تنبولی آگ بھبھوکا بنا ھوا جو آیا تو نہ دیکھا آؤ نہ دیکھا تاؤ ، ایک بار گھر کے سائبان کو آگ لگا دی ۔ اس زن پُر فن نے یہ خانہ خرابی شتابی دیکھ کر کہا ''اے خانہ خراب ، جگر کباب! گھر تو اپنا تو نے آتش نادانی سے جلایا ، خوب کیا مگر میرے جہیز کا صندوق لاکھوں روپوں کا جلے گا تو میرے وارث تجھ کو بوریے میں رکھ کر پھونک دیں گے ۔'' یہ گفتگو اپنی جوروئے بد خو کی سن کر جھٹ صندوق کو سر پر اٹھا کے باھر رکھ دیا ۔ بارے مردمان ھم سایہ نے جھٹ پٹ ھاتھوں ھاتھ آگ تند کو بجھا لیا ۔ آخرکار اس نابکار کو سب نے لعنت ملامت کر کے قائل کیا ۔

القصہ یہ تنبولی اپنے مکانِ دلستان کی سوختگی میں دکانِ پریشان کو گیا اور ادھر اس زن بے ھودہ نے اس کو صندوق سے نکال کر اپنی کار برآری کر کے بہ صد بشاشت رخصت کیا ۔ یہ سپاھی واھی پھر اس تنبولی کے قریب آ کر کہنے لگا ''اے یار دل سوز! آج کے روز اور بھی آفت قیامت ھوئی ، یعنی آج تو اس کم بخت بدبخت نے آتے ھی سارے گھر کو جلا دیا ، لیکن وہ زن شعلہ رُو نہایت با شعور تھی کہ مجھے صندوق میں چھپا کے اپنے شوھر سے کہنے لگی ''تیری اسی میں خیریت اور حرمت ھے کہ میرے باپ کا صندوق آتش نادانی سے بچاوے ، نہیں تو تُو خاک میں مل جائے گا ۔'' اے یار گراں بار ! آج اس صورت سے خدا نے بچایا ، نہیں تو جل بھن کے کباب ھوگئے ھوتے ۔'' یہ گفتگو دو بدو سن کر تنبولی کہنے لگا کہ ''اے عزیز باتمیز! یہ ماجرا حیرت افزا تو اور لوگوں کے سامنے بھی بیان کرے گا؟'' وہ سپاھی واھی کہنے لگا

'' اے احمق مطلق ؟ سانچ کو آنچ کیا ، اگر کوئی بادشاہ شہنشاہ ہم سے پوچھے گا تو ہم صاف صاف کہہ دیں گے ۔'' القصہ اُس تنبولی نے اپنی جورو بدخو کو تو اُس کے ماں باپ کے گھر پہنچا دیا اور اس سپاہی واہی کو ساتھ لے کر سسرال بداعمال میں گیا اور پنچایت جمع کر کے کہنے لگا '' اے بھائیو! میرا کہنا سراسر جھوٹ ہے ، لیکن جو یہ سپاہی للّٰہی کہے اُس کو تم سب سچ جانو ۔'' غرض سب لوگوں نے قبول بے عدول کر کے کہا '' اے میاں سپاہی! تمھاری سرگزشت کیوں کر ہے ؟ صاف صاف بیان کرو ۔'' یہ سپاہی واہی کہنے لگا '' اے پنچو! سچ تو یوں ہے کہ ''پنچ مل خدا اور خدا مل پنچ'' اس تنبولی مرد اجنبی نے ہمارے ساتھ کمال احسان کیا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے لیکن اس کی دوستی مجھے ایسی بھاگوان ہوئی ہے کہ دو چار روز نہ گزرے تھے کہ فلانے محلے میں بڑی حویلی والی عورت خوبصورت نے مجھ کو عہدہ اردلی کا دے کر دو روپے روز کا نوکر رکھا ؛ چنانچہ پہلے روز جو میں غم اندوز گیا تو بھلا چنگا نکل آیا ۔ دوسرے روز معلوم نہیں کسی جاسوس منحوس نے اُس کے شوہر گیدی خر کو خبر کی کہ اس نے مجھے آ دبایا ، لیکن وہ عورت پُر فطرت نہایت تھی کہ بوریے میں چھپا رکھا ، بلکہ لڈو وہیں کھانے کو پہنچائے ۔ غرض تیسرے دن مجھ غریق بحرِ الفت اور شناور دریائے محبت کو اُس نے حوض پُر آب میں نایاب کیا ۔ چوتھے روز اُس بد آموز نے میرے جلانے میں اپنا تمام گھر جلا دیا ، لیکن اس شعلہ خو نے مجھ کو ایک صندوق مضبوط میں چھپا رکھا اور اس کے سر پر رکھوا کے آتشِ غضب پُر تعب سے بچا لیا ۔''

یہ گفتگو دو بُدو سپاہی واہی کی پنچ لوگ سن رہے تھے

کہ اس تنبولن پُر فن نے دل میں کہا ''ہائے اس احمق نے شیشۂ ننگ و حیا کا سنگ ِرسوائی سے ناحق توڑا !'' یکایک وہ دلآرام بالائے بام کھنکاری کہ اس واہی کی گفتگو دو بُدو میں جو آنکھ اوپر اٹھ گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی عورت ماہ طلعت بالائے بام جلوہ‌گر ہے اور زبان غنچہ ساں دھن میں دابے سر ہلاتی ہے ۔ اس ایمائے پُر فریب کو معلوم کر کے وہ چپ ہوگیا ۔ اس میں پنچوں نے کہا ''اے سپاہی بھائی! آگے کیا ہوا؟'' کہنے لگا '' اس عرصے میں کہیں جو غل بے تامل ہوا تو ایک بار میری آنکھ بیدار ہو گئی ۔'' وہ پنچ بے رنج کہنے لگے '' اے ناتمیز! یہ بات تو سچ کہتا ہے یا خواب ِپُر اضطراب بیان کرتا ہے؟'' وہ بولا ''میں بےچارہ غریب ، آوارہ نصیب، مجھ کو محل بے بدل کہاں سے نصیب ہوا ، لیکن یہ تو البتہ ہے کہ جھونپڑے میں رہتا ہوں اور خواب محلوں کا دیکھتا ہوں ۔ اے یارو! بہ چشم غور خیال تو کرو کہ جو کوئی دو روپے روز کسی کو دے گا ، آٹھ پہر اپنے پاس نہ رکھے گا ؟'' یہ گفتگو دو بُدو سن کر سب پنچ بے رنج شش و پنج کر کے کہنے لگے کہ ''یہ سپاہی بے چارہ سات پانچ کچھ نہیں جانتا ، جو کہ راست براست تھا سو اس نے کہہ دیا ، مگر یہ تنبولی نہایت دروغ گو ہے کہ اپنی جوروئے نیک خو کو اس بے چارے آفت کے مارے سے متہم کرتا ہے'' :

قطعہ

الغرض اس نے اس تنبولی کو
الٹا قائل کیا خفا ہو ہو
وہ تنبولن و لیکن اے مہجور
پاک طینت بنی سبھوں کے حضور

چرِ تر

ایک عورت شکر مول لینے کو گئی اور شکر فروش سے.......[۱] کی اور شاگرد شکر فروش نے عیاری سے شکر کے بدلے خاک باندھ دی، شوہر اُس کا منغّص ہوا۔ اُس عورت نے حاضر جوابی سے اُس کو خوش حال کیا

راویانِ شیریں دهن اور ناقلانِ رنگیں سخن به چالاکئ زبان یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک زنِ پُر فن بقّالِ بد افعال کی دکان پُر طوفان میں شکر لینے کو گئی۔ وہ بقّالِ بد اعمال اُس زن شیریں سخن کی گفتگو میں محبت کی چاشنی پا کر گُھل گُھل کے باتیں کرنے لگا اور اس زن بدکار ناهنجار نے بقالِ بد اعمال کو جو گندم رُو خرمن جوانی کا خوب رو پایا، ایک بار بے اختیار آسیائے حسرت میں آٹے کی طرح پِس گئی۔ الحاصل اس بقّالِ بد خصال نے اس زن شیریں دهن کے گوشۂ چادر میں ایک آثار شکر خوش‌گوار تول کر باندھ دی اور کھنڈ سار کے گوشے میں اپنا مطلب پورا کرنے کو لے گیا[۲]، لیکن بقّالِ بد خصال کے شاگرد استاد زمانہ نے جو دیکھا کہ یہ زنِ پُر فن سیر بھر شکر ناحق لیے جاتی ہے، وهیں دوڑ کر وہ شکر خوشتر تو گوشۂ چادر سے کھول کر مٹکے میں ڈال لی اور اُس کے عوض تھوڑی خاکِ ناپاک دستِ چالاک سے گوشۂ چادر میں باندھ کر چپ ہو رہا۔

۱، ۲ - یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے۔

اس میں وہ زن پُر فن بعد انفراغ جسمانی اور خلاص نفسانی دکان بقّال سے بزودیٔ تمام بجائے شکر خاک ناپاک لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئی ۔ ایک ساعت کے بعد وہ گھر پہنچی تو چادر رکھ کر استنجے کو گئی اور اس کے شوہر گیدی خر نے اُس گوشۂ چادر کو جو کھولا تو کیا دیکھتا ہے : شعر

نہ بُورا ہے نہ اور شکر تری ہے
سراسر خاک چادر میں بھری ہے

یہ ماجرا حیرت افزا دیکھ کر وہ اُلّو چپ بیٹھا تھا کہ وہ استنجا کر کے جو واپس آئی تو وہ اُلّو خفگی سے کہنے لگا " اے ناپاک زبان چالاک! تو شکر خوش تر لینے گئی تھی یا چوراہے کی خاک ناپاک اُٹھانے کو؟" اس میں وہ زن بے حجاب حاضر جواب ، جواب دہ ہوئی " اے شوہر خجستہ پیکر! اس کا ماجرا حیرت افزا کچھ نہ پوچھ ؛ جس وقت میں گھر سے نکل کر چار سوئے بازار رشک گلزار میں پہنچی تھی کہ یکایک کسی کے چھکڑے کا بیل خونی جنونی چھوٹا ہوا ایک طرف سے نمود ہوا اور اس کے خوف و خطر سے لوگوں کا ھجوم با دل مغموم بھاگتا پھرتا تھا ۔ چنانچہ میں بھی اس کے ڈر سے جو بھاگنے لگی تو میرے پیسے خرید شکر کے آنچل سے کھل کر گر پڑے ۔ میں نے اس بھیڑ میں بیٹھ کر پیسے چننے کی فرصت نہ پائی ، جلدی سے اس جگہ کی خاک ناپاک گوشۂ چادر میں بھر لائی ۔ سو وہ یہ خاک ہے ؛ از برائے خدا ذرا اس میں سے پیسے ڈھونڈھ کر نکال دے تو میں پھر جا کر شکر بے خوف و خطر لا دوں ، کیوں کہ اب اس بیل کی آفت بھی فرو ہوگئی ہوگی ۔ میں کم بخت ناشدنی تو ہنوز شکر والے کی دکان تک بھی نہ پہنچی تھی کہ بیچ میں یہ شگوفہ پھولا ۔" یہ کلام اُس بد انجام کا وہ

نافرجام سن کر اُس خاک ناپاک میں پیسے ڈھونڈنے لگا۔ جب اُس کچے مطلق ، پکے احمق کو پیسے خاک میں نہ ملے تو ایک بار بے اختیار جورو کی بلائیں لے کر کہنے لگا :

مثنوی

تری جان پر سے سن اے گل عذار
تصدق کروں ایسے پیسے ہزار
تری جان و عزت تو آفت سے آج
بچی ہے خدا کی عنایت سے آج
گیا مال جوتی سے ، پر جان کی
مری جاں کی اب خیریت تو ہوئی
غرض اُس کو مہجور وہ بے حیا
تسلّی یہ دیتا تھا لے کر بلا
جب ایسے نہ ہوں بے حیا مسخرے
تو کیوں اُن کی جورو نہ ایسا کرے

چرّتر

چار عورتیں ایک عورت کے لاشۂ بے سر پر اُس کے چشم ودندان و لب کا بیان کرتی تھیں۔ ان میں سے تین عورتوں نے اپنے کہے کا بادشاہ کو نشان دیا اور اپنا رستہ لیا اور چوتھی عورت بادشاہ کی قید میں رہی۔ ایک سال کے بعد جو کہا تھا وہ دکھا کر دانائی سے بھاگ کر بادشاہ کو خجلت دی

دانایانِ زماں اور ناقلانِ جہاں بالائے کاغذِ فطرت یہ

حکایت پُر فراست یوں رقم کرتے ھیں کہ ایک عورت بد خصلت کا سر کسی سردار با حیا نے کٹوا کر کہیں پوشیدہ دفن کیا اور اُس کے دھڑ کو چار سوئے بازار شہر غدار میں پھنکوا دیا ۔ یہ خبر وحشت اثر جو بادشاہ عالم پناہ کو پہنچی تو کوتوال بد خصال کو ابلاغ حکم کیا کہ اس لاشۂ بے سر کے پاس جو اشخاص آ کر تیغ زبان سے گُل کتریں ، اس کی خبر بہ ہر روش ھمارے قریب خبرداران صبا رفتار کے ھاتھ جلد پہنچے ۔ الحاصل ایک تجار عالی وقار کی چار بیٹیاں غیرت گلزار ایک رتھ پر سوار چار سوئے بازار میں ھو کر نکلیں ۔ ایک اژدھام خاص و عام کو دیکھ کر وہ بھی نظارہ کناں ھوئیں ۔ یہ ماجرا حیرت افزا وحشت انتہا دیکھ کر ایک جادو چشم ان میں بول اٹھی کہ ”یہ عورت بد خصلت ، معلوم ھوتا ھے کہ سرمہ خوب لگاتی ھوگی“ یہ کلام حیرت التیام دوسری رشک پری سن کر کہنے لگی ”واقعی لیکن یہ لالہ رو بد خو پان بھی انوپان سے افزوں کھاتی ھوگی ۔“ یہ بات عجائبات سن کر تیسری خجلت دہ کبک دری جواب دہ ھوئی کہ ”یہ تیرہ بخت ِمسّی بھی نہایت اچھی لگاتی ھوگی“ یہ سخن پُرفن گوش زد کر کے چوتھی یوں حرف زن ھوئی کہ ”اس کم بخت بد بخت نے کیا اور کر نہ جانا“ :

قطعہ

جو ھوتی اُسے عقل تو بر ملا
نہ ھوتی گرفتار رنج و بلا
دیا ھے خدا نے جنھیں کچھ شعور
نہیں اُن سے ھوتا ھے ایسا قصور

یہ باتیں وہ نیک ذاتیں تو کہہ کر اپنے گھر کو روانہ

ہوئیں اور یہ خبر وحشت اثر مخبران صادق اور محرّران واثق کی زبانی بادشاہ کو پہنچی کہ فلانے سوداگر پری پیکر کی چار بیٹیاں غیرت مہر درخشاں ، رشکِ ماہ تاباں اس طرح کا کلام حیرت التیام کر گئی ہیں ۔ المطلب بادشاہ عالی جاہ نے اُن چاروں کو طلب فرما کے کہا کہ ''تم اپنے اپنے سخن کا جواب با صواب دو ، یعنی اس عورت بے سر کو تم نے کیوں کر جانا کہ مِسّی اور سرمہ خوب لگاتی ہوگی اور پان بہت کھاتی ہوگی ؟'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا گوش زد کر کے ایک جادو نگاہ ، سحر البیان جواب دہ ہوئی کہ ''اس کنیز نا چیز کے شعور بے قصور نے اس تیرہ بخت کے گوشۂ چادر میں سرمے کی سیاہی دیکھ کر دریافت کیا تھا '' اور دوسری رشک پری سے جو پوچھا کہ ''تجھ سرخ فام گل اندام نے کیوں کر جانا تھا کہ وہ لالہ رُو بہت پان کھاتی ہوگی ؟'' وہ شعلہ خُو جواب دہ ہوئی کہ ''پیر و مرشد! اکثر جا پر اس کے دوپٹے میں پیک کی افشاں نمایاں تھی'' اور تیسری خجلت دہ کبک دری سے بادشاہ جم جاہ نے پوچھا کہ ''تو نے کس طرح دریافت کیا تھا کہ وہ سیاہ بخت مِسّی خوب محبوب لگاتی ہوگی ؟'' وہ جواب دہ ہوئی کہ ''حضرت سلامت ! اس کے دوپٹے کے آنچل میں جو دھڑی پونچھنے کا نشان بے گمان تھا ، اُس نے میرے گوشِ ہوش میں خبر دی تھی'' اور چوتھی فتنی سے جو پوچھا کہ تو جو کہتی تھی کہ ''کیا اور کر نہ جانا'' اس کے کیا معنی ہیں ؟ سچ کہہ نہیں تو تیرا کہا تیرے آگے آئے گا'' وہ زبان چالاک سفّاک جواب دہ ہوئی کہ ''خدا وند! اگر اس کو شعور اور وقوف ہوتا تو اس بلا میں کیوں گرفتار ہوتی اور عقل مندی اور دانائی کے تو یہ معنی ہیں کہ کرے اور کر دکھائے'' یہ سخن پُرفن

بادشاہ نے اُس کا سن کر اُن تینوں کو تو بصد بشاشت رخصت کیا اور اُسے ایک پختہ کوٹھری میں جید مقید کر کے یوں کہا کہ ''اے فتنی ! دیکھیں تو کیوں کر کر دکھاتی ہے؟''

نظم

اگر تجھ میں ہے کچھ فراست کا زور
تو پیدا کر اپنا یہاں تو لگور
نہیں تو اسی قید میں تیری جاں
کروں گا میں برباد اے بد زباں!

القصہ اس زنِ پرفن کو مقید کر کے ایک کوزۂ آب و پارۂ نان اپنے ہاتھ سے دینا مقرر کیا اور گاہے گاہے یہ سخن بھی پوچھتا کہ ''کیوں ری فتنی! جہاں میں کون چیز لذیذ ہے؟'' تو وہ جگر کباب بہ چشم پُر آب جواب دہ ہوتی کہ ''خداوند نعمت ! جہانِ بے نشان میں رنڈیوں[1] کو مرد نہایت عزیز و لذیذ ہیں'' تو بادشاہ جواب دہ ہوتے کہ ''اے فتنی! سب رنڈیوں کو میسر ہوگا لیکن تجھ ناکام تلخ کام کو نہ بہم پہنچے گا'' تو وہ کشتۂ یاس بلا وسواس کہتی کہ ''آپ سچ فرماتے ہیں لیکن خدا میں سب قدرت ہے، چنانچہ کہتے ہیں میر حسن : شعر

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
کہ قرآں میں آیا ہے ''لا تقنطوا''

الغرض اُس زنِ پُرفن نے بہر صورت اپنے دوست نیک سیرت کو یہ پیغام بھیجا کہ ''اے یار جانی و اے مایۂ زندگانی ! یہ خانہ خراب جگر کباب اس عذاب منجلاب میں ہے کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ، لیکن میری رہائی اس دانائی

---

۱ ۔ لکھنؤ میں عورت کے لیے 'رنڈی' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں ۔

سے ہوتی ہے کہ ایک سرنگ بہ ہر رنگ حسب دل خواہ ، اے رشک ماہ ! میرے قید خانے سے اور اپنے مکان دلستاں تک تیار کر ، آگے میں سمجھ لوں گی " المطلب اُس سوداگر خوش منظر نے ایک سرنگ بے درنگ خاطر خواہ بنوائی ۔ غرض ایک روز وہ غمِ اندوز اس سرنگ کی راہ اس رشک ماہ کے قریب جا کر یہ گفتگو درمیان لائی کہ "اے یار دمساز و اے غم خوار ہم راز ! بالفعل تُو کچھ جواہر زواہر تحفہ و نادر بادشاہ عالی جاہ کو نذر گزران اور بصد صفائی آشنائی پیدا کر کے اپنے گھر میں بطریق ضیافت طلب کر ، پھر جو کچھ ہونا ہوگا ظہور میں آ جائے گا ۔"

الغرض وہ سوداگر پری پیکر یوں ہی عمل میں لایا ، مگر بادشاہ جم جاہ کو اُس سوداگر خوش منظر سے اس قدر محبت بہم پہنچی کہ اگر اُس کے متاع حسن کو دیدۂ میزان میں ایک روز نہ وزن کرتا تو جنسِ بے قراری کا نرخ بڑھ جاتا بلکہ سودا پورا ہو جاتا اور آٹھ پہر ہنگامہ بازار شوق ما فوق کا گرم رہتا :

نظم

غرض ایسی بڑھی دونوں میں الفت
کہ رہتے تھے ہمیشہ بے کدورت
کبھی اُس پاس وہ شہ آپ جاتا
کبھی اُنے بھی گھر اُس کو بلاتا

الحاصل اس عرصے میں اُس زنِ پُرفن کو اُس سوداگرِ خوش منظر کا بر محل حمل رہ گیا ۔ بعد انقضائے چند ایام نیک انجام اس زُہرہ جبیں ، لعبت چیں کے ایک طفل رشک مہر

درخشاں ، غیرت ماہ تاباں متولد ہوا ، لیکن وہ زن اس طفل کو دائیوں کی آغوش میں دے کر آپ اپنے قید خانے میں آ بیٹھتی اور جس وقت بادشاہ دیوان خاص میں رونق افزا ہوتے تو وہ اُس سرنگ کی راہ گمراہ سے پھر اپنے خانۂ مطلب میں جا کر زینت بخش ہوتی ۔ اس عرصے میں جب چھٹی کا روز عشرت اندوز جلوہ گر ہوا تو وہ ماہ پیکر اس سوداگر سے کہنے لگی کہ ''تو آج بادشاہ عالی جاہ کو مہمان خانے میں برائے ضیافت طلب کر اور میرے ہاتھ سے لڑکا ہونے کی نذر دلوا ؛ دیکھ تو بطن فطرت سے کیسا طفل پُر فطرت پیدا ہوتا ہے ۔'' الغرض اُس سوداگر خوش منظر نے بادشاہ عالی جاہ کو اپنے گھر میں بلوا کے اُس زن پُرفن کے ہاتھ سے نذر حرفت دلوا کے اُس طفل کو بھی آغوش بادشاہ میں دیا اور یہ سخن زبان پر لایا کہ ''خدا وند نعمت ! اس کنیز نا چیز کی نذر قبول بے عدول ہو'' لیکن بادشاہ اس عورت پُر فطرت کو دیکھ کر نہایت متعجب ہو کے گرداب حیرت و سکوت میں مستغرق ہو گیا ۔ بعد شناوریٔ بحر حیرانی ساحل گفتگو سے ہم کنار ہو کے یہ دل میں کہنے لگا کہ ''یہ تو وہی عورت پر فطرت صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ جس کو میں نے جید مقید کیا تھا'' : شعر

یہ نہیں معلوم کیا اسرار ہے　　یا مری ہی عقل کج رفتار ہے

پھر سوچ کر کہنے لگا کہ ''میں نے تو اُس کو ایسی جا مقید کیا ہے کہ وہاں فرشتے کو بھی دخل نہیں اور اس کے سوا میں وہیں قید خانے میں ابھی اُس کو مقید کر کے چھوڑ آیا ہوں ، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت ماہ طلعت کی صورت اُس کی صورت سے نہایت ہم شباہت ہے'' لیکن یہ بات عجائبات

بادشاہ کے دل میں گرہ ہوئی ؛ اس خیالِ کثیر الاختلال میں بادشاہ وہاں سے اٹھ کر اپنے مکان دل ستاں میں رونق افزا ہوا اور وہ زن پُرفن بھی سرنگ کی راہ سے جھٹ پٹ اپنے قید خانے میں آ بیٹھی اور بادشاہ نے آ کر اس کو جو اسی قید خانے میں دیکھا تو وھیں بیٹھا پایا ۔

الغرض وہ زن پرفن بھی فن کرتی رہی کہ جب بادشاہ سوداگر کے پاس جاتا تو آپ بھی سرنگ کی راہ گمراہ سے جا کر مقابلہ کرتی اور جب گھر میں تشریف فرما ہوتا تو اپنے قید خانے میں آ بیٹھتی ، لیکن بادشاہ اس احوال پُر ملال پر نہایت حیران و ششدر تھا ؛ پر سوداگر آئینہ رو کی آشنائی بہ صفائی نبھی جاتی تھی ، کبھی دل پر غبار نہ آتا تھا ۔ الغرض ایک روز اس زن پُر فن نے اپنے سوداگر سے کہا ''اے عزیز با تمیز ! آج تُو بادشاہ جم جاہ کے پاس بلا وسواس جا کر یہ بات کہنا کہ اس شخص کے ھمشیر زادے کی شادی کدخدائی کل کی تاریخ مقرر ھے ، لیکن وہ مکان رشک گلستان اس شہر مینو چہر سے دس منزل کامل ھے اور میری طلب کو وھاں سے قاصد مہینے کے قریب ہوا ھے کہ روانہ ہوا تھا مگر نا مساعدیٔ وقت سے اس کم بخت کو نا گاہ راہ میں اس قدر بیماری ہوئی کہ وہ یہاں تک آنے کو دق ہوا؛ بارے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو شفا پائی تو وہ بے ہراس آج میرے پاس آیا ھے ۔ سو میں اس بات سے نہایت حیران و پریشان ہوں کہ کل کا روز دل افروز شادی کا معین ھے اور مجھ کو خبر وحشت اثر آج پہنچی : شعر

کیا کروں آج سخت حیران ہوں
گر نہ جاؤں وھاں پشیماں ہوں

سو اے خداوند نعمت، نیّر حشمت! میری عروس تجویز کو حنائے اجابت سے یوں رنگین کیجیے کہ حضور پُر نور میں وہ جو سانڈنی سو کوس کے دھاوے کی ہے ، اس کو عنایت و کرامت فرمائیے تو میں وہاں ایک روز میں پہنچ کر مہمانوں کے ہم پہلو ہوں ، اور اگر خدا نخواستہ میرا وہاں جانا نہ ہوگا تو مہار یگانگی ہاتھ سے چھوٹ جاوے گی ۔ اے عزیز با تمیز ! اگر تجھ کو بادشاہ عالی جاہ وہ سانڈنی دے گا تو پھر میں اپنے توسن طبع کی چالاکی تجھ کو دکھاؤں گی ۔"

المطلب وہ سوداگر عیّار حسبِ ایمائے زنِ مکار بادشاہ کے پاس جا کر وہ قصۂ پُر فریب اور فسانۂ عجیب بیان کرنے لگا ۔ بادشاہ نے اُس کی گفتگوئے پُر یاس و حسرت استماع کر کے داروغۂ شتر خانے کو طلب فرما کے ارشاد کیا کہ "ہماری وہ سانڈنی لیلی نژاد کہ جو سو کوس تک جانے میں پہلو تہی نہیں کرتی ، اُس کی مہار سوداگر مجنوں شعار کے ہاتھ میں حوالے کر دے ۔" بموجبِ ارشادِ عالی وہ داروغہ ذہن سے خالی وہی سانڈنی جو اس سوداگر فتنہ گر کو دینے لگا تو اُس کا ساربان پیر ناتوان بصد آہ وفغان کہنے لگا کہ "اے داروغہ ! اگر یہ سانڈنی صبا رفتار رشکِ بہار کچھ حادثے میں گرفتار ہو جائے گی تو پھر تجھ کو خار حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا ، کیوں کہ ایسی سانڈنی رشک پری باغ جہاں میں دوسری کوئی نہیں ہے ۔" غرض وہ داروغہ یہ مصلحت نیک دل میں سمجھ کر کہنے لگا "سچ ہے سخن بزرگاں راست ست" الغرض داروغۂ شتر خانہ نے اسّی کوس کی منزل کی سانڈنی اس سوداگر بے خبر کو دی ۔ اس سانڈنی خجلت دہ کبک دری پر وہ سوداگر مع زن فتنہ گر اور پسر رشک قمر سوار ہو کر فرار

ہو گیا ۔ اس عرصے میں بادشاہ عالی جاہ کو جو دریافت ہوا کہ وہ سوداگر فتنہ افروزی زن فتنہ گر سے شطرنج دغا کھیل کر کرامات عیاری سے میری بازی ہیہات مات کر گیا اور مہرۂ ہوش کو چار خانہ ششدر میں زچ کر گیا :

مثنوی

کوئی ایسی نہیں اب سوجھتی چال
جو اس کا توڑوں فرزیں بند فی الحال
نہ کوئی گھوڑا ایسا ہے نہ ہے فیل
جو اُس کو مار لوں جا کر بہ تعجیل
پیادہ ہے نہ کوئی ایسا چالاک
کہ اُس تک رخ کرے اپنا وہ سفاک

الغرض وہ شاہ شاطر زمان اس آن داروغۂ شتر خانہ کو طلب فرما کے کہنے لگا کہ ''کوئی اور بھی سانڈنی رشک پری ہمارے شتر خانے میں سو کوس کے دھاوے کی ہو تو جلد لا ، ہم تجھ کو انعام بے بہا دیں گے'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ کہنے لگا کہ ''سچ ہے بڑے بوڑھوں کا کہنا ماننا مصلحت نیک ہے ، وقت پر کام آ رہتا ہے ، آخر اُس کی بات کام آئی ۔ اگر آج یہ سانڈنی اُس کے حوالے کر دی ہوتی تو نہایت پشیمانی کھینچنی پڑتی'' المدعا وہ سانڈنی چالاک بادشاہ غم ناک کے قریب لا کر حاضر کی ۔ وہ بادشاہ جم جاہ اس پر سوار ہو کر مثل باد صبا فرفر روانہ ہوا ۔ اس عرصے میں جب بادشاہ عالی جاہ کی سانڈنی سوداگر اور زن پُر فریب کے قریب پہنچی تو ایک بار بادشاہ عالی مقدار نے للکار کر کہا کہ ''اے زن پُرفن ! اب تو میرے ہاتھ سے جان بر کہاں ہو سکتی ہے !'' یہ سخن دل شکن وہ زن پُرفن سن کر کہنے لگی ''خدا خیر کرے !

ہماری سانڈنی پر دغا ہے مگر کیا مضائقہ، ہم اپنے طعام فطرت کا بادشاہ کو مزہ چکھا دیں گے۔"

الغرض جب اس سوداگر اور زن فتنہ گر کی سانڈنی اسّی کوس کی منزل پر پہنچی تو یکایک اس کی طاقت نے پہلو تہی کر کے اس صحرائے ہولناک میں مقام کیا۔ وہ زن مکار اور سوداگر عیّار مع پسر رشک قمر اس سانڈنی کی پشت پر سے اُتر کر، سامنے ایک باغ با فراغ تھا، مثل نسیم سبک رو اس کی طرف روانہ ہو کر دونوں اس باغ کے دروازے کے ایک ایک پٹ کی اوٹ میں بہ زور بازوئے دانائی جھٹ پٹ روپوش ہو گئے۔ اس میں بادشاہ جم جاہ نے جو آ کر ملاحظہ فرمایا کہ وہ دونوں ناپاک بے باک اس باغ میں پوشیدہ ہیں، اپنی سانڈنی پر سے اُتر کر باغ کے اندر بے تحاشا یہ کہتا چلا:

شعر

اب کہاں ہاتھ سے جاتی ہے مرے وہ ناپاک
ایک ہی ہاتھ میں تلوار کے کرتا ہوں ہلاک

یہ کہتے کہتے وہ بادشاہ تو باغ کے اندر مکاناتِ عجائبات میں ڈھونڈنے لگا اور یہ دونوں پُر فن پٹوں کی اوٹ سے جھٹ پٹ نکل کر بادشاہ کی سانڈنی پر سوار ہوئے اور وہ زن مکار یوں کہنے لگی "اے بادشاہ غفلت پناہ! "کیا اور کر دکھایا" اسے کہتے ہیں۔"

مثنوی

یہ کہہ کر وہاں سے وہ زن نابکار
بہ شکل ہوا ہو گئی جب فرار
تو دستِ الم مل کے وہ بادشاہ
لگا کہنے میں بے اجل مر گیا

مرے پاؤں میں اب یہ طاقت کہاں
جو گھر تک پہنچ جاؤں بے خوفِ جاں
غرض بادشہ تو یہ روتا رہا
مگر ہو گئی وہ وہاں سے ہوا
جو مہجور ہوتی نہ وہ پا شعور
تو اس وقت میں قتل ہوتی ضرور

چرتر

ایک عورت نے اپنے آشنا کو چور کے بہانے سے شوہر کے سامنے گھر سے باہر نکال دیا اور اس نے دریافت نہ کیا

دانش‌ورانِ حکایاتِ عجیب اور سخن‌ورانِ روایاتِ غریب یہ حکایت پُر فراست بہ زبان فصاحت یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک زن پُر فن اپنے یار غم‌گسار کو آغوش دلبری میں لیے بیٹھی تھی کہ یکایک اس کے شوہر گیدی خر نے باہر سے دروازے پر آ کر جو آواز دی تو وہ شخص بے حواس بہ صد یاس کہنے لگا کہ ”اے کان فراست و اے معدنِ فطرت! یہ پُر از دہشت کیا کرے؟ شعر

گھر میں آئے گا جب ترا شوہر
تو بچے گی یہ میری جاں کیوں کر“

وہ زن پر فن کہنے لگی ”اے یارِ جانی و اے سرمایۂ زندگانی! تو اس دالان کے گوشے میں چھپ کر کھڑا رہ، جس وقت میں اس گیدی کو جا ضرور کی طرف بھیجوں گی، تو اس وقت ایک بار

یہاں سے فرار ہو جانا ، پھر آگے میں سمجھ لوں گی ۔'' غرض وہ عورت ُپر فطرت اس آشنائے پوشیدہ کو ظاہر میں چھپا کر دروازے کی زنجیر بہ تدبیر کھولنے کو آئی تو اس کا شوہر گیدی خر بولا ''اے گدھی! اتنی دیر کنڈی کھولنے میں کیوں کی ؟'' اس نے جواب دیا کہ میاں کچھ نہ پوچھ :

قطعہ

کیا کہوں تجھ سے عجائب بات ھے
گھر میں آیا چور اک بد ذات ھے
خوف سے اس بے حیا کے اے میاں
دیر میں نے واقعی کی اس زماں

اے شوہر خجستہ پیکر! تیرے خوف و خطر سے وہ بد ذات بد اوقات کنڈی کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنتے ھی کہیں گوشے میں جا ضرور کی طرف چھپ رہا ھے ۔''

یہ بات واھیات وہ گیدی خر سن کر تو جا ضرور کی طرف گیا اور ادھر اس زن مکار بدکار نے اپنے آشنا کو چور خانے سے نکال کر کہا ''اے شوہر بے خبر ! ادھر تو کیا تلاش بے قیاس کر رہا ھے ، دیکھ وہ چور سنہ زور ادھر سے نکل کر فرار ہوا چاہتا ھے ۔'' یہ سخنِ دل شکن وہ گیدی خر سن کر اس کے پیچھے دوڑنے لگا تو وہ زن ُپر فن اس خناس بے حواس کی کمر میں دونوں ھاتھ ڈال کر چڑیل سی لپٹ کر کہنے لگی ''اے میاں! اس زمان بہ خدا تجھ کو نہ جانے دوں گی ، کیوں کہ اس کے ھاتھ میں تلوار باڑھ دار ھے ۔ وہ جلاد تجھ تیغ ابرو رشک ھلال سے بغیر لڑے نہ رہے گا اور تیرے قبضے میں اس کا آنا بہت اشکال اور محال ھے ۔ جانے دے ایسے سونڈی کاٹے

واهی تباهی کو - خدا جانے کون کم اصل اور ذلیل ہے - یا تو کوئی گجراتی دیہاتی یا کوئی کلکتے کا انگریزی پاڈری ہے ، یا کوئی انسان مغربی یا خراسانی ولایتی لاثانی ہے ، یا مُوا جہازی کوا ہے جو ایسا دل کا کڑا پُر اوسان میرے گھر کے درمیان آ کر خوش غلاف ہو گیا - برائے خدا اُس بے پیر ننگی شمشیر والے کا پیچھا نہ کر ، خدا جانے کیا میرے آگے آئے - تیرے اس سرو سے سیدھے قد کے صدقے ہو کر یہ قمری نزاد مر گئی تھی - اے جانی، گل جاودانی! ظاہرا تو وہ زہر کی گرہ آج کچھ مال بھی گھر کا نہیں لے گیا مگر کچھ گپتی ہی لے گیا ہو تو اس کو کوئی کیا جانے ، اور احیاناً وہ کچھ بھی لے گیا ہوگا تو بلا سے ، تیری جان پر تصدق کیے تھے ؛ ناحق خونِ نابِ جگر کھانا کیا فائدہ !،، غرض اُس زن پُر فن سیف زبان نے اس کچے احمق پکے ہونق کو ان باتوں کی باڑھ دے کر تیزیٔ رفتار کو میٹھی گفتار سے کند ذہن کر کے در زبان پر خموشی کا تیغا کر دیا :

قطعه

جو مہجور ہوتی نہ وہ ذو فنون
تو دونوں میں ہوتا عجب کشت و خون
خدا ایسی عورت سے ڈالے نہ کام
بہ حق محمد علیہ السّلام

چرتر

ایک عورت نے اپنے دوست کو شوہر کے سامنے بلّیات کے حیلے سے گھر سے نکال دیا اور اس دیّوث نے معلوم نہ کیا بلکہ خوش ہوا

راویانِ سحر بیان اور ساحرانِ شیریں زبان قرطاس جادو پر یہ حکایت پُر مضمون یوں رقم کرتے ہیں کہ ایک عورتِ پُر فطرت اپنے دوستِ دل نواز اور یارِ دم ساز کے ساتھ بوس و کنار میں مشغول و مصروف تھی کہ یکایک اس کا شوہرِ بے خبر در پر آ کر دستک زن ہوا ، تو اُس کے یارِ غم خوار نے کہا ”اے بی بی! میں مردِ اجنبی کیا کروں ؟“ شعر

سخت حیراں ہوں اب بہ حالِ تباہ
تیرے سر کی قسم مجھے واللہ!

یہ کلام اس ناکام نا فرجام کی وہ زنِ پُر فن سن کر کہنے لگی ”اے جوانِ بے اوسان! اس قدر ہراساں نہ ہو ، اپنی روباہ نامردی کو پنجۂ شیرِ دلاوری میں دبوچ کر بیشۂ جواں مردی کی سیر کر ۔ دیکھ نیستانِ فراست کی نیرنگی کیا تماشے دکھاتی ہے ۔ جو تیری غزال طبیعت کا چیتا ہے ، ان شاءاللہ تعالیٰ بے دست و بے کفیل بر آئے گا ۔“ غرض اُس زنِ پُر فن نے اس بے ننگ کو ایک کھیس سفید سر سے پاؤں تک سیدھا اُڑھا کر کہا ”تو اسی شکل سے دست بستہ اس مکان کے صحن میں ادھر اُدھر ٹہلتا پھر ، وقت فرصت پا کر دبے پاؤں نکل جانا ۔“

آخرالامر وہ زنِ پُر فن بلائے روزگار ، یکتائے عیّار اُس

مبهوت کو شکل جن بنا کر انگنائی میں استادہ کر کے دروازے کی کنڈی جھڑ سے کھول دی؛ خاوند کا بازو پکڑ کر پٹ سے یہ کہنے لگی کہ ''اے میاں! آج گھر کے درمیان عجب آفت ناگہانی اور بلائے آسانی نازل ہوئی ہے کہ کبھی دیکھنے کا اتفاق اس آفاق میں نہیں ہوا ہے، یعنی کوئی ملعون جن کی صورت اور دیو کی شباہت صحن مکان میں پڑا پھرتا ہے۔'' الحاصل وہ زن پُرفن شوہر کی کمر سے لپٹ کر کانپتی ہوئی سائبان کے قریب آ کر کہنے لگی ''اے شوہر خجستہ پیکر! دیکھ تو وہ موا سامنے ٹہل رہا ہے'' یہ تماشا بے محابا وہ با حیا دیکھ کر رنڈی[1] سے بھی زیادہ کانپنے لگا اور درود نا معدود زبان پر لایا۔ الغرض وہ زن پُر فن فریب دانائی سے ڈرتی ڈرتی الگ اپنے خاوند کو لے جا کر پلنگ پر آ بیٹھی اور یہ سخن زبان پر لائی کہ ''اے صاحب! اگر تم کوئی شہید مرد اہل درد ہو تو مجھ کو اپنی تیغ خوف سے نہ شہید کرو، میں تمہارا دونا مع ہار و پان نذر کروں گی اور اگر شیخ سدو یا شاہ دریا نیک خُو ہو تو مجھے دریائے ہراس میں نہ ڈبوؤ، میں تمہارا بکرا اور بھیک بے شک دوں گی، اور اگر کوئی ابلیس پُر تلبیس ہو تو میں تمہارا بھوگ موہن بھوگ دوں گی۔ مجھ تلخ کام کی جان شیریں نہ ہلاک کرو، برائے خدا و بہ حق مصطفیٰؐ میرے مکان پریشان سے تم نکل جاؤ۔'' یہ کلام فطرت التیام وہ پڑھا جن سن کر دبے پاؤں اپنے گھر کو راہی ہوا اور یہ زن پُر فن خوش ہو کر شوہر گیدی خر سے کہنے لگی ''واہ سبحان اللہ! کیا پیر روشن ضمیر سچے تھے کہ مجھ کو اور تجھ کو کچھ نہ ستایا اور اپنے مکان دل ستاں کو چلے گئے۔ واللہ باللہ میں بہ وقت سحر ان کی نیاز بہ صد امتیاز مستحقوں کو کھلوا

---

۱ - لکھنؤ میں رنڈی سے مراد عورت ہے۔

دوں گی ۔" المدعا اُس عورت صاحب فطرت نے دوسرے دن ہر طرح کا کھانا پکوا کے اپنے یار غم خوار کو مع ہم نشیں و ہمراز و جلیس و دم ساز شوہر کے ہاتھ بلوا کے خوب دل مرغوب ملیدہ اور وہ کھانا کھلوایا :

مثنوی

حال اس عورت کا آگے کیا کہیں
لیکن اے مہجور باغ خلق میں
ہے دعا اپنی یہی لیل و نہار
اپنے بندوں کو جناب کردگار
زن نہ دے بدکار و پُر فن ، بد چلن
راست ہے واللہ رنگیں کا سخن
"حق رکھے سب کو بری رنڈی سے دور
کہہ گئے ہیں بات یہ اہل شعور"

تیسرا باب

دادخواهوں کے عدل میں حکایت

دو عورتیں ایک طفل پسر مدعی ہوئیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اور قصہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئیں۔ حضرت نے انصاف سے لڑکا اس کی مادر حقیقی کو عنایت کیا اور دوسری عورت کو تعذیر دی

محرران نیک صفات اور منشیان پاک ذات یہ حکایت پرفصاحت بر کاغذ انصاف کلک اوصاف سے یوں رقم کرتے ہیں کہ دو رنڈیاں با شور و فغاں ایک پسر رشک قمر پر جنگ و جدل پر دغل کرتیں اور ہر ایک اپنی طرف اس پسر بے پدر کو کھینچتی اور یہ کہتی کہ "یہ نور بصر لخت جگر میرا ضیائے چشم ہے ، تو کون ہوتی ہے جو میرے فرزند دل بند کو زبردستی لیتی ہے!" : شعر

اے زبردست زیر دست آزار گرم تاکے بماند ایں بازار

لیکن اس بات واہیات کا کوئی گواہ حسب دل خواہ نہ تھا جو ان دونوں کو قائل کرتا ۔ یہ قصۂ حیرت اندوز اور ماجرائے جگر سوز حامئ دین حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کے حضور میں رجوع ہوا اور انصاف صاف اس قصۂ پر آشوب کا ان دونوں

نے چاہا ۔ ان کا یہ احوال ُپر اختلال جناب امیر رضی اللہ عنہ نائب خیرالانام نے مسموع فرما کر ایک جلاد بے داد سے فرمایا کہ اس طفل بے نسل کو تیغ بے دریغ سے برابر دو حصے کر کے آدھا ایک عورت نیک خصلت کو دے اور آدھا ایک زن ُپر فن کی آغوش ُپر فطرت میں چھوڑ دے ، کس واسطے ؟ شعر

ز کید زن دل مرداں دو نیم ست
زناں را کید ہائے بس عظیم ست

یہ سخن دل شکن جناب امیرؑ کی زبان مبارک سے سن کر وہ زن پر فن کہ جس کا طفل بے نسل نہ تھا ، خاموش ہوگئی ، لیکن جس عورت نیک طینت کے شکم سے وہ دلبر رشک قمر متولد ہوا تھا، بے اختیار زار زار مثل ابر نوبہار رو کر کہنے لگی کہ ''یا جناب‌پاک! یہ غم‌ناک ، دل دو نیم ، جان سقیم اس بات پر بہ دل راضی و شاکر ہے ، مگر یہ طفل بے گناہ آہ! اسی زن رہ زن کو حوالے کر دیجیے ، لیکن اس کو قتل کا حکم نہ فرمائیے '' میر حسن : شعر

نہ ملنے کے دکھ اس کے میں نے سہے
بھلا اپنے جی سے تو جیتا رہے

اس بے پروا کو آہ کیا پروا : شعر

ہوائی کی نہیں جس شخص کو پیر
چہ داند دیگرے را درد بے پیر

یہ گفتگو اس عورت نیک خو کی جناب امیرؑ استماع کر کے فرمانے لگے ''اے عورت نیک طینت! فی‌الحقیقت یہ پسر مہر انور تیرے سپہر بطن سے جلوہ گر ہوا ہے ۔ یہ اندھیر نہیں ہے جو کوئی تیرہ بخت روسیاہ تجھ بےگناہ سے لے۔'' غرض حضرت پُر کرامت

نے اس کا طفل دلوا دیا اور دوسری زن پُر فن کو زجر و توبیخ کر کے تشہیر کیا:

قطعه

تاکہ دنیا میں کوئی بد خصلت
پھر کسی پر نہ یوں دھرے تہمت
سچ ہے مہجور رنڈیوں سے خدا
حفظ میں اپنی رکھے صبح و مسا

حکایت

ایک شخص کا غلام بھاگ کر دوسرے شہر میں گیا، مالک نے وہاں جا کر اُسے پکڑا، غلام نے آقا کو اپنا غلام ظاہر کیا ۔ جناب امیرؑ نے غلام کو دریافت فرما کر اُس کے آقا کے حوالے کیا ۔

سخن وران باوفا اور حاکیان دل صفا کاغذ بے وفائی پر کلک دانائی سے یہ حکایت نو روایت یوں تحریر و تسطیر کرتے ہیں کہ ایک غلام نافرجام اپنے آقا نیک اساس کے پاس سے ایک بار فرار ہوگیا ۔ بعد انقضائے چند ایّام وہ صاحب نیک انجام وسیلۂ روزگار سے ایک شہر غدار میں جو وارد و صادر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ غلام ناکام بہ خوشی و خرمی تمام شہر میں سیر کناں ہے ۔ اس عزیز باتمیز نے جو

غلام نافرجام کو پہچان کر دست بگیر کیا تو وہ ناپاک، زبان چالاک اپنے آقا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگا "اے غلام ناکام! مدت مدید اور عرصۂ بعید کے بعد تو آج میرے ہاتھ آیا ہے، لیکن سچ کہہ کہ وہ میرا جو اسباب انتخاب تو چرا کر لے آیا تھا، وہ کیا کیا؟" غرض باہم دونوں میں یہ گفتگو دو بدو تھی کہ وہ صاحب تو کہتا تھا کہ تو میرا غلام زر خرید ہے اور غلام نافرجام اپنے آقا کو کہتا تھا کہ تو میرے باپ کا غلام ناکام ہے، خدا سے ڈر تیری وہ مثل ہے: مثل

کہ اُلٹے چور کوتوال کو ڈانڈے

غرض اس بے چارے آقا پر یہ مثل حل ہوگئی کہ "سچا جھوٹے کے آگے رو مرے۔"

غرض یہ محکمۂ عظیم اور مخمصۂ ذمیم جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاس وہ آقا با وفا لے گیا اور یوں حرف زن ہوا کہ یا جناب پاک! یہ عجیب اتفاق اس آفاق میں درپیش ہے، یعنی: فرد

گل بہ تاراج رفت و خار بہ ماند گنج برباد رفت و مار بہ ماند

یہ واردات عجائبات جناب امیر رضی اللہ عنہ استماع کر کے فرمانے لگے کہ "اگر تمھارا کوئی گواہ حسب دل خواہ نہیں ہے تو تم دونوں غرفوں میں الگ الگ سر کو نکال کے بیٹھو، تمھارا قفل انصاف کلید دانائی سے کھل جائے گا۔" غرض وہ دونوں "حکم حاکم مرگ مفاجات" سمجھ کر الگ الگ دریچوں میں سر نکال کر بیٹھے۔ اس وقت جناب امیر رضی اللہ عنہ نے یہ کلام جلاد پُر بے داد سے کہا "اے جلاد! کیا دیکھتا ہے، ایسی تیغ بے دریغ غلام کی گردن پر مار کہ سر اُڑ جائے۔" یہ بات پُر کرامات اس

غلام ناکام نے سن کر جلدی سے سر دریچے میں کھینچ لیا اور وہ آقا سچا جس طرح بیٹھا تھا، بیٹھا رہ گیا، بقول شخصے ''سانچ کو آنچ کیا'' یہ حرکات واہیات غلام بد ذات کی جناب امیر ملاحظہ فرما کے اُس کے آقا سے ارشاد کرنے لگے کہ ''اے عزیز باتمیز! یہ غلام لا کلام تیرا ہے اور تو اس کا مالک و مختار ہے، جو چاہے سو کر لیکن اس بے وفا سے وفا کی توقع نہ رکھ کہ حدیث شریف میں ہے ''لاخیرفی‌عبیدی'' اور سچ یہی ہے :

ابیات

پُر دغا باوفا نہیں ہوتا
باوفا پُر دغا نہیں ہوتا
بے وفائی غلام کی مشہور
واقعی سب جہاں میں ہے مشہور

حکایت

کئی شخصوں نے روئی کے گٹھے چرائے اور کسی کو دریافت نہ ہوا ؛ ایک امیر صاحب تدبیر نے فراست و کیاست سے چوروں کو تحقیق کر کے تعذیر دی

عاقلانِ پنبہ‌دہان اور فیلسوفانِ چیدہ‌زبان خوب‌روئی اور زشت‌روئی اشراف‌واجلاف کی روئےانصاف سے یوں بیان کرتے ہیں کہ زمانۂ‌قدیم اور عہد شاہانِ عظیم میں بازارِ شہرِ عذار سے کچھ روئی کے گٹھے اکھٹے چوری ہوگئے۔ ہر چند عقل مند و دانش مند کوتوال نے تلاش بے قیاس کی لیکن ایک پشم اُس کے ہاتھ نہ آئی ۔ بایں

عدل و انصاف ؛ بقول مرزا رفیع‌السودا اس شہر مینوچہر میں :

اشعار

مارا جاتا تھا چور ککڑی کا
باندھا جاتا تھا دُزد لکڑی کا
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام
نہ تھا عالم میں چوٹنے کا نام

آخرکار سب روئی فروش باھوش بہ صد جوش و خروشنہ بادشاہ گیتی پناہ کے درِ دولت اور آستانۂ حشمت پر بہ گرمی و داد خواھی مستغاثی ھوئے ۔ یہ احوال کثیرالاختلال سن کر بادشاہ فرخندہ فال بہ صد ملال دل میں کہنے لگا کہ اگر ان داد خواھوں کی چیز نہ ملے گی تو ناحق لوگوں سے آنکھ چرانی پڑے گی ۔ الغرض بہ نرمئی سخن ھر ایک امیر صاحب توقیر سے کہا کہ اس کی جستجو سُو بہ سُو تم سب پر واجب ھے ۔ المدعا ایک امیر صاحب تدبیر نے یہ تدبیر کی کہ سب مردمانِ شہر کو دعوت پُر عداوت کے بہانے اپنے گھر میں بلوایا ۔

القصہ جبکہ تمام ساکنانِ شہر مجتمع ھوئے ، اس امیر خوش توقیر نے بہ آواز بلند یوں کہا کہ ''عجب اس شہر کے لوگ احمق اور بے وقوف ھیں ، یعنی صریح جانتے ھیں کہ روئی کے گٹھے چاندنی چوک سے چوری ھو گئے ھیں اور بادشاہ عالم پناہ اُس کے تفحّص اور تجسّس میں سر گرم ھے اور میرے گھر میں لوگ روئی کے روئیں اپنے ریش و رُو پر افشاں کر کے آئے ھیں ، بقول خواجہ حافظ علیہ الرحمہ : ع

چہ دلاور ست دُزدے کہ بہ کف چراغ دارد''

یہ گفتگو دُو بدُو امیر صاحب تدبیر کی چور سن کر اپنی

ڈاڑھی اور مونچھ کو جھاڑنے لگے۔ یہ ماجرائے عجیب و پُر فریب وہ امیر دیکھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ ''ان زشت رو بہرے کانوں کی ڈاڑھی ایک پھل سے بہ دست غضب تونب ڈالو'' الغرض ان لوگوں کو سرہنگوں نے ندافوں کی طرح چوب سیاست سے جو دھننا شروع کیا تو یہ صورت ہوئی کہ ''تانت باجا اور راگ بُوجھا'' لیکن وہ دزد اشد یہی کہتے تھے کہ ''سوت شبنہ کپاس کورے سے لٹھم لٹھا'' یہ ہم پر اتہام ناکام ناحق ہے، گر زد و کوب وہ شے ہے ، بقول شخصے ''لکڑی کے بل مکڑی ناچے'' قصہ مختصر چوروں نے چوری قبول بے عدول کی اور وہ جو روئی بہ زشت روئی انٹی کر گئے تھے ، لا کر حاضر کی اور اپنے رشتہ داروں میں اس پیچک سے نہایت خجل ہوئے اور آن کا بل تکلے کی طرح نکل گیا اور آن چوروں میں جو کوئی بداعمال بادہ پونی چمرخ کی شکل تھے، اس مار دھاڑ سے ان کے ھاتھ پاؤں اٹیرن ہو گئے :

نظم

لیک مہجور زیر چرخ کہن شیخ سعدی کا یاد رکھ یہ سخن
''عالم آن بہ کہ با عمل باشد ورنہ زنبور بے عسل باشد''

حکایت

ایک امیر صاحب توقیر کا اسباب دیوان خانے سے گم ہوا ؛ قاضی نے دانائی سے پیدا کیا

حاکیانِ دُزد معانی اور راویانِ عسس زبانی زبانِ سحر بیان سے یوں بیان کرتے ھیں کہ ایک امیر صاحب توقیر کا کچھ

اسباب انتخاب دیوان خانے سے چوری ہو گیا تھا ۔ صاحب خانہ نے ہر چند تلاش بے قیاس کیا مگر کہیں سراغ مثلِ چراغ نہ روشن ہوا کہ ان لوگوں میں کس نے یہ اندھیر کیا ۔ قصہ کوتاہ ، یہ قصہ قاضیٔ شہر علامۂ دھر کے آگے رجوع ہوا ۔ قاضی مرد ریاضی بہ تامل بسیار ایک بار اندرون خانہ جا کر کئی چھڑیاں برابر تراش کر باہر لے آیا اور یوں حرف زن ہوا کہ ''ان چھڑیوں کو ہر ایک خادم اور ملازم اور صاحب خانہ اپنے اپنے گھر لے جائے ، مگر وقت سحر بے خطر ان چھڑیوں کو میرے پاس بلا وسواس لے آئے ، کیوں کہ اس چھڑی کا خواص خاص یہ ہے کہ دزد نا مرد کے پاس ایک انگشت بڑھ جاتی ہے اور شاہ عالی جاہ کے پاس برابر رہتی ہے ۔ اس دلیل استوار اور عمل پائدار سے مجھ کو چور منہ زور اور شاہ بے گناہ خوب ثبوت ہو جاتا ہے ۔ میں نے اس عمل بے خلل سے بارہا چوروں کو زیر چوب کھینچا ہے ۔''

یہ گفتگو قاضیٔ نیک خو کی سن کر ہر ایک نے ایک ایک چھڑی آٹھا لی اور اپنے اپنے گھر کو راھی ہوا ، مگر جس شخص نے جواں مردی سے دزدی کی تھی ، وہ گھر میں جا کر دل میں کہنے لگا ''اگر یہ چھڑی میرے پاس بلا وسواس زیادہ نکلی تو بڑا غضب پر تعب ہوگا ، اس لیے اس چھڑی دزد فاش کو ایک انگل تراش ڈالیے تو خوب ہو ، تاکہ ہم چشموں میں انگشت نما نہ ہو جیے ۔'' اس پیش بندی اور عقل مندی سے اس دزد نامرد نے اس چھڑی کو چھری سے ایک آنگل کاٹ ڈالا ۔ وقت سحر بے خطر وہ دزد اشد آس چھڑی کو قاضی مرد ریاضی کے آگے خوشی خوشی لے گیا ۔ الغرض قاضی نیک طینت صاحب فراست نے جو آن سب چھڑیوں کو گز دانائی سے پیمائش

کیا تو ایک پور اس چور منہ زور کی چھڑی کم نکلی ۔ قاضی نے اُس چور دست دراز کو اشارۂ انگشت سے سب میں انگشت نما کیا اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ایسی کفِ پائیاں لگوائیں کہ اپنی کوتاہی کا قائل ہو کے دست بستہ آنکھ چرا کر کہنے لگا کہ ''بس آپ مجھے زیادہ ہم چشموں میں رسوا نہ کریں، میں تمہارا مال و اسباب بے حساب حاضر کرتا ہوں ۔'' :

قطعہ

آخر کار اُس نے لا کے شتاب
صاحبِ خانہ کا دیا اسباب
منصفی چاہتی ہے یوں مہجور
جیسے قاضی نے کی بہ عقل و شعور

حکایت

دو شخص چوسر باز سیر بھر بدن کا گوشت بازی بد کر کھیلے، ان میں سے ایک نے بازی جیت کر شرط طلب کی؛ دوسرا اپنے گوشت کے عوض زر دینے لگا، اس نے قبول نہ کیا؛ قاضی نے دانائی سے آسے مفت خلاصی دلوا دی، کچھ دینا نہ پڑا

میر بساطانِ حکایاتِ کہن و قمار بازانِ روایاتِ انجمن بساطِ قرطاسِ رنگین پر یوں تحریر کرتے ہیں کہ دو شخص باہم بازیٔ چوسر یہ بد کر کھیلے کہ جو مقامرِ شاطر بازیِ

به جاں بازی جیتے وہ سیر بھر گوشت مع پوست بدن کا آثار لے :
شعر

انھوں نے غرض کر کے عہد استوار
عجب طرح کی یہ بدی جیت ہار

الحاصل ان میں سے ایک عزیز با تمیز بازی بہ درازی ہارا اور دوسرا شخص بہ خوشی و خرمی اُس سے اپنی بازی کا طلب گار ہوا ، تو وہ غریب بے نصیب اُس بازیٔ جاں بازی سے پہلو تہی کر کے گوشت اعضا کے عوض مبلغ خطیر اور تحفۂ بے نظیر دینے کو حاضر ہوا ، لیکن اس عزیز نا چیز نے ایک آثار گوشت مع پوست کے سوا کسی شے پر خیال نہ کیا : شعر

عجب طرح کا تھا یہ قصہ وہاں
کہ حیران تھے جس سے خُرد و کلاں

القصہ یہ قصہ رفتہ رفتہ قاضیٔ شرعِ شریف کے سامنے رجوع ہوا ۔ اُس قاضیِ شرعِ متین صاحبِ تمکین نے کہا ''اے قصاب خصال و اے خام خیال! اس ضعیفِ لاغر تن کے بدن کے گوشت کا خواہاں نہ ہو ، اس کے عوض درہم و دینار جو تجھے درکار ہو ، اس عزیز نا چیز سے لے اور رنج و محن سے فرصت دے ۔'' غرض ہر چند قاضیٔ دانش مند نے اُس کو سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا ، شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے بقول :

اشعار

آهنے را کہ مورچہ نہ بہ خورد نہ توان برد ازو بہ صیقل زنگ
با سیہ دل چہ سود گفتن وعظ نہ رود میخ آهنی در سنگ

آخر کار ناچار قاضی نے کہا ''اے عزیز بےتمیز! اگر اس کا گوشتِ اعضا تیرے لینے کی مرضی ہے تو خیر بسم اللہ ، لیکن

ایک آثار گوشت سے اگر ایک ماشہ زیادہ تو لے گا تو تیری بوٹیاں کاٹ کاٹ کر چیلوں کے حوالے کروں گا۔'' یہ کلامِ بد انجام قاضی مردِ ریاضی کا وہ نافرجام سن کر گویا ہوا کہ ''اے قاضی! اس امر پر میں راضی میرا خدا راضی کہ اس کا گوشت مع پوست میں نے بحل کیا :

ابیات

اور جو اب اس سے پھر کروں تکرار
تو مجھے کیجیو ذلیل اور خوار
میں نے بازی تمام بھر پائی
پھر کروں گا نہ ایسی رسوائی
الغرض قاضی نے اسے مہجور
خوب راضی کیا بہ زور شعور

حکایت

ایک شخص نے جواہر کا صرّہ مُہر کر کے قاضی کے سپرد کیا اور قاضی نے اس میں خیانت کی ؛ بادشاہ نے فراستِ کاملہ سے دریافت فرما کر جواہر خاص مالک کو دیا اور قاضی کو نادم کیا

جوہریانِ دُرِّ معانی اور مقیمانِ لآلیٔ تیز زبانی یہ حکایت آب دار اور روایتِ رشک دُرِّ شاہوار رشتۂ بیان میں یوں پروتے ہیں کہ ایک شخص دانا دل اور یگانہ عاقل چند عدد

جواہر زواہر ایک کیسے میں سر بہ مہر کر کے قاضی لا معانی کے رو برو لے گیا اور گہر ہائے سخن کو رشتۂ بیان میں یوں پرونے لگا کہ ''اے لعل بے بہائے کان دیانت و اے صدفِ بے ریائے دکان امانت ! :

ابیات

تجھے بے ریا نیک طینت سمجھ
تجھے با خدا نیک خصلت سمجھ
ضرورت سے ہے مجھ کو عزم سفر
میں لایا ہوں رکھنے کو کچھ تیرے گھر
سفر سے جو جیتا میں پھر آؤں گا
تو اپنی امانت یہ لے جاؤں گا
ہوئی گر وہاں میری ہستی تمام
تو یہ مال تیرا ہے اے نیک نام!''

یہ کلام نیک انجام قاضی استماع کر کے یوں گویا ہوا کہ اے عزیز با تمیز ! کیا مضائقہ : مصرع

در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

غرض بہ صد قیل و قال اس نیک خصال نے وہ جواہرِ زواہر سپرد کر کے عزم سفر کا کیا اور ادھر قاضی پاجی نے وہ جواہر بیش قیمت اس کیسۂ سر بہ مہر کو پارہ پارہ کر کے نکال لیا اور اس کے عوض اس دروغ گو نے جواہر قلب سے اس کیسۂ سر بہ مہر کو پُر کر دیا اور ایک رفوگر یکتائے زمانہ یگانۂ روزگار کو بلوا کر رشتۂ بیان سے پارۂ سخن کو یوں رفو کرنے لگا کہ ''اے دانش مندِ خطۂ کشمیر و اے خرد مند روشن ضمیر ! اس کیسۂ سر بہ مہر کو ایسا رفو کر دے کہ اصلا کسی پر

افشا نہ ہو ۔ اس کا انعام اے نیک انجام ، جس قدر طلب کرے گا ، حاضر کروں گا " غرض کئی ہزار دینار اُس کی اجرت ٹھہرا کر اُس رفو گر بے خطر نے اس شکل کا رفو اس کیسے پر کیا کہ اگر ہزار بینا چشم غور سے ملاحظہ کرے ، لیکن ممکن عقل نہیں کہ اُس رفو گر کے رشتے کو پائے ۔

المدعا وہ کیسۂ سر بہ مہر اس شکل سے درست اور چست کر کے رفو گر نے قاضی کے حوالے کیا اور اُس کا اجورا پورا دست بہ دست لے کر وہاں سے تیز پا ہوا ۔ القصہ بعد انقضائے چند ایام وہ نیک انجام سفر سے آ کر جو اپنی امانت کا طالب ہوا تو اس قاضئی پُر دغل بد عمل نے وہ کیسۂ سر بہ مہر حوالے کیا ، اور اس عزیز با تمیز نے اپنے گھر میں جو وہ کیسہ کھولا تو وہ جواہر زواہر پتھر نظر آیا ۔ یہ ماجرائے عجیب وہ عزیز با تمیز ملاحظہ کر کے قاضی کے قریب گیا اور یوں کہنے لگا کہ "اے قاضی پاجی! یہ تو نے کیا تغلب پر غضب کیا!" تو وہ قاضی پاجی کہنے لگا کہ "اے عزیز با تمیز ! تو مجھ کو بہ دزدی و دغابازی کیوں متہم کرتا ھے :

مثنوی

میں نہیں واقف امانت سے تری
لوگ واقف ھیں دیانت سے مری
جس طرح کا مجھ کو کیسہ دے گیا
ویسا ھی تو مجھ سے آ کر لے گیا
مجھ کو زر لینا جو ہوتا قہر کا
تو میں تھا قاضی تمامی شہر کا
جس طرح جی چاھتا کرتا وہ بات
مال و دولت جس میں آتی میرے ہات"

غرض قاضی نے اس لعل بیش قیمت کو گفتگوئے دروغ سے قلب کر دیا ۔ وہ عزیز با تمیز ناچار ایک بار اکبر بادشاہ عالی جاہ کے پاس جا کر مستغاثی ہوا ۔ بعد دریافت حال پُر اختلال شاہ‌گیتی پناہ نے کہا کہ ''اے عزیز با تمیز! وہ کیسہ جواہر غلط کا بلا وسواس میرے پاس چھوڑ جا اور چند روز دل افروز کے بعد تو پھر یہاں آنا ، تیری داد ناشاد مل جائے گی ، اپنی خاطر فاتر جمع رکھ ۔'' اس کلام صدق نظام سے بادشاہ عالم پناہ نے اس کو بہ صد بشاشت رخصت کیا ، مگر جس مسند زرنگار رشک بہار اعجوبہ کار پر مسند نشین تھا ، اس کو قریب حاشیہ بادشاہ جم جاہ نے چاک کر دیا اور برائے شکار فرحت آثار طرف کوہسار و مرغزار سوار ہو گیا ، اور ادھر فراش خوش معاش نے چاہا کہ مسند زرنگار رشک بہار کو آراستہ کرے تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مسند زرین ، رشکِ چین حاشیے کے قرین قدرے چاک ہے ۔ دیکھتے ہی یہ واردات عجائبات فراش بشاش کی آنکھوں میں بے حواسی کے پردے پڑ گئے اور یوں دل میں کہنے لگا ''اگر اس مسند کے چاک سہم ناک کا بادشاہ عالم پناہ پر پردہ فاش ہوگا تو مجھ کو مارے طمانچوں کے فرش کر دے گا ۔'' اس احوال پُر اختلال سے اس فراش پُر تلاش نے جو اپنے دوست دار جوڑی دار کو مطلع کیا تو وہ بے باک صاحب ادراک کہنے لگا ''اے برادر بہ جان برابر! یہ راز پوشیدہ اگر اور کسی پر افشا نہیں ہے تو خاطر فاتر جمع رکھ ؛ اس شہر مینو چہر میں ایک رفو گر کامل و عاقل ایسا ہے کہ یہ شگاف بہ خوبی اس کے دست شفقت سے رفو ہو جائے گا ۔''

یہ کلام وہ نیک انجام اس کی زبان سے سن کر ، وہ

مسند زرین رفوگر کے قرین لے گیا اور یوں گویا ہوا کہ ''اے نادرہ‌کار، سلیقہ شعار! یہ التجا تیری خدمت فیض درجت میں رکھتا ہوں ، اس کو بہ اجابت قبول کر اور جو اس کا پورا اجورا ہوگا ، اس سے المضاعف تیری خدمت* فیض درجت میں حاضر کروں گا ۔'' الغرض اُس صاحب ادراک بے باک نے اس چاک مسند کو جیسا چاہیے ، ویسا ھی رفو کر دیا کہ اُس فراش خوش معاش کی عقل رفو در چکر ہو گئی ۔

قصہ مختصر وہ فراش خوش قماش مسندِ زرنگار ، رشکِ بہار کو اسی روش سے آراستہ کر کے خاموش ہو رہا ، لیکن اکبر بادشاہ عالم ِپناہ نے جو مسند پارہ کو دوبارہ درست اور چست پایا تو اُس فراش عیاش کو بلوا کے ارشاد کیا کہ ''راست راست کہو ، اس مسند زریں ، رشکِ چیں کو کس رفوگر نادرہ‌کار ، سلیقہ شعار نے درست کیا ؟'' یہ سخن لرزہ فگن بادشاہ عالی جاہ کا فراش بے حواس سن کر ترساں اور لرزاں ہوا ۔ بادشاہ عالم پناہ نے بہ تشفیِ تمام یہ کلام کیا کہ ''اے پُر ہراس! بے حواس نہ ہو ، یہ جائے خوف و خطر نہیں ھے ، برائے مصلحت نیک اس مسند زرنگار ، اعجوبہ کار کو میں نے پارہ کیا تھا'' یہ کلام نیک انجام فراش بے حواس کے جو گوش زد ہوا تو حواس خمسہ بجا کر کے اُس رفوگر بے نشان کا نشان دیا ۔ غرض بادشاہ ظل اللہ نے اُس رفوگر نادرہ کار کو طلب فرما کے وہ کیسہ دکھلایا اور یوں حرف زن ہوا کہ ''یہ کیسۂ سر بہ مہر اے رو سیاہ ! تیرے ھاتھ کا درست کیا ھے ؟ سچ کہہ دے وگرنہ تیرا گوشت پوست پارہ پارہ کر دوں گا ۔''

آخر کار بہ خوفِ شاہِ نام‌دار اس رفوگر پُرخطر نے کہا

''واقعی اس کیسے میں رفو بہ صد آرزو غلام ناکام نے قاضیٔ شہر کو کر دیا ۔ اس بات میں مُو برابر تجاوز و تفاوت نہیں ہے ۔'' حاصل کلام بادشاہ عالی مقام نے قاضی شہر کو طلب فرما کے یوں ارشاد کیا کہ ''اے پاجی! تجھ کو صاحب دیانت اور مرد بے خیانت سمجھ کر میں نے قضیہ ہائے شہر کی قضا دے دی تھی اور تجھ سے یہ فعل سرزد ہوا؟ بقول شخصے : ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مگر اب اسی میں خیریت ہے کہ اس عزیز باتمیز کو جواہر زواہر حوالے کر دے ۔'' یہ کلام شاہ عالی مقام کا قاضی گوش زد کرکے کہنے لگا کہ ''اے بادشاہ عالم پناہ! میں نے اس عزیز باتمیز سے جیسا کیسۂ سر بہ مہر لے کے رکھا تھا، ویسا ہی سر بہ مہر اس کے سپرد کیا ۔'' اس سخن پُر فن پر بادشاہ متبسّم ہو کر یوں حرف زن ہوا کہ ''اے قاضی پاجی طینت ، بے حیثیت! جس رفوگر نے اس کیسے پر رفو کیا ہے ، وہ خود موجود ہے ۔'' اس گفتگو دُو بدُو سے قاضی کمال نادم و شرمندہ ہوا ۔ المدعا بادشاہ عالی جاہ نے اس عزیز باتمیز کا جواہر گراں بار قاضیٔ نابکار سے دلوا دیا اور پنڈت خانی کا قضایا سپرد کیا، اور رفوگر نادرہ کار سلیقہ دار کے دونوں ہاتھ کٹوا کر کچھ ایسا تعین کر دیا کہ تا بہ زیست مع خویش و اقربا خوش معاش رہے اور عبادت جناب الٰہی سے غافل نہ ہو :

ابیات

جو ایسی عدالت کرے شہر یار
تو راضی رہے اس سے پروردگار
جو حاکم کرے عدل سے احتراز
نہیں اس کا مقبول روزہ نماز

یہ حاکم جو مہجور ہیں آج کل
خدا ان کو غارت کرے بے اجل

حکایت

ایک شخص نے کئی اشرفیاں درخت کے نیچے چھپا کر گاڑ دیں ؛ وہاں سے کوئی کھود کر لے گیا ؛ مالک اشرفی اکبر بادشاہ سے داد خواہ ہوا ؛ بادشاہ نے حکمتِ عملی سے پیدا فرما کے مالک کو دلوا دیں

زرگرانِ فصیح زبان اور سیم برانِ ملیح بیان یہ حکایتِ پُر فصاحت قرطاسِ طلائی پر بہ نوکِ قلم ضرب المثل اس روپ سے رقم کرتے ہیں کہ ایک عزیزِ خسیس ، کھوٹی قسمت نے کچھ اشرفیاں اکبر شاہی صحرائے بے پایاں میں زیرِ درخت پنہاں اور پوشیدہ رکھی تھیں ، مگر اس جا کو وہ بدطینت بے حیثیت گاھے گاھے دیکھ آیا کرتا تھا ۔ قضائے کار بہ دست چرخ کج رفتار ایک روز کوئی دست چالاک ان اشرفیوں کو اس چلن سے وہاں سے اڑا لے گیا کہ اصلا کسی پر افشا نہ ہوا اور یہ نامعقول اپنے معمول سے جو گیا تو کیا دیکھتا ھے کہ وہ اشرفیاں پنہاں سب کی سب غائب ہیں ۔ غرض یہ خسیس کثیف نہایت جلا بھنا ، مگر بقول شخصے : دوھرا

آگے کے دن پاچھے گئے ھر سے کیا نہ ھیت
اب پچھتائے کیا ھوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

الحاصل یہ بے دل روتا پیٹتا اکبر بادشاہ عالم پناہ کی ڈیوڑھی پر داد خواہ ہوا ۔ اکبر بادشاہ ظل اللہ نے اس کو طلب فرما کے پوچھا کہ ''اے عزیز باتمیز! تیری اس بات کا کوئی گواہ خاطر خواہ بھی ہے یا نہیں؟'' اُس نامعقول دل ملول نے کہا کہ ''اے شہنشاہِ عادلِ زمان و اے داد رسِ مظلومان! حقیقت تو یوں ہے کہ جناب باری کے سوا کوئی اس امر سے ماہر نہیں ہے، مگر میں نے فلانے صحرائے لق و دق میں ایک درخت کے نیچے وہ اشرفیاں دفن کی تھیں اور گاہے گاہے اُن کو بہ چشمِ خود دیکھ آتا تھا ، لیکن نہیں معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے مکان بے نشان سے کون دست چالاک وہ اشرفیاں پنہاں غائب کر گیا ۔''

یہ کلام اُس نیک انجام کا بادشاہ سن کر کہنے لگا کہ ''اے عزیز بے تمیز! کوئی بھی ایسی حرکت ناشائستہ کرتا ہے جو تجھ سے وقوع میں آئی ؟ خیر کیا مضائقہ ، ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز کے بعد تیری اشرفیاں پنہاں ظاہر ہو جائیں گی ۔'' اس گفتگو نیک خو سے بادشاہ نے اُس کو بہ صد بشاشت و لطافت رخصت کیا اور حکمائے حاذق اور اطبائے صادق کو طلب فرما کے یوں ارشاد کیا کہ ''وہ فلانے صحرائے بے نشان کے درمیان ایک درخت اعجوبہ ، رشک طوبیٰ سرسبز ہے، اُس کا خواص خاص دریافت کرو کہ اُس کا برگ و بر مع بیخ و شاخ کس کس مرض کو سود مند ہے؟'' آخرکار اطبائے شاہی از روئے قانون حکمت اس درخت کا خواص خاص دریافت کر کے حضور پُر نور میں حاضر ہوئے اور وہ نسخہ معجون تدبیر بے نظیر کا نظر مبارک میں گزران کر یوں گویا ہوئے کہ ''اے فلاطون طبیعت و اے ارسطو خصلت! اُس درخت کے پتوں کا یہ خواص ہے کہ اگر اس کا سفوف صاحبِ یرقان ہمراہ آبِ تازہ نہار نوش جان کرے تو فوراً اچھا

ہو جائے ، اور اُس کے ثمر ُپر اثر کے کھانے سے مدقوق و مسلول صحت پاتے ہیں ، اور اُس کی شاخ کے ضماد سے مریض طحال فی‌الحال نونہال ہوتے ہیں ، اور اُس کی بیخ کے بخور سے مستسقی کیا لحمی ، کیا زق ، کیا طبلی ایک روز میں غسل صحت کرتے ہیں ۔"

الحاصل بعد دریافتِ خواصِ درختِ اعجوبہ رشکِ طوبیٰ بادشاہ عالم پناہ نے سب اطبّائے شہر کو بلوا کر فرمایا کہ "اس مہینے میں قرینے سے دریافت کرو کہ تمھارے مطب میں کتنے مریض استسقیٰ کے رجوع ہوئے تھے۔" آخرکار بہ تامل بسیار ہر ایک نے اپنے اپنے مریض کو بادشاہ عالم پناہ کے حضور میں حاضر کیا ۔ اس رشکِ بقراط اور غیرتِ سقراط نے سب مریضوں کو طبیبوں کے روبرو دُو بدُو کر کے پوچھا "تم سب آزار مندوں نے کس کس دوا سے شفا پائی ہے ؟ سچ کہنا ، نہیں تو موردِ عتاب شاہی ہوگے ۔"

غرض ہر ایک نے اپنی صحت کا احوال فی‌الحال بیان کیا ، مگر جس مریض نے اس درخت کی جڑ سے شفا پائی تھی، اُس سے بادشاہ جم جاہ نے حکمت عملی سے پوچھا کہ "وہ درخت کی جڑ تو نے کس دوا ساز ناساز سے منگوائی تھی؟ قدرے مجھ کو بھی مطلوب ہے ۔" یہ کلام نیک انجام بادشاہ عالی مقام کا سن کر اس مریض نے اُس کو حاضر کیا ۔ شاہ عادل زمان اور باذل جہان نے اُس دوا ساز سے پوچھا کہ فلانے درخت کی بیخ ، اے شیخ ! تو ہی لایا ہے؟" اُس نافہم ناقص عقل نے کہا "قربانت شوم بلے:
شعر

اس جڑی کی جڑ سے واقف ہوں ، مگر
اس نہال زر سے میں ہوں بے خبر"

یہ گفتگوئے زرگری ٹکسال ماہر بادشاہ گوش زد کر کے یوں گرم سخن ہوا کہ ''اے جہان کے نیاریے! اگر اس درخت کی بیخ و بنیاد سے تو واقف ہے تو اس بے گناہ کی اشرفیاں حوالے کر دے ، نہیں تو ضرب پاپوش سے تیرے سر کی چاندی گداز ہو جائے گی اور سکّہ دزدی سے ٹھونکا جائے گا۔'' المدعا خوف ِ زد و کوب سے اس مفت بر نے وہ اشرفیاں پنہاں لا کر حاضر کیں ، لیکن :

ابیات

سبھی شاہوں کو اے مہجور اس دارالخلافت میں
یہی جائز ہے ایوان ِ طریقت اور شریعت میں
کہ منصف ہو تو ایسا ہو ، جو عادل ہو تو ایسا ہو
جو عاقل ہو تو ایسا ہو ، جو عامل ہو تو ایسا ہو

حکایت

ایک شخص اپنا مال خوشبو ساز کے پاس رکھ کر
سفر کو گیا ؛ چند روز کے بعد سفر سے آ کر
اپنا مال اس سے طلب کیا ؛ وہ منکر
ہوا، نہ دیا۔ حسب استغاثۂ مدعی
حاکم ِ شہر نے فراست
سے دلوا دیا

راویان ِ معطر مشام اور حاکیان ِ معتبر کلام یہ حکایت ِ پُر نکہت صفحۂ صندلی پر کلک ِ عود ِ خام اور سیاہی ٔ مشک فام

سے یوں رقم کرتے ہیں کہ ایک شخص نیک بخت ، فرشتہ طینت نے ایک خوشبو ساز دغا باز کو صاحبِ دیانت بے خیانت جان کر اپنا مال بے زوال سپرد کیا اور برائے سیر کسی شہر کو راہی ہوا ۔ بعد انقضائے چند ایام اس نیک انجام نے سفر سے آ کر جو اپنا مال بے زوال طلب کیا تو وہ دغا بازِ ناساز مالِ مردم خور ، منہ زور کہنے لگا کہ ''اے عزیز بے تمیز! کچھ وحشی خبطی ہوگیا ہے ؟ جا فصد لے، ان باتوں میں خون کی بو آتی ہے ۔ مجھ سے کلام پُر اتہام نہ کر ۔ کوئی تیری سند کا گواہ و شاہد بھی ہے جو ناحق بہتان بے نشان تو کرتا ہے؟'' یہ ماجرا حیرت افزا اس کے قرب جوار اور یار غار سن کر کہنے لگے کہ ''اے عزیز بے تمیز! تیرا اتہام اس نیک انجام پر کفایت نہ کرے گا کیوں کہ یہ شخص :

مثنوی

دیانت متانت میں مشہور ہے
یہ خود مال دنیا سے معمور ہے
تو چاہے کرے روشنی اس کی ماند
چھپا ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند
جو تو اس سے ناحق کو لڑ جائے گا
تو اپنے کیے کی سزا پائے گا

یہ گفتگو عربدہ جو اس کے ہمسائے کی سن کر وہ عزیز با تمیز خاموش ہو گیا ؛ دو روز کے بعد حاکم شہر کی ڈیوڑھی پر جا کے مستغاثی ہوا ۔ اس حاکم عادل زماں نے پوچھا کہ ''اے عزیز با تمیز! کچھ اس کی سند اسناد اور نوشت و خواند بھی رکھتا ہے یا نہیں؟'' وہ خود گم کردہ جواب دہ ہوا کہ ''اے حاکم جہاں و اے عادل زماں ! سوائے ذات خدا

کوئی اس امر کا گواہ حسب دل خواہ نہیں ہے ، مگر اس قول پر شاکر ہوں ، بقول شخصے'' : شعر

به بینم که تا کردگار جہاں دریں آشکارا چه دارد نہاں

اُس کا یہ کلام صدق نظام استماع کر کے حاکم وقت نے کہا ''اے عزیز صاحب ِتمیز! تو بے دل تین روز ِ کامل اُس کی دکان پر جا بیٹھ مگر منہ سے کچھ نہ بولنا ؛ بعد روز سوم ، اے پُر غم! میری سواری بہ صد تیاری اُدھر کو وارد ہوگی ، میں تجھ کو سلام مسنون الاسلام کروں گا ، تو و علیکم السلام کہہ کر چپ ہو رہنا ، پھر میں جو تجھ کو کہوں گا تو جواب دہ نہ ہونا ، مگر ذرا اپنے سر کو بے خطر ہلا دینا ؛ کچھ اس میں سراسر ِسر با اثر ہے اور میرے رخصت ہونے کے بعد تو اس سے سوال کرنا ، پھر وہ جو جواب دے تو ُتو میرے پاس آ کر اظہار کیجیو'' یہ تدبیر پُر تاثیر وہ عادل زماں اور حاکم جہاں اُس کو سمجھا کے کاروبار ملکی و مالی میں سرگرم ہوا اور یہ عزیز صاحب تمیز بہ صورت وحشیانہ گم کردۂ آشیانہ اُس کی دکان پُر بہتان میں آ بیٹھا ، لیکن کچھ سوال مال درمیان نہ لایا ۔ تین شبانہ روز کامل کے بعد ایک باری حاکم شہر پُر قہر کی سواری نمود ہوئی ۔

المدعا جس وقت وہ حاکم جہاں عادل زماں وہاں اس بے نصیب کے قریب آیا ، ایک بار اسپ باد رفتار کو استادہ فرما کر رسم سلام مسنون الاسلام بجا لایا ۔ اس عزیز صاحب تمیز نے و علیکم السلام کہہ کر حسب فرمودۂ حاکم زماں مہر خاموشی سے اپنے لب کو آشنا کیا اور حاکم جہاں اور عادل زماں یوں حرف زن ہوا کہ ''اے بے ریائے زماں و اے

نا آشنائے جہاں! تو میرے پاس بلا وسواس گاھے گاھے بھی نہیں آتا اور نہ کچھ اپنا احوال پُر ملال مجھ پر افشا کرتا ھے، اس کا کیا موجب اور کیا سبب ھے؟" یہ سخن پُرفن حاکم سے سن کر وہ عزیز جواب دہ نہ ھوا مگر ذرا سر کو جنبش دے کر چپ ھو رہا۔ خیر وہ حاکم زماں تو برائے سیر شہر غدّار و باغ رشکِ بہار کی طرف کو تشریف فرما ھو گیا اور اُس عزیز با تمیز نے ایک دو گھڑی کے بعد پھر اس خوشبو ساز دغا باز سے یہ کہا "کیوں بھائی ھمارا مال نہ دو گے؟ تمھاری یہی مرضی ھے تو خیر اچھا مگر اس کا نتیجہ برا ھے، مثل مشہور ھے": مثل

جو ستائے گا کسی کو وہ ستایا جائے گا

یہ گفتگو وہ بدخو سن کر دل میں کہنے لگا کہ "یہ حاکم عالی مقدار کا یار غار ھے، اگر اُس سے اپنا ذکر کرے گا تو ناحق حرمت میں بٹہ آ جائے گا اور زر کا زر دینا پڑے گا تو وہ مثل اصل ھوگی: مثل

"ملاحی کی ملاحی دی اور بانس کے بانس کھائے"

اس سے تو بہتر ھے، بہ قول شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ: مصرع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

یہ تدبیر وہ پُر تذویر سوچ کر کہنے لگا کہ "اے عزیز با تمیز! تو نے جس وقت مجھ کو اپنا مال سپرد کیا تھا، کوئی شخص اور بھی اُس وقت میرے قریب تھا یا میرے ھی تیرے یہ معاملہ درپیش ھوا تھا؟ مجھ کو ٹھیک ٹھیک بتا دے، شاید کہ فراموش ھو گیا ھو، کیوں کہ: مثل

''الانسان مرکب من الخطاء والنسیان''

غرض اس عزیز نے جب تمام و کمال پتا دیا تو وہ دغا باز ناساز یوں‌گویا ہوا کہ ''ہاں راست کہتا ہے ، مجھ کو بھی یاد آیا ، تیرا مال بے زوال حاضر ہے ، لے جا '' :

ابیات

غرض اس نے جلدی سے لا کر تمام
دیا مال اس شخص کو دام دام
نہ ہوں ایسے عادل جو اے مہرباں
تو معلوم ہو بود و باش جہاں
جو حاکم عدالت سے غفلت کرے
تو سارا جہاں اس پہ لعنت کرے
جو عادل ہیں ان کو تو مہجور سب
دعائیں بہ دل دیتے ہیں روز و شب

حکایت

ایک ساہوکار کی امانت لے کر قاضی منکر ہو گیا اور مدعی علی مردان خان وزیر ہندوستان سے داد خواہ ہوا ؛ نواب موصوف نے حکمت عملی سے امانت قاضی سے دلوا کر راضی کیا

قاضیانِ شرعِ متین اور مفتیانِ پیشوائے دین صفحۂ انصاف پر کلکِ جگر شفاف سے یوں تحریر و تسطیر کرتے ہیں کہ

ہندوستانِ جنت نشان میں ایک ساہوکار مال‌دار اس قدر زر وافر رکھتا تھا کہ شاید سپہر بھی صندوقچۂ کہکشاں میں اتنے انجم نہ رکھتا ہوگا۔ ایک روز بہ آہ جگر سوز اُس کی عورتِ نیک خصلت نے مشورۂ عاقبت اندیشی سے کہا کہ ”اے کان دولت و اے معدن حشمت! اس دولت ناپائدار مستعار کا کچھ بھروسا نہ رکھ، بقول میر حسن : شعر

یہ دولت کسی پاس رہتی نہیں
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

اس سے بہتر یہ ہے کہ کچھ اشرفیاں خفیہ کسی صاحبِ دیانت اور مرد بے خیانت کو سپرد کر دے، کس واسطے کہ زمانے کی پستی و بلندی ہر بشر کے لیے در پیش ہے؛ اگر خدا نخواستہ اس روزگار ناپائدار کا دوالا نکل جائے گا تو پھر اوقات بسری میری اور تیری کہاں سے ہوگی؟ اس واسطے کہتی ہوں کہ اگر کچھ کہیں رکھا ہوگا تو وہاں سے زر نقد تھوڑا تھوڑا لینا اور اخراجات لابدی میں صرف کرنا۔ بھلا قوت لایموت سے تو سیر رہیں گے، کیوں کہ بقول میر حسن : شعر

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں“

وہ مشورۂ نیک وہ ساہوکار عالی وقار پسند خاطر کر کے لاکھ روپے کی اشرفیاں اکبر شاہی رات کو قاضی شہر کے قریب لے گیا اور یوں گویا ہوا کہ ”اے قاضئ شرع متین و اے رہبر دین! تجھ کو صاحب دیانت اور مرد بے خیانت جان کر یہ مبلغ خطیر تیری خدمت فیض درجت میں لایا ہوں؛ اس امانت کو اپنے صندوق دیانت میں رکھ چھوڑ، جس وقت مجھ کو

برائے کار درکار ہوگا ، لے جاؤں گا ۔" یہ کلام وہ قاضی نافرجام سن کر کہنے لگا : شعر

"رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست"

غرض وہ ساہوکار عالی مقدار وہ اشرفیاں پنہاں قاضی صاحب کو سپرد کر کے گھر میں آ بیٹھا ۔ بعد انقضائے چند سال اُس نیک اعمال کا وہ سب مال دست گردش گردون دوں اور پیش پائے افلاس بے قیاس سے پامال ہو گیا ؛ حتیٰ کہ نان شبینہ تک وہ دل افروز محتاج رہنے لگا ۔ آخرکار زوجۂ ساہوکار با دل زار یوں کہنے لگی کہ "اے گرفتار الم و اے پامال جور و ستم! وہ اشرفیاں پنہاں جو قاضی کو سپرد کی تھیں ، وہ کس دن کے واسطے رکھی ہیں ، جا کر تھوڑی سی لے آ اور کاروبار ضروری میں صرف کر۔" یہ گفتگو اپنی جورو نیک خو کی سن کر ساہوکار قاضیٔ شہر کے پاس گیا اور نقد سخن کو درجک دھن سے نکال کر محک امتحان قاضی پر کس کر کہنے لگا کہ "اے قاضی مرد حقانی! اُس امانت معلومہ سے ایک سو اشرفی میرے دست تہی میں دے تا کہ کچھ اجرائے کار دنیوی سے فراغت پاؤں ۔" یہ کلام وہ قاضی بد انجام استماع کر کے کہنے لگا "اے ساہوکار! تجھ کو خیر تو ہے، کیسی اشرفیاں اور کیا بکتا ہے ؟ یہ باتیں کھوٹی مار کھانے کی نشانی ہیں ۔" یہ سخن دل‌شکن قاضی پاجی سے سن کر وہ ساہوکار دل‌فگار با دیدۂ گریاں اور سینۂ بریاں گھر میں آ بیٹھا ۔

ایک روز کے بعد اس احوال پُر اختلال کی عرضی نواب علی مردان خان کو گزرانی ۔ نواب موصوف نے اس کا احوال کماحقہ دریافت کر کے یوں اُس ساہوکار کے گوش میں

گوش زد کیا کہ ''اس بات کو ہر گز کسی کے گوش گزار نہ کرنا کیوں کہ 'دیوار ہم‌گوش دارد ' ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز کے بعد تیری اشرفیاں یک مشت تیرے ھاتھ آئیں گی ۔'' اس کلام فرحت انجام سے ساھوکار کو بہ صد بشاشت رخصت کیا اور نواب موصوف نے دو چار روز کے بعد قاضی کو بہ صد اشتیاق برائے ملاقات اپنے گھر میں بلوایا ۔ چند کلام فرحت انجام کے بعد نواب موصوف نے خلوت کر کے قاضی سے کہا کہ ''اے زینت مسند دین و اے حاکم شرع متین ! تیری خدمت فیض درجت میں یہ عرض ھے کہ ہم لوگ ھمیشہ عتاب شاھی میں گرفتار رھتے ھیں ، خدا نخواستہ ھم سے کوئی تقصیر صغیر و کبیر سرزد ھو جائے اور بادشاہ جم جاہ اس کے مواخذے میں ھمارا گھر بار ضبط کرے تو پھر ھماری زیست خدا جانے کیونکر بسر ھو اور ھمارے بعد نہیں معلوم بال بچوں کا کیا حال ھو جاوے ؛ اس واسطے یہ مصلحت دل پزیر خیال میں گزری ھے کہ میری نو لاکھ روپے کی اشرفیاں اپنے پاس بلا وسواس رکھ چھوڑ اور اپنی مہر خاص سے یہ نوشتہ کر دے کہ یہ مال بے زوال علی مردان خان کے عیال و اطفال کا ھے ، جس وقت وہ چاھیں لے جائیں'' : شعر

کہ اس گلشن جاں گزا کی بہار
نہیں اک وتیرے پہ لیل و نہار

یہ کلام وہ قاضی نافرجام سن کر کہنے لگا ''کیا مضائقہ ! میرا مکان دل ستان حاضر ھے ، جس طرح سے آپ فرمائیے بجا لاؤں۔'' نواب موصوف نے فرمایا کہ ''بالفعل تو تہہ خانے بنوانے کی تجویز کیجیے ، اس کے بعد وہ زرخطیر بہ تدبیر حاضر ھوگا ۔'' غرض قاضی بے وقوف نواب موصوف کے فقرے میں آ کر

درمیان مکان تہ خانۂ بےنشان کی تیاری کرنے لگا ۔ الحاصل بعد تیاری مکان مذکور قاضی بے شعور نے نواب موصوف کو یہ رقعہ لکھا کہ ''بہ موجب ارشاد عالی مکان امانت اور ایوان دولت تیار ہے ، اب بے خوف و خطر اس مصلحت معلومہ کو عمل میں لائیے ۔'' نواب موصوف نے اُس کے جواب میں یہ کلام نیک انجام رقم فرمایا کہ ''ان شاءاللہ تعالیٰ ایک دو روز بعد ساعت سعید میں زنانی سواریوں کے حیلے سے وہ اشرفیاں خدمت شریف میں پنہاں حاضر ہوتی ہیں ، لیکن اے بندہ نواز! یہ راز کسی پر افشا نہ ہو۔'' ادھر تو نواب موصوف نے یہ رقعۂ فریب آمادہ اس بےحقیقت کو لکھ کر بھیجا اور ادھر ساہوکار داد خواہ کو طلب فرما کے یوں ارشاد کیا کہ ''تو کل اپنا مال اُس بد اعمال سے طلب کرنا اور یہ کہنا کہ اگر تو میرا مال اس حال نہ دے گا تو میں تیری نالش کی عرضی علی مردان خان کی وساطت سے بادشاہ عالی جاہ کو گزرانوں گا ۔ اس کلام نیک انجام سے وہ بد گمان[۱] تیری اشرفیاں مقرر دے دے گا ، اس میں مطلق فرق نہیں ۔''

غرض وہ ساہوکار دل فگار حسب ارشاد نواب علی‌مردان خان اشرفیاں لینے کو اس قاضی پاجی کے قریب جا کر وہی کلام غیرت التیام درمیان لایا ۔ قاضی اپنے دل میں سوچ کر کہنے لگا ''اگر اس کی ایک لاکھ روپے کی اشرفیاں آج کل کے درمیان نہ دوں گا تو نو لاکھ روپے کی اشرفیاں علی مردان خاں کی یک مشت میرے ہاتھ سے مفت جائیں گی؛ آخر کو غیر از افسوس کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔'' یہ دل میں سوچ کر قاضی نے ساہوکار دل‌فگار کو وہ سب اشرفیاں حوالے کیں اور کہا ''برائے خدا یہ راز مخفی کسی پر افشا نہ ہو کیوں کہ میرے پاس قضایت کی خدمت

---

۱ ۔ یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

نازک ہے۔" اس کے بعد وہ قاضی پاجی نواب موصوف کی اشرفیوں کا منتظر رہا، آخرکار وہ مثل ہوئی : مثل

دبدھا میں دوؤ گئے، مایا ملی نہ رام

بقول شخصے کہ "ھاتھ کی بھی بر خو کھوئی"

ابیات

غرض سچ ہے مہجور حق دار کا
خدا حق دلاتا ہے یوں بارھا
کسی کا کوئی گر کرے حق تلف
مقرر وہ دنیا میں ہے نا خلف

حکایت

دو شخصوں نے اپنا مال ایک پیر زن کو سپرد کیا اور چلے گئے۔ چند روز کے بعد ان میں سے ایک نے آ کر اپنے شریک کو مردہ ظاہر کیا اور وہ مال اس پیر زن سے لے گیا۔ چند روز کے بعد دوسرے شریک نے آ کر اس پیر زن سے مال طلب کیا، قاضی نے اس شخص کو معقول کیا

راویانِ فطرت اساس اور حاکیانِ تہمت شناس یہ حکایت پُر ندرت بہ نوک قلم یوں رقم کرتے ھیں کہ دو شخص کچھ زر نقد ایک پیر زال نیک خصال کو سپرد کر کے یہ کہنے لگے کہ "جس وقت اے نیک بخت! ہم دونوں بہم تیرے پاس بلا وسواس آئیں تو اپنا مال بے زوال لے جائیں" : شعر

بہ این عہد و پیماں وہ دونوں جواں
ہوئے پاس سے پیر زن کے رواں

بعد انقضائے چند روز ایک عزیز نا چیز آن میں سے پیر زن کم سخن کے پاس آ کر یوں گویا ہوا کہ ''اے پیر زن لاغر تن! قسم ہے وحدہٗ لا شریک کی کہ میرا شریک مال فی الحال نقد جان لے کر برائے خرید جنس عذاب ملک عدم کو روانہ ہو گیا ، وہ مال بے زوال دست بہ دست مجھ کو عنایت کر۔'' چار و نا چار اُس پیر زال نیک خصال نے وہ مال تمام و کمال اُس کے حوالے کیا۔

کئی روز کے بعد وہ دوسرا شخص پیر زن کم سخن کے قریب آ کر کہنے لگا کہ ''اے پیر زن خجستہ پیکر! وہ ہماری امانت ہم کو دے تا کہ اپنے کاروبار دنیوی میں مصروف و مالوف ہوں'' یہ سخن حیرت فگن اس عزیز بے تمیز کا سن کر پیر زال پُر ملال کہنے لگی کہ ''اے بیٹا! تیرا دوسرا بھائی تیری وفات پُر آفات ظاہر کر کے وہ اسباب سب کا سب لے گیا: شعر

یہ بھی قسمت کی کھوٹ تھی میری
یوں جو مقروض اب ہوئی تیری''

غرض وہ عزیز بے تمیز اس پیر زن کم سخن کے سخن کا ہرگز شنوا نہ ہوا ؛ بہ سیاست کمال قاضی فرخندہ فال کے قریب لے گیا اور انصاف طلب ہوا ۔ قاضی نے وہ احوال پُر اختلال گوش زد کر کے دل میں کہا ''ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیر زن کم سخن بے تقصیر و بے قصور ہے۔'' یہ خیال خیرسگال دل میں کر کے اُس ملعون ذوفنون سے قاضی گویا ہوا کہ ''اے عزیز بے تمیز! تو اول شرط کیا کر گیا تھا کہ 'جس وقت ہم دونوں

شریک تیرے پاس بلا وسواس آئیں تو اپنا مال بے زوال لے جائیں ، اب اپنے شریک مال بد خصال کو همراہ لے آ اور اپنا مال تمام و کمال لے جا ، لیکن تجھ کو تنہا ایک خرمہرہ اس بڑھیا سے نہ ملے گا ۔'' یہ سخن دل شکن قاضی کی زبان سحر بیان سے سن کر وہ عزیز بے تمیز لا جواب ہوا :

مثنوی

سچ ہے جس کا سخن دروغ ہوا
اُس کو محفل میں کب فروغ ہوا
فی المثل بات ہے یہ لاثانی
'دودھ کا دودھ پانی کا پانی'
لیک مہجور ایسے قاضی پر
آفریں کہیے روز شام و سحر
جس نے دانائی اور فراست سے
پیر زن کو بچایا تہمت سے

حکایت

ایک شخص هزار روپے صراف کو سپرد کر گیا ؛
جب سفر سے پھرا ، اپنے روپے طلب کیے ۔
صراف منکر ہوا ، قاضی نے فراست و
دانائی سے اُس کے روپے دلوا کے
رخصت کیا ۔

صرافانِ بازارِ دل کش معانی اور نقادانِ عیارِ خوش زبانی

اس حکایتِ زر ریز کو امتحان کی کسوٹی پر یوں کستے ہیں کہ ایک شخص نے ہزار روپے سکۂ حال رائجُ الوقت ایک صرافِ حراف کو با دیانت اور بے خیانت سمجھ کر سپرد کیے اور آپ برائے کار ضروری بہ مہجوری آور کسی شہر مینو چہر کو سفر کر گیا ۔ بعد چند مدت مدید اور عرصۂ بعید وہ عزیز با تمیز سفر سے آ کر اُس صرافِ حراف سے اپنے زر کا طالب ہوا تو وہ دغا باز، بد چلن پُرفن یہ سخن زبان پر لایا کہ "اے رکابی مذہب! ایسی کھوٹی باتوں سے تو میری دیانت میں بٹا لگایا چاہتا ہے، چل دور ہو میرے آگے سے، نہیں تو ایسا ٹھوکوں گا کہ تیری جان تن سے نکل جائے گی اور ضرب پاپوش سے تیرے سر کی چاندی گداز کر دوں گا؛ تجھ سے نیارے اور بہروپیے کرارے میں نے اس سکۂ صرافی میں بہت پرکھ ڈالے ہیں؛ بس تیری جھوٹی آنت سانٹ کچھ سود نہ کرے گی ۔"

یہ گفتگو اُس عربدہ جو کی سن کر وہ عزیز با تمیز نہایت جل بھن کر دست افسوس ملتا قاضی شہر کے آگے گیا اور یوں داد خواہ ہوا کہ "اے قاضی شرع متین و اے حاکم اوامرِ دین! تیری عدالت کی ٹکسال میں میری محنت اور ریاضت کی درشنی ہنڈوی نہیں سکرتی" : شعر

جو انصاف اس کا نہ ہم پائیں گے
تو جھوٹوں سے سچے نہ بر آئیں گے

الحاصل بعد دریافت احوال کثیر الاختلال قاضی نے اس داد خواہ سے کہا کہ "اے عزیز با تمیز! اس احوالِ صدق مقال کو اب کسی سے ہرگز نہ کہنا؛ دو چار روز کے بعد تیرے روپے اس کی بے دیانتی کی تھیلی سے نکل آئیں گے ۔" غرض

قاضی نے اُسے تشفی اور تسلی سے رخصت کیا اور اُس صراف حراف کو قاضی نے خلوت میں بلوا کر کہا کہ ''اے افسر دیانت داراں و اے تاج سر ساھوکاراں ! تیری نجابت اور شرافت مردمانِ راست گو اور منشیاں نیک خو سے کماحقه هم پر ثابت ھوئی ، اس واسطے تکلیف ده ھوا ھوں که میں بالفعل آور خدمت سے به عنایت حضور پُر نور سر افراز و ممتاز ھوا چاھتا ھوں ؛ کوئی ایسا رفیق و شفیق شریکِ حال نہیں ھے جو اُسے اپنی نیابت کا خلعت دوں، سو میں نے تجھ کو نہایت صاحب دیانت اور ذی لیاقت سمجھ کر نائب صاحب تجویز کیا ھے۔'' یه کلام فرحت انجام وه ناکام نافرجام خرِ بے دُم سن کر مارے خوشی کے اپنے پیرھن میں گدھے کی صورت پھولا نه سمایا ، مگر وه احمق مطلق یه نه سمجھا ، بقول شخصے : ع

آدمیاں گم شدند ملکِ خدا خر گرفت

ایک بارِ بے اختیار ھنس کر کہنے لگا ''بہت خوب ! دیکھیے میں بھی کیسا سر انجام کار سرکار به اھتمام تمام کرتا ھوں۔'' قاضی نے متبسم ھو کے کہا ''دریں چه شک ست۔''

الغرض قاضی نے اس ساده لوح کو باغ سبز کی بہار دکھلا کر رخصت کیا اور اس دادخواه کو بُلوا کر کہا که ''اُس صراف حراف کے پاس بلا وسواس جا کر کہه که اے بد کردار نا ھنجار! اگر میرے روپے نہیں دیتا ھے تو چل میرا اور تیرا انصاف صاف صاف قاضی کے رُو برو دُو بدُو انفصال پا جائے گا۔ اس گفتگو عربده جو سے وه دغا باز نا ساز تیرے روپے بلا تکرار حاضر کرے گا۔'' آخر وه دل فگار جو اُس صراف حراف مکار کے پاس جا کر یه گفتگوئے فریب آماده درمیان لایا تو وه بے ایمان

......شیطان دل میں کہنے لگا کہ اگر اس سے اب گفتگو دُو بدُو کروں گا یا قاضی کے قریب جاؤں گا تو عدالت کی نیابت مفت ھاتھ سے جائے گی ؛ اس بات سے یوں بہتر ھے کہ اس کے روپے اس روپ سے دیجیے کہ کوئی کانوں کان نہ جانے ؛ یہ بندش دل میں باندھ کر وہ سادہ لوح کہنے لگا کہ ''اے عزیز با تمیز ! اپنی خاطر فاتر جمع رکھ ، تیرے روپے کل مجھ کو بھی کھاتہ دیکھنے سے یاد آئے ؛ وہ روپے بلا قصور حاضر ھیں ، لے جا ، مگر مجھ سے یہ قول و قسم کر کہ یہ راز کسی پر افشا نہ کروں گا ، تو ایک ھزار کیا میں دو ھزار روپے دوں گا'' یہ عزیز با تمیز اپنے ھزار روپے کو رو بیٹھا تھا نہ کہ دو ھزار ملتے ھیں ، بقول شخصے : مثل

چُپڑی اور دو دو

غرض جس طرح اس بد طینت نے آس کو کہا ، وھی بجا لایا بقول شخصے : ع

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز

''اپنی غرض کو گدھے کو باپ بناتے ھیں''

الحاصل وہ عزیز با تمیز اس سے روپے لے کر قاضی کے جان اور مال کو دعائیں دیتا اپنے گھر سدھارا اور یہ لعین بے دین دوسرے روز بہ لیاقت تمام قاضی نیک نام کے پاس بہ طمعِ نیابت قضایت گیا ۔ قاضی نے بہ صد تشفی و تسلی کہا کہ ''بالفعل تو ابھی میرے کام میں کچھ تامل اور تساھل ھے ، وقت روبکاری سواری بھیج کر تمھیں بلوا لوں گا ۔'' یہ کلام قاضی نیک انجام کا سن کر نہایت ملول وہ نا معقول اپنے گھر میں آیا اور دل میں سخت نادم ھو کر یوں کہنے لگا کہ ''ھائے نیابت کی طمع میں

دو ہزار روپے مفت ہاتھ سے گئے ، بقول شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ :

ابیات

''بخت و دولت بہ کار دانی نیست
جز بہ تائید آسانی نیست''
لیکن اے مہجور ! گر ہے عقل مند
گوش کر تو یہ فریدالدین کی پند
''بر تو باید اے عزیزِ نام ور!
کز چنیں مکارہ باشی پُر حذر''

حکایت

دو برادر سفرکو روانہ ہوئے اور اثنائےراہ میں کیسۂ پر زر مع دو لعل احمر پایا ؛ اُس کے باہم دو حصے کیے ، بڑے بھائی نے اپنا حصہ چھوٹے بھائی کو دے کر رخصت کیا اور کہا کہ ''میرا حصہ گھر جا کر میری زوجہ کو دینا '' اور آپ سفر کو گیا ۔ چھوٹے بھائی نے زر نقد بڑے بھائی کی زوجہ کو دیا اور پارۂ لعل اُڑا لیا اور بھائی سے کہا ''میں نے تیری زوجہ کو حوالے کیا'' یہ قصہ بادشاہ نے فیصل فرما دیا

جواہر شناسانِ کامل فن اور گوہر فروشانِ تازہ سخن یہ

حکایتِ لعل بے بہا صفحۂ طلا پر یوں رقم کرتے ہیں کہ دو برادر بہ جان برابر بہ حال مضطر سفر کو راہی ہوئے ۔ الحاصل پہلی منزل میں وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچے ، یعنی اثنائے راہ میں ایک کیسۂ پُر زر مع دو لعل خوش تر ان کے صدف دست میں آیا ۔ اس دولتِ غیر مترقب کو پا کر چھوٹے بھائی نے کہا ''اے برادرِ عالی قدر! حاصلِ سفر تو بر آیا ، اب آگے جانے سے کیا فائدہ ، اب اپنے غریب خانے میں چل کر بہ فراغتِ تمام بہ صد آرام اوقات بسر کیجیے : شعر

کیوں کہ ایسی رقم لگی ہے ہات
جس سے اپنی کٹے گی خوش اوقات''

برادرِ کلاں نے کہا ''اے بھائی! فی الحقیقت ہے ، مگر مجھ کو سیرِ جہان و کوہ و بیابان کی رغبت نہایت ہے ، کس واسطے ، بقولِ شخصے : مثل

ان نینوں کا یہی بسیکھ ، یہ بھی دیکھا وہ بھی دیکھ

اے برادر عزیز القدر! تو گھر میں چل ، میں بھی چند روز کے بعد آ رہوں گا'' الغرض اس مال بے زوال کے بڑے بھائی نے برابر دو حصے کر کے کہا ''اے بھائی دل شیدائی ! یہ میرا حصہ مع لعل بے بہا میری جورو نیک خو کو سپرد کر دینا ، باقی تو اپنے حصے کا مالک و مختار ہے ۔'' یہ گفتگو وہ نیک خو چھوٹے بھائی سے کر کے آپ برائے سیر شہر و دیار و گلزار روانہ ہوا ، لیکن اس عزیز ناچیز نے بڑے بھائی کا حصہ اپنی بھاوج کو دیا ، مگر لعل بے بہا اپنی جیب دغا میں چھپا رکھا ۔ بعد انقضائے چند ایام وہ نیک انجام سفر سے جو گھر میں آیا تو وہ پارۂ لعل بے بہا نہ پایا تو اپنی جورو نیک خو سے یوں ہم کلام ہوا کہ

''اے یاقوت لب و اے عالی نسب ! سچ کہہ ، وہ پارۂ لعل بیش قمیت میں نے جو بھیجا تھا ، سو کیا کیا ؟'' یہ سخن حیرت فگن وہ زن سن کر یوں کہنے لگی :

ابیات

''میں نہیں آگاہ تیرے لال سے
ہاں مگر واقف ہوں نقدی مال سے
سو وہ سب موجود میرے پاس ہے
لال کیا ہے چیز کیا اجناس ہے؟''

القصہ بڑے بھائی نے جو چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ ''اے صدف گوہر دغا ! وہ لعل بے بہا تو نے کیا کیا ؟'' اس کے جواب میں اُس نے کہا ''تیرا لعل بے بہا تیری جورو نیک خو کو میں نے حوالے کر دیا : شعر

ہے عجب طرح کی یہ تیری بوجھ
مجھ سے کیا پوچھتا ہے اس سے پوچھ''

یہ کلام وحشت التیام وہ مضطر سن کر کہنے لگا کہ ''وہ تو کہتی ہے کہ میں سینہ شق مطلق نہیں واقف ہوں۔'' چھوٹے نے کہا ''دروغ کہتی ہے۔'' حاصل کلام بہ ایں قیل و قال آپس میں جنگ و جدل ہونے لگی ۔ بڑے بھائی کی جورو نے اس قصے کی قاضی سے داد فریاد کی ۔ قاضی نے ان دونوں کو طلب کر کے پوچھا کہ ''اے عزیز بے تمیز ! تو نے جس وقت اس زن کو پارۂ لعل بے بہا دیا تھا ، اس وقت کا کوئی بھی گواہ حسبِ دل خواہ رکھتا ہے یا نہیں ؟'' اُس عزیز ناچیز نے کہا ''اس امر کے شاہد عادل اور واقف کامل دو اشخاص خاص موجود ہیں ۔'' قاضی نے حکم دیا کہ اُن گواہوں کو حاضر کر۔ غرض یہ ملعون ذوفنون

دو شخصوں کو کچھ زر نقد دے کر گواہ قلب و شاہد تغلب سچے لعل کو جھوٹا کرنے کو قاضی کے آگے لے گیا اور وہ دونوں لعین بے دین قاضی سے قسمیہ کہنے لگے کہ ''واقعی اس نے پارۂ لعل جیب سے نکال کر ہمارے سامنے اس کی جورو کے ہاتھ میں دیا تھا'' قاضی کم عقل نے اس مدعی سے کہا ''اے عزیز با تمیز ! اپنا لعل بے بہا تو اپنی جورو سے لے اور اس سے دست بردار ہو'' یہ سخن دل شکن قاضی کی زبان سے سن کر وہ زن بادیدۂ گریان اور بہ مژگان خوں چکان بادشاہ عالم پناہ سے داد خواہ ہوئی ۔ بادشاہ عالی جاہ نے کہا ''اے زن دل شکن! اس کا انصاف قاضی شہر سے کیوں نہیں چاہتی ہے؟'' آس زن کم سخن نے کہا ''اے بادشاہ جم جاہ! قاضی شہر نے میرا انصاف صاف نہ کیا'' بادشاہ عادل زمان اور حاکم جہاں نے دونوں بھائی اور دونوں گواہوں کو طلب فرما کے قدرے قدرے موم کافوری ہر ایک شخص کو جدا جدا دیا اور بہ نرمی یوں فرمایا کہ ''اس موم سے ہر ایک لعل کی صورت جدا جدا جا کر بنا لاؤ ۔''

غرض آن دونوں بھائیوں نے جیسا کہ وہ لعل بے بہا تھا ، ویسی ہی صورت بے کدورت بنائی مگر دونوں گواہوں رو سیاہوں نے کبھی لعل کی شکل نہیں دیکھی تھی ، صورت مختلف بنا کر بادشاہ کے پاس لے گئے ۔ شہنشاہ عادل زماں نے اس زن کم سخن کو بھی فرمایا کہ تو بھی ایک لعل کی شکل تیار کر لا ۔ اس زن کم سخن نے تو کبھی لعل کی صورت نہ دیکھی تھی مگر عقلیہ آس نے کہا کہ لعل بے بہا نہایت قیمت رکھتا ہے ، آس کی شکل بڑی ہوگی ، بہ ایں دانائی ایک چیز واہی‌تباہی بنا کر بادشاہِ عالی جاہ کے قریب لے گئی ۔ بادشاہ عالم پناہ اس لعل بے بہا کو ملاحظہ فرما کے دل میں کہنے لگے کہ فی‌الحقیقت یہ زن بے تقصیر

ہے ، اس نے لعل کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ لیکن جب گواہوں کے لعل تغلبی بنانے پر بادشاہ جم جاہ نے مارے طمانچوں کے منہ لال کروائے تو وہی رُو سیاہ پُر گناہ کہنے لگے کہ ''اے بادشاہِ عالی جاہ ! ہم نے طمع زر نقد سے جھوٹی گواہی دی تھی : شعر

واجب القتل ہیں خنجر کے سزا وار ہیں ہم
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہ گار ہیں ہم''

غرض بادشاہ عالم پناہ نے فراست و دانائی و عقل آرائی سے اس کے چھوٹے بھائی سے وہ پارۂ لعل بے بہا دلوا دیا ۔

مثنوی

یہ انصاف مہجور جیسا ہوا
جہاں میں کسی سے کم ایسا ہوا
حکومت میں حاکم ہو اس طرح غرق
تو لعل و خذف میں نہ کیوں کر ہو فرق
جو حاکم کو اپنا ہی سوجھے پلاؤ
تو جَو اور گندم بکیں ایک بھاؤ
غرض حاکموں کو بہ قول حسن
سناتا نہیں کوئی اتنا سخن
کرو سلطنت لیک اعمال نیک
کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک

حکایت

ایک زن فاحشہ نے اپنے بیٹے کو مار ڈال کر ایک زنِ ہمسایہ کے گھر میں گرا دیا اور قاضی سے جا کر استغاثہ کیا کہ فلانی عورت نے میرے پسر رشک قمر کو مار ڈالا ہے، میں قصاص چاہتی ہوں ؛ قاضی نے دانائی سے دریافت کر کے انفصال کر دیا

عاقلانِ دوست پرور اور ناقلانِ دشمن منظر ایک زنِ پُر فن کی یوں حکایت پُر شکایت بیان کرتے ہیں کہ وہ نابکار ناهنجار همسایۂ ماں جایا میں ایک عورت نیک خصلت سے دشمنی دلی رکھتی تھی مگر وہ نیک خُو اُس عربدہ جُو کے قابو پر کبھی نہ چڑھتی تھی ۔ قضائے کار ایک روز رات کو اس زنِ پُر فن نے شراب ناب پی کر آپ کو اس قدر سرشار کیا کہ اُس نشے کے عالم میں اپنے پسرِ جاں پرور کو خنجرِ آب دار سے ذبح کر کے زنِ همسایہ کے گھر میں پھینک دیا اور وقت علی‌الصباح وہ رُو سیاہ قاضی کے پاس جا کر اُس عورتِ خجستہ پیکر پر یوں داد خواہ ہوئی کہ ”اے قاضی شہر ! میرا فرزندِ دل بند اُس کم بخت نے آہ! بے گناہ قتل کیا ہے ، اگر یہ بھی سیاست سے قتل ہو تو میری تسکین خاطر فاتر ہو ، نہیں تو اے قاضی ! میں اپنا بھی خون تیرے سامنے کروں گی اور بہ روز حشر قاضی‌الحاجات کے سامنے گریباں چاک تیری دامن گیر ہوں گی ۔“ یہ کلام اُس بد انجام کا سن کر اول زنِ همسایہ کو خلوت

میں اُ جا کے قاضی نے یوں زبان کو سخن سے آشنا کیا کہ ''اے عورتِ نیک بخت! راست راست کہہ ، نہیں تو واللہ باللہ تیرے تن بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیل اور کووں کو کھلوا دوں گا'' یہ گفتگو قاضی نیک خُو کی وہ زنِ کم سخن گوش زد کر کے کہنے لگی کہ ''اے قاضیٔ شرعِ متین والے مسند نشینِ ختمِ المرسلین! قسم ہے اُس خالقِ جن و انس کی ، میں نے اس طفل بے گناہ کو آہ نہیں مارا ؛ یہ مجھ پر اتہامِ پُر الزامِ ناحق ہے ، بہ قول شخصے : مصرع

کہ اس کا خدا عالم الغیب ہے

قاضی نے کہا ''اے عورت نیک بخت ! اگر تو نے اس طفل صغیر کو نخچیر نہیں کیا ، تو میرے سامنے سر تا پا برہنہ ہو جا کہ مجھ کو صاف صاف دریافت ہو کہ تو اس حرکت سے مبّرا ہے'' یہ سخن دل شکن قاضی سے وہ عورت صاحب عصمت سن کر سر بہ گریبان خجلت کھینچ کر کہنے لگی ''اے قاضی عیب پوشِ گنہ گاراں و اے ردائے بے ستراں ! مجھ کو قتل ہونا منظور مگر میں تیرے حضور تا بہ مقدور بے ستر سراسر نہ ہوں گی ۔''

غرض قاضی نے ہر چند اس درد مند کو سیاست سے دھمکایا اور ڈرایا کیا لیکن وہ برہنہ نہ ہوئی ۔ غرض قاضی نے اُس کو رخصت کیا اور اُس زن فاحشہ فاسقہ کو خلوت میں طلب کر کے کہا کہ ''اے زن پُرفن ! تیرا سخن مجھ کو باور نہیں آتا ہے لیکن میرے روبرو سر سے تا پا برہنہ ہو تو البتہ تیرا کلامِ بد انجام مجھ کو صحت ہو'' اُس زن فاجرہ نے چاہا کہ آپ کو برہنہ کرے ، وہیں قاضی مرد ریاضی نے اس حرکات و سکناتِ ناشائستہ سے منع کیا اور یوں کہا ''اے زن پُر فن تو نے اپنے

بیٹے کو آپ ذبح کیا ہے ؛ اس نیک بخت صاحب عصمت کو کیوں متہم کرتی ہے'' غرض کئی کوڑے جو اُس کے سراپا پر پڑے تو وہ اقرار کناں ہوئی کہ واقعی یہ تقصیر کبیر مجھ سے ہی سر زد ہوئی ۔ القصہ قاضی نے اُس قحبۂ نابکار بدکردار کو دار پر کھینچا

مثنوی

تا نہ پھر کوئی ایسا کام کرے
نیک ناموں پہ اتہام کرے
یہی قاضی کو چاہیے مشہور
منصفی میں کرے ذرا نہ قصور
اور قاضی جو بد دیانت ہو
اُس پہ سارے جہاں کی لعنت ہو

حکایت

ایک شخص سو دینار ایک پیر مرد کو سونپ کر سفر کو گیا اور سفر سے آ کر اپنی امانت کا جو طلب گار ہوا تو منکر وہ ناھنجار ہوا ۔ مدعی نے پیش قاضی اظہار کیا، اس نے فراست سے انفصال کر دیا

پیرانِ روشن ضمیر اور جوانانِ خوش تقریر یہ حکایت بے نظیر بالائے قرطاس حریر یوں تحریر کرتے ہیں کہ ایک جوان مرد مسلمان نے ایک پیر تن حقیر کو صاحبِ ایمان مردِ مسلمان سمجھ کر سو دینار سپرد کیے اور آپ برائے روزگار کسی اور شہر غدّار کو راہی ہو گیا ۔ مدتِ مدید اور عرصۂ بعید کے بعد سفر سے آ کر اُس ساہوکار طبع نے اُس جمع مار سے اپنی

امانت طلب کی تو اس مکارِ ناهنجار نے اقرار کا ٹاٹ آلٹ کر یوں کہا کہ ''اے جوانِ پُر بہتان! تو مجھ تن حقیر دل گیر پر کس لیکھے سے تہمت کا دھڑا باندھتا ہے۔ اے دوالیے بد اعمال! یہ تیری آنٹ سانٹ مجھے سود نہ کرے گی ؛ چل دور ہو میرے آگے سے ، نہیں تو ایسا ماروں گا کہ تیری مشیخت ہی ہی پھرے گی :
شعر

میں نہیں واقف ترے دینار سے
سر پھراتا ہے عبث تکرار سے

یہ گفتگو عربدہ جُو اُس پیر بے پیر کی سن کر وہ جوان قاضئ شہر کے آگے داد خواہ ہوا۔ قاضی مرد ریاضی نے اس پیر تن حقیر کو بلا کر جو پوچھا تو وہ مال مردم خور منہ زور منکر ہو گیا۔ قاضئ شرعِ شریف نے اُس جوان حیران سے کہا کہ ''اے عزیز با تمیز ! تو اس بات کا کوئی گواہ اور شاہد بھی رکھتا ہے یا نہیں ؟'' اس جوان با ایمان نے کہا ''اس امر کا گواہ حسبِ دل خواہ سوائے اللہ واللہ باللہ کوئی نہیں'' چار و نا چار قاضی نے از روئے شرع شریف اس پیر بے پیر سے کہا ''اے ضعیف دل نحیف! تجھ پر قسم واجب ہے'' یہ کلام قاضئ عالی مقام کا سن کر وہ جوان دل پریشان کہنے لگا ''اے قاضی منصف زماں و اے عادل جہاں! اس دروغ گو کو قسم کھانے سے مطلق باک نہیں ہے۔ ایک قسم کیا یہ هزار قسموں کو بحث لغو سمجھتا ہے'' :
شعر

قسم کا مجھے اس کی کیا اعتبار
کہ یکتا ہے جھوٹوں میں وہ بد شعار

قاضی نے کہا ''اے جوان عالی شان! تو نے جس وقت زر نقد

اُس کے صرۂ دست میں دیا تھا ، اُس وقت یہ کس مکان پُر بہتان پر بیٹھا تھا ؟'' اُس جوان با ایمان نے کہا ''اُس وقت یہ قاطع الشجر نخلِ بے ثمر اکیلا ایک کیلے کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا '' قاضی نے کہا ''اے جوان نادان! پھر تو نے کیوں کہا کہ میرا کوئی گواہ حسب دل خواہ نہیں ؛ تیرا گواہ کامل اور شاہد عادل موجود ہے ، جا اُس درخت سبز رخت کو لے آ ، وہ تیری گواہی دے جائے گا'' یہ سخن حیرت افگن سن کر وہ پیر مرد اس دم متبسّم ہوا اور وہ جوان دل پریشان نے کہا ''اے قاضی مرد ریاضی! درخت نیک بخت یہاں کیوں کر آئے گا؟'' قاضی شرع متین اور حاکم دین نے کہا کہ ''میری مہر خاص اُس کے پاس لے جا اور اپنی مہر خاموشی کو لب تقریر سے دور کر کے کہنا کہ 'اے درخت سبز رخت! تجھ کو شہر کا قاضی طلب کرتا ہے ، یہ اُس کی مہر خاص میرے پاس موجود ہے، اس مہر سے مجھ کو سرخ رو کر اور روسیاہی نہ دے۔''

یہ کلام نیک انجام قاضی سے سن کر وہ جوان با ایمان مع مہر قاضی اُس درخت کی طرف روانہ ہوا ۔ اس جوان دل پریشان کے روانہ ہونے کے بعد ایک گھڑی کا تغافل دے کے قاضی نے اُس پیر مکار نا ہنجار سے پوچھا کہ ''اے پیر روشن ضمیر! وہ ذی شان درخت کے قریب پہنچا ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ مجھے اور بھی بہت سے قضایائے ضروری حضوری انفصال کرنے ہیں'' یہ سخن قاضی کی زبان سے وہ پیر بے پیر سن کر کہنے لگا کہ ''اے قاضی مرد ریاضی! : مثل

هنوز دهلی دور ست

ابھی وہ گمراہ اثنائے راہ میں ہوگا '' یہ کلام اُس بد انجام کا قاضی سن کر چپ ہو رہا ۔ ایک دو گھڑی کے بعد وہ جوان

دل پریشان قاضی کے قریب آ کر یوں گویا ہوا کہ ''اے زینتِ مسند دین و اے نائبِ شرع متین! تیرے حکم پُر قہر کا وہ درخت سبز رخت مطلق شنوا نہ ہوا'' قاضی نے کہا ''اے جوانِ نادان! وہ درخت تیرے جانے کے بعد خود بخود آ کر گواہی دے گیا'' یہ سخن حیرت افگن وہ پیر سن کر کہنے لگا ''اے قاضی مرد ریاضی! کوئی شجر پُر ثمر تو میرے رو برو نہیں آیا، اتنا جھوٹ بولنے سے کیا حصول اور فائدہ ہے، کیا یہ شعر تیرے گوش زد نہیں ہوا؟: شعر

کسے را کہ گردد زبان دروغ
چراغ دلش را نہ باشد فروغ''

اس کے جواب میں قاضی نے کہا کہ ''اے پیر تن حقیر! تو سچ کہتا ہے کہ درخت نیک بخت میرے قریب نہیں آیا مگر اس وقت مجھ کو اس درخت نے گواہی سے نونہال کیا کہ جس وقت میں نے تجھ سے پوچھا تھا کہ 'وہ جوان درخت کے قریب پہنچا ہوگا یا نہیں۔ تو نے اس کے جواب میں کہا تھا 'ابھی کیا ذکر ہے'۔ پس اگر تو اس درخت کی بیخ و بنیاد سے واقف نہ تھا تو یہ کلام نیک انجام تیری زبان سے کیوں کر سر زد ہوتا کہ 'ہنوز دہلی دور ست'۔ تو یوں ہی کہتا کہ 'میں کیا جانوں وہ درخت سبز کہاں سر سبز ہے'۔ لیکن اس جوان با ایمان نے تجھ کو اس درخت کے نیچے روپے دیے تھے تو تیری زبان نادان سے بے ساختہ یہ سخن نکلا کہ 'وہ جوان تاحال اس تک نہ پہنچا ہوگا'۔ اب مکرنے سے کیا فائدہ، مثل ہے: مصرع

سخن راست بر زبان جاری

اور فی الحقیقت ہے کہ 'دریا کا ھگا منہ ھی پر آ رہتا ہے'۔

اے پیر بے پیر! تیری اسی میں خیریت ہے اور عزت و حرمت ہے کہ اس جوان مرد مسلمان کے سو دینار بلا تکرار حاضر کر، نہیں تو مارے دُرّوں کے تیرے بدن کا پوست اُدھیڑ ڈالوں گا۔" غرض اس پیر شریر نے اُس جوان با ایمان کی وہ امانت بہ صد ندامت دی:

مثنوی

جب ایسے نہ ہوں صاحب انصاف لوگ
تو ہر ایک کو کیوں نہ حرّاف لوگ
کریں اپنی حرفت سے رسوائے خلق
عجب طرح کا ہے یہ ایمائے خلق
جسے یاد ہو کچھ فریبوں کی بات
اُسے لوگ کہتے ہیں 'ہے نیک ذات'
جسے ظاہرا کچھ بھی ایمان ہے
اُسے کہتے ہیں 'صاف شیطان ہے'
اسی فکر میں ہائے مہجور اب
بسر اپنی کرتے ہیں اوقات سب
زہے بے تمیزی و بے حاصلی
کہ در فکر دنیا ز دیں غافلی

حکایت

ایک ساھوکلر نے پیری میں دوسری شادی کی اور آس سے ایک بیٹا پیدا ھوا اور ساھوکار کے مرنے کے بعد دو بیٹے جو پہلی بی بی سے تھے ، انھوں نے اس لڑکے کو حصه نه دیا اور کہا که یه ھمارا بھائی نہیں ھے ۔ اکبر بادشاہ نے انصاف سے اس کو حصه دلوا دیا

منشیانِ کامل اور تواریخ دانانِ قصۂ مشکل، قصۂ راست و باطل کو بیانِ عدالت میں یوں فیصل کرتے ھیں که اکبر بادشاہ کے عصر میں ایک ساھوکار مال دار نے حالتِ پیری و ضعیفی میں آور شادی برائے خانه آبادی کی ، لیکن اس کی اگلی جورو متوفی سے دو پسر رشک قمر موجود تھے۔ غرض اس پیر کبیر کو جو روئے مه رو جوانِ پُرارمان ایسی ملی ، گویا آس کے گھر میں قسمت کی به دولت دوسری لچھمی آئی ، لیکن وہ پیرِ حقیر اور یه جوانِ پُر ارمان ، عقدۂ ھوا و حرص کیوں کر وا ھو ۔ غرض وہ پری رخسار غیرتِ بہار ایک روز برائے تفریح طبع بالائے بام فرحت انجام ، قریب شام جو گئی تو اپنے مکان عالی شان کے نیچے کیا دیکھتی ھے که ایک جوانِ ماہ لقا مہر سیما بیٹھا قرآن مجید کی تلاوت کر رھا ھے ۔ اس غم آمادۂ دل دادہ کو شوھر کا خوف مطلق نه آیا ۔ بہر صورت کوٹھے کے نیچے آتر کر دست بسته کھڑی ھو کر اس نوجوان با ایمان کے مصحفِ رُو کی تلاوت کرنے لگی ۔ غرض وہ جوان با ایمان

بعد تلاوت قرآن اس کو دیکھ کر کہنے لگا ''اے ہمشیرہ صاحبہ! آپ کا اس جا بے موجب بے سبب کیوں کر آنا ہوا ؟'' یہ کلام اس عالی مقام کا سن کر وہ مہ رو دوبدو دل میں کہنے لگی : مصرع

افسوس ہے صد ہزار افسوس

بہ قول شخصے : مصرع

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

یعنی یہ عزیز صاحب تمیز تو مجھ کو منہ سے بہن کہہ بیٹھا ، اب کیا کروں : شعر

کوئی صورت نہیں ہے زندگی کی
رہی جاتی ہے جی میں بات جی کی

اس خیال پُر ملال میں وہ آئینہ رو مانند آئینہ حیران و ششدر کھڑی تھی کہ اس عزیز با تمیز نے بہ صفائی دل اس سے پوچھا کہ ''اے آئینہ رو ، نیک خو! اس وقت تیرے دل میں کدورت اور عارسی کیوں آ گئی'' یہ سخن اس رشک چمن کا سن کر وہ غنچہ دہن کہنے لگی ''اے غنچۂ حدیقۂ خوبی و اے گل باغ محبوبی! اس وقت یہ بے سر و سامان ، پُر ارمان تیرے عشق میں سیماب وار بے تاب و بے قرار ہو کر آئی تھی ، لیکن تو وہ سخن دل شکن زبان پر لایا کہ جس کو سن کر مرغ دل قفس تن میں مثل بلبل تصویر خاموش ہے۔'' یہ گفتگو اس گل رو کی سن کر وہ جوان با ایمان یوں حرف زن ہوا کہ ''اے بہن رشک چمن! خدا کی عنایت اور کرامت سے تیرا شوہر والا گہر موجود ہے، تو مضطر نا حق اس قدر حرص رکھتی ہے ؛ برائے خدا اس حرکات نا شائستہ سے باز آ'' یہ کلام

اس عالی مقام کا سن کر وہ زن ساہوکار دل فگار کہنے لگی کہ ''اے جوان نادان ! اگر اس باغبان کی نسیم مواصلت سے میرا گل مقصود شگفتہ ہوتا تو میں اس روش بے کلی سے تیرے گلے کا کیوں ہار ہوتی ۔'' یہ احوال پُر ملال زن ساہوکار کا سن کر وہ جوان با ایمان یوں گویا ہوا کہ ''اے بہن رشک ِ چمن! اگر حرکات ِ شہوات نفسانی میں تو گرفتار ہے تو ایک کام نیک انجام کر کہ اپنے شوہر شکستہ کمر کو ہر روز مچھلی کے سر کو روغن گاؤ میں پکا کے روٹی کے ہمراہ خاطر خواہ کھلوا ؛ ان شاء اللہ تعالیٰ تجھ کو گرداب ِ الم سے نجات ہو جائے گی اور تیرا حوض ِ مطلب ابر کرم سے لبریز ہو جائے گا : شعر

غرض تیرا مقصد بہ فضل ِ خدا بر آئے گا دنیا میں اے مہ لقا!''

الحاصل اس بے دل کو جوان با ایمان نے اس تشفی اور تسلی سے بہ صد بشاشت رخصت کیا اور وہ زن ساہوکار گھر میں آ کر وہ عمل در پیش لائی ۔ بعد چند ایام عنایت الٰہی سے اس کا تیر مقصد ہدف ِ مدّعا پر لب ِ معشوق ہوا اور یاس و نا امیدی گوشۂ دل سے پرّان ہو گئی ۔ المدّعا چند روز غم اندوز کے بعد وہ زن ِ غنچہ دہن حاملہ ہوئی ؛ اس عرصے میں اس ساہوکار عالی مقدار کی مایۂ زیست لوٹ کر دست قضا نے دوالا نکال دیا اور بعد چند ماہ اس رشک ماہ کے دُرج بطن سے ایک لعل بے بہا پیدا ہوا ۔ رفتہ رفتہ وہ لڑکا سہر لقا جب پانچ چھ برس کا ہوا تو اس کے سوتیلے بھائیوں نے اس کی مادر ِ خستہ جگر کو ورثۂ پدری سے خارج کیا ۔ ہر چند اس نے قاضی اور مفتی سے اپنا حال پُر ملال اظہار و آشکار کیا لیکن کوئی شنوا نہ ہوا ، کس واسطے کہ اس کے داعیہ داروں نے حاکموں سے کہا کہ ''اس کا خاوند نہایت پیر حقیر تھا ، اس کو

رجولیت اس قدر نہ تھی کہ جس سے یہ لڑکا پیدا ہوتا ۔ خدا جانے یہ طفل بے نسل کس کی صلب سے ہے؛ ہم اس کو حصۂ پدری نہ دیں گے‘‘ غرض زن ساھوکار گرفتار بلائے روزگار نہایت حیران و پریشان ہوئی ۔

آخرکار چار و ناچار وہ دل فگار اکبر بادشاہ جم جاہ کے رُو برو دُو بدو یوں حرف زن ہوئی کہ ’’اے شہنشاہ گیتی پناہ! تیری عدالت کی ٹکسال میں میری مایۂ ریاست کی روکڑ نا حق ماری جاتی ہے ، یعنی اُس کے خاوند کا مال بے زوال میرا فرزند دل بند نہیں پاتا ، اس کے بھائی سوتیلے سب کا سب اپنے قبضے میں کر بیٹھے ہیں‘‘ القصہ بادشاہ عالم پناہ نے اُس کے داعیہ داروں کو طلب فرما کے جو احوال دریافت کیا تو وہ سال مردم خور منہ زور یوں گویا ہوئے کہ ’’خداوند نعمت سپہر کرامت! یہ ہمارا بھائی الخدائی ہے ، اس کو ہم ورثۂ پدری کس طرح دیں ، کیوں کہ ہمارے باپ نے اس کی ماں سے حالتِ پیری میں شادی کی تھی؛ چنانچہ مشہور و معروف ہے کہ اُس کو رجولیت کی طاقت نہ تھی ، خدا جانے یہ لڑکا کس کا زائیدہ ہے ۔‘‘

یہ سخن پُرفن اُن کے سن کر اکبر بادشاہ نے اس عورتِ نیک خصلت کو الگ طلب فرما کر پوچھا ’’سچ کہہ کہ تیرا یہ لڑکا کس کے نطفے سے ہے؟ نہیں تو تیرا پیٹ چاک کر کے گُردے نکلوا ڈالوں گا‘‘ غرض اس زن کم سخن نے اُس جوان با ایمان کا تعشّق اور مچھلی کے سروں کا قصہ اکبر بادشاہ سے مشروحاً اظہار کیا ۔ بعد دریافت حال پُر ملال بادشاہ نے قاضی اور مفتی اور کوتوال کو طلب کر کے ارشاد کیا ’’اس زن بیوہ پُر حیا کا انصاف تم نے صاف صاف کیوں نہ کیا جو

ہم تک اس کی نالش پہنچی ؟'' اُن سب نے آپس میں ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ''خداوند نعمت سپہر کرامت ! تحقیقات و انصاف کی رُو سے اس کے فرزند ارجمند کو ورثۂ پدری نہیں پہنچتا ہے'' یہ گفتگو دُو بدُو سن کو بادشاہ نے خادموں سے فرمایا کہ ''اس لڑکے کو حمام با آرام کروا لے آؤ ۔''

المدعا جب وہ لڑکا بعد انفراغ حمام بہ خوشی تمام حضور پُر نور میں حاضر ہوا، اُس وقت بادشاہ عالی جاہ نے ارشاد کیا کہ ''اس لڑکے کو روش پر اس روش سے دوڑاؤ کہ اس کے پھول سے بدن پر شبنم سا پسینہ نکل آئے'' غرض وہ لڑکا جب خوب ادھر اُدھر دوڑا ، تمام بدن گلفام عرق عرق ہوگیا ، تب بادشاہ نے اُس کے پسینے کو رومال محمودی سے پچھوا لیا ۔ اس کے بعد پھر اُس کو خوب دوڑا کر، عرق پچھوا کر ، رومال نچڑوا کر سونگھا تو اُس کے پسینے سے مچھلی کی بو پیدا ہوئی۔ بادشاہ نے آپ اُس کو سونگھ کر اور خادموں کو سونگھوا کر فرمایا کہ ''دیکھو اس میں کس شے کی بو آتی ہے؟'' ہر ایک نے اُس پسینے کو سونگھ کر عرض کی کہ اے ماہ کرامت و اے مہر حشمت ! اس کے عرق میں ماہی کے مراتب کی بو معلوم ہوتی ہے'' تب بادشاہ عالی جاہ نے ہر ایک صاحب عدالت اور ارباب، صداقت سے ارشاد کیا کہ ''اس عورت نیک خصلت سے دریافت کرو کہ اس کے شوہر شکستہ کمر کو دنیاداری کی طاقت ایک باری کس شکل سے ہوئی تھی'' غرض سب اہل عدالت نے جو اس سے پوچھا تو احوال نسخۂ ماہی سقنقور کا ظہور ہوا ؛ تب بادشاہ گیتی پناہ نے پُر غضب ہو کر فرمایا کہ ''تم لوگ یہی عدالت و انصاف کرتے ہو کہ جیسا اس زن کم سخن کا انصاف کیا ؟'' غرض بادشاہ عالم پناہ نے اس لڑکے کو ورثۂ پدری دلوا کر بہ صد بشاشت رخصت کیا ۔

ابیات

غرض سچ تو یوں ہے میانِ جہاں
یہی منصفی چاہیے مہرباں
جو ایسے ہی عادل نہ ہوں بادشاہ
تو ہو جائے یک لخت عالم تباہ
جو مہجور منصف نہ ہوں شہر یار
سدا اُن پہ ہو لعنتِ کردگار

حکایت

ایک شخص حلوائی کی دکان پر مٹھائی لینے گیا اور اُس کا غلہ چرا کر منکر ہوا ـ حلوائی اکبر بادشاہ کے حضور میں اُسے لے گیا، بادشاہ نے دانائی سے انفصال کر دیا

عاقلانِ ذوی الاکرام اور ناقلانِ شیریں کلام یہ حکایتِ پُر بلاغت کہ جس کا ہر ایک سخن مصری کی ڈلی ہے، دکان بیان میں یوں چنتے ہیں کہ حلوائی مقبول خدائی کی دکان عالی‌شان پر ایک عزیز بے تمیز مثل مگس حریص کچھ مٹھائی لینے کو گیا اور ایک روپیہ جیب سے فی الحال نکال کر اُس حلوائی مولائی سے کہنے لگا ''اس روپے کی مٹھائی، اے حلوائی! تازی تازی اندر سے ایسی لا دے کہ اس کو جو کوئی رشکِ یوسف مصری نقل کرے، وہ منہ پر کچھ نہ بات لائے، اور اگر خدا نخواستہ مٹھائی اچھی نہ ہوگی تو مارے تھپڑوں کے تجھ بد قوام کا منہ لال کر کے اجل کی چاشنی

چکھاؤں گا اور ایسی پیزار پٹی کروں گا کہ تیری عقل ریوڑی کے پھیر میں آ جائے گی، اور جو مٹھائی پوری نہ تولے گا تو مارے کفچوں کے تیرا حلوا نکالوں گا یا تیرے ھاتھ کا گٹا توڑ ڈالوں گا" یہ گفتگو اُس بد خُو کی سن کر حلوائی ایسا چپ رہا کہ جیسے کوئی گپ چپ کی مٹھائی کھاتا ھے ۔ بعد تامّل بسیار یوں جواب دہ ھوا "اے بھائی! تجھ کو اس آب و تاب کی مٹھائی دوں گا کہ وہ صفائی ماہ و خور میں نہ ھوگی ، میری بات میں ھرگز نہ شک کرنا ؛ میں لقندرا نہیں ھوں جو میری بات میں اےدلبر فی ھو، اور اگر تجھ کو باور نہیں ھے تو لے ، ایک لڈو اس میں سے کھا جا ، دیکھ تو کیسا در بہشت کا کھلتا ھے ۔"

الحاصل اُس حلوائی نے عین صفائی سے اس کے ھاتھ سے روپیہ لے کر غلے میں رکھ لیا اور آپ اُٹھ کر کوٹھری کے اندر گیا ۔ اس خریدار ناھنجار نے اُس کا تمام غلہ فی‌الحال اپنے رومال میں اُلٹ لیا ۔ غرض حلوائی نے روپے کی مٹھائی بہت تحفہ اور آب دار ایک ٹوکری میں لگا کر اُس کے حوالے کی اور یہ ملعون ذوفنون وھاں سے مٹھائی لے کر ایک بار فرار ھوا ۔ اس کے بعد اس حلوائی کو جو کچھ پیسوں کی خواھش ھوئی تو غلے میں کیا دیکھتا ھے کہ روپے اور پیسوں کا تو کیا ذکر اور مذکور ھے ،کہ کوڑی بھی گھس لگانے کو نہیں نظر آتی ۔ یہ احوال کثیرالاختلال دیکھ کر دل میں کہنے لگا : شعر

کوئی مجھ پہ یہ کیا غضب کر گیا
کہ جس سے میں جیتے ھی جی مر گیا

پھر یکایک سوچ کر کہنے لگا کہ 'جو شخص مٹھائی دانائی سے لینے ابھی آیا تھا، غالب ھے کہ اسی عزیز بے تمیز کی یہ

دست چالاکی ہے۔"

غرض وہ حلوائی مثل سودائی دکان سے اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔ آخر کار وہ نابکار ایک گلی میں کہیں ھاتھ آ گیا۔ اس کو کھینچ کر وہ حلوائی رسوائی سے دکان پر لایا اور اپنا مال بے زوال طلب کرنے لگا۔ وہ عزیز ناچیز منکر ھو کر یہ کلام با دشنام زبان پر لایا کہ "اے بے وقوف! تو بھلے آدمیوں پر ناحق تہمت کا دھڑا باندھتا ھے؟ یہ تیری چکنی چکنی باتیں کچھ سود نہ کریں گی، مجھ کو تیرا غلہ لیتے کسی نے دیکھا ھے جو حق ناحق طوفان پُر بہتان برپا کرتا ھے۔"

القصہ یہ قصہ رفتہ رفتہ اکبر بادشاہ گیتی پناہ کے گوش هوش تک پہنچا۔ بادشاہ نے دونوں کو طلب فرما کے ہر چند چشم نمائی کی مگر وہ عزیز بے تمیز یہی کہتا کیا کہ "خداوند نعمت سپہر کرامت! یہ حلوائی سودائی ھے، یہ رومال مالا مال مجھ پُرملال کا مال ھے" آخرکار چار و ناچار بادشاہ نے اس کو اپنے توشک خانے میں رکھوا دیا اور مدعی اور مدعا علیہ کو فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ، جس شخص کے روپے ہوں گے، اسے پہنچ رہیں گے۔ الغرض وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو راهی هوئے لیکن اکبر بادشاہ نے دل میں کہا کہ 'عجب قصۂ لاحل ھے کہ جس کا حل ھونا نہایت مشکل ھے کیوں کہ اس کا کوئی شاهد و گواہ حسب دل خواہ نہیں ھے، بقول شخصے' :

غیب کی بات کوئی کیا جانے

المدّعا ایک شب بادشاہ عالی جاہ نے نہایت غور کر کے وقت سحر دونوں داد خواھوں کو طلب فرمایا اور ایک خواص خاص کو ارشاد کیا کہ "ایک طشت گرم پانی کا جلد حاضر کر

تا کہ دادخواہوں کی گرمی آب انصاف سے سرد ہو" غرض بہ موجب حکم بادشاہ عالم پناہ آب گرم کا طشت وہیں حاضر ہوا ؛ بادشاہ جم جاہ نے فرمایا کہ اس رومال پُر مال کو اس طشت میں غرق کر دو ۔ غرض اس رومال پُر مال کو آب گرم میں جو مستغرق کیا اور ایک لمحے کے بعد بادشاہ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو کیا ظاہر ہوا کہ اس طشت کے پانی پر چکناہٹ کی ترمری یوں نمایاں ہوئی جس طرح شب دیجور میں اختر فلک چمکتے ہیں ۔ یہ واردات عجائبات بادشاہ جم جاہ نے ملاحظہ فرما کے اشہب تیزگام زبان کو میدانِ عدالت میں یوں جولان کیا کہ "یہ روپے اس حلوائی تمنائی کے واقعی ہیں، کس واسطے کہ اس کے ہاتھ کی چکناہٹ جو روپے پیسوں کو لگی تھی ، سو اس طشت کے آب گرم نے اب حباب آسا ظاہر کر دی اور اس دروغ گو بےآبرو کو سب کے سامنے دریائے ندامت میں ڈبو دیا ۔ اگر اس کے روپے ہوتے تو چکناہٹ سے کیا علاقہ رکھتے؛ حق تو یوں ہے کہ حق حق ہے اور ناحق ناحق" : شعر

غرض بادشہ نے بہ ایں قیل و قال
کیا عقل مندی سے یہ انفصال
جو مہجور ایسی کرے منصفی
تو کیوں کر نہ ہو خلق اس سے خوشی

حکایت

ایک آخوند جولاہے کی لونڈی کو ورغلان کر اپنے گھر میں لے گیا اور جولاہے نے طلب کیا تو آخوند نے کہا ”یہ میری لونڈی ہے۔“ قاضی نے دانائی سے لونڈی جولاہے کے حوالے کی

مالکان ِ تحریر اور منشیان ِ دل پزیر یہ حکایت بے نظیر صفحۂ حریر پر نوک قلم سے یوں رقم کرتے ہیں کہ ایک آخوند خود پسند بے معنی لا یعنی نے ایک جولاہے کی کنیز بے تمیز کو 'گریخت کا قاعدہ پڑھا کر مکتب ِ پوشیدہ میں آور ہی بات کا سبق دینے لگا لیکن اس جاہل کو اپنی قابلیت اور مُقطّع صورت کا مطلق خیال نہ آیا کہ یہ باتیں زیبندہ ہیں یا نہیں۔ الحاصل بعد چند روز جولاہے جگر سوز کو دریافت ہوا کہ میری کنیز ِ بے تمیز محبت کا تانا توڑ کر فلانے آخوند کے گھر میں عیش و عشرت کی پٹاری پھیلائے بیٹھی ہے۔ یہ احوال کثیر الاختلال معلوم و مفہوم کرکے بہ‌صد بے قراری وسوگواری اس آخوند ناقابل کےقریب گیا اور رشتۂ بیان کو زبان کی سلائی پر چڑھا کے یوں پیچک کرنے لگا کہ ”اے معلم بےایمان و اے تخم شیطان! تو بھی اپنے کام کا بہت خاصا اور بڑا گاڑھا ہے کہ میری گل بدن تن زیب لونڈی کو بیٹھے بیٹھے کلام نافرجام سے اڑا لایا۔ تجھ پر غضب الٰہی نازل ہو یا ظلم شائستہ خوانی میں ایسا گرفتار ہو کہ تیرے ھاتھ پاؤں کو جھولا مار جائے، کیوں کہ میں اس کے گلشن فراق

میں شب کو شبنم کی طرح یوں ہاتھ مل مل کے روتا ہوں کہ اشکوں سے سب میرا تر اندام ہو جاتا ہے اور بے چینی سے کم خواب آتا ہے۔ فی‌الحقیقت ہے، بہ قول شخصے: شعر

کروٹیں لیتے ہی لیتے آہ اُڑ جاتی ہے نیند
جس کا دل دلبر میں ہووے اس کو کب آتی ہے نیند

اے آخوند خود پسند! آج بہ ہزار جاسوسی ایک خاک‌روب دوڑلی سے دریافت ہوا کہ میرے عشرت کے تھان کا ریزہ تیرے مکان کی صحن میں بیٹھا اپنے سر کے سرے صاف کرتا ہے؛ اس واسطے چار و ناچار خانے میں تیرے آیا ہوں کہ میری عرض کو اپنی خدمت فیض درجت میں پزیرا کر کے اس کنیز با تمیز کو میرے ساتھ کر دے، نہیں تو یہ مسلم سمجھ لینا کہ اس کا ثمر محمودی نہ ہوگا۔" یہ تقریر ناگزیر اس جولاہے کی سن کر آخوند عقل مند کہنے لگا "اے بے معنیٔ لا یعنی، نمونہ شیطانی! کیا واہی تباہی بکتا ہے، وہ کنیز عزیز اس شخص کی زرخرید ہے، تو کون ہے جو اس کا خریدار نا ہنجار پیدا ہوا:

اشعار

چل دور ہو سامنے سے میرے شیطان چڑھا ہے سر پر تیرے
اترے گا نہیں بغیر پیزار معلوم ہوا مجھے بہ تکرار"

الحاصل یہ قصہ رفتہ رفتہ قاضی مرد ریاضی کے آگے رجوع ہوا۔ آخوند خود پسند نے تو ایک بار اظہار کیا کہ یہ لونڈی میری زر خرید ہے اور جولاہے نے بھی کہا "اے قاضی شرع شریف! خدا تجھ کو اس مسند پیغبری پر دائم و قائم رکھے؛ انصاف سے اس کو صاف تحقیق کر کہ یہ لونڈی میرے پاس ایک مدت مدید سے ہے، اس آخوند نے مہینے کے قریب ہوا ہے کہ وحشت کا

مکتب دکھا کے اس کو عشق کا درس دیا ہے" المدعا قاضی نے جو اس کنیز بے تمیز سے پوچھا کہ سچ کہہ تو کس کی کنیز ناچیز ہے ؟ وہ لونڈی آخوند کی کنودی جواب دہ ہوئی کہ یہ گنہ گار دل فگار اس آخوند دولت مند کی لونڈی ہے ، جولاھا جھک مارتا ہے جو میرا دعویٰ کرتا ہے" یہ اس کی بات واھیات سن کر قاضی مرد ریاضی خاموش ہو گیا ؛ اس کے بعد حکم کیا کہ اس کنیز ناچیز کو قید خانے میں مقید رکھو، دو چار روز کے بعد احوال دریافت کر کے جس کی لونڈی ہوگی ، اُسے مل جائے گی ۔

غرض قاضی نے دو تین دن کی مہلت بہ غفلت دے کر آخوند اور جولاھے کو طلب کر کے اُس لونڈی کو اپنے سامنے بلوایا اور قلم دان دل ستان آگے رکھ کے اس کنیز بے تمیز سے پوچھا کہ "سچ کہہ تو کس کی لونڈی ہے ؟ اپنا اظہار آشکار کر تاکہ میں اس کو لکھ کر تجھ کو رھائی کا حکم دوں" الغرض جس وقت وہ کنیز بے تمیز اپنا احوال فی الحال نوک زبان سے بیان کرنے لگی، قاضی نے بہ آهستگی کہا "ابھی رہ جا ، ایک ذرا اس دوات میں پانی ڈال لا تو تیرا احوال پُر ملال صفحۂ حریر پر تحریر کروں" وہ کنیز بے تمیز بہ صد خوشی دوات بے آب میں پانی جو ڈال لائی تو تمام دوات پُر آب ہو گئی ۔ یہ ماجرائے عجیب قاضئی خوش نصیب دیکھ کر جولاھے سے کہنے لگا "اے عزیز ! یہ کنیز تیری ہے ، اس کو اپنے گھر لے جا اور آخوند دروغ گو ہے ۔ اگر اس کی لونڈی ہوتی تو کیا اس کے قاعدے سے نہ واقف ہوتی ؟ اس قدر دوات میں پانی کیوں ڈال لاتی" اور آخوند سے بہ صد غضب کہا "اے فیلسوف زماں و اے بے وقوف جہاں ! تو نے پرائی لونڈی کو کیوں اپنا زیر مشق بنایا ، تجھ منحرف کو رو سیاھی کا

نہ خطر تھا کہ جولاہے شکستہ احوال جگر شگاف کو غبار خاطر کر کے گلزار جہاں میں بچ رہوں گا ۔ و اللہ باللہ کیا کروں ، اگر تو مرد مسلمان باایمان نہ ہوتا تو تیرے ہاتھ قلم کر ڈالتا اور نہایت زیر و زبر کرتا ، پھر تیری کچھ پیش نہ جاتی ۔'' :

ابیات

غرض قاضی نے اس آخوند کو خوب
کیا نفرین سے لوگوں میں محجوب
نہ کرتا گر بدی ایسی وہ بد ذات
تو کیوں کہتا کوئی مہجور اسے بات
ہمیشہ سے یہی دیکھا سنا ہے
برائی کا نتیجہ بھی برا ہے

چوتھا باب

مصرع کہنے بادشاہوں اور گداؤں میں اور فی البدیہ شاعروں کے مطلع کرنے میں اور بادشاہوں کے چھمچھا کہنے میں اور کبیشروں کے کبت کرنے میں

شاعرانِ فصیح زبان اور کبیشرانِ ملیح بیان اوراقِ گل ہائے بوستان پر قلمِ شاخِ نرگس حیران سے یوں مرقوم کرتے ہیں کہ حضرتِ شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ جس شاہ زادے ، امیرزادے کو خوب صورت نیک سیرت سنتے تو اُس کی نوکری جس فرقے میں بہم پہنچتی ، اُس فرقے میں ملازم ہو کر اس کے جمالِ مہر تمثال سے اپنی آنکھوں کو روشن اور منور کرتے۔ حسب اتفاق ایک شاہ زادے خوزادے کی نوکری شیخ موصوف کو سائیسوں میں بہم پہنچی ؛ چنانچہ ایک روز شاہ زادۂ عشرت اندوز نے یہ مصرع برجستہ موزوں کیا : مصرع

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

لیکن اس کا مصرعِ ثانی اس یوسفِ ثانی ہمسرِ ماہ کنعانی کی زلیخائے طبیعت میں نہ در آیا۔ آخر کار جتنے شعرائے ذوی الاقتدار شاہزادۂ والا تبار کے ملازم تھے ، ہر ایک سے ارشاد با دلِ شاد کیا کہ ”اس مصرع کا مصرع دوسرا جو شاعر بہم پہنچائے گا ، اُس کو بحر دنیا میں اپنا ہم ردیف کروں گا ، اور اگر اس کا مصرع ثانی بہ آسانی کسی سے نہ بہم پہنچے گا ، تو بہ اہل بیت اس

سے اس طرح پیش آؤں گا کہ اُس کا قافیہ تنگ ہو جائے گا ۔'' یہ مضمون زشت و زبون سب شاعروں کو سنا کر شاہ زادہ آپ بھی بحر فکر میں غوطہ زن ہوا اور شاعروں نے بھی دریائے تلاش میں خوب ڈوب ڈوب کر غوّاصی کی لیکن اس مصرع کا دوسرا مصرع خاطر خواہ نہ بہم پہنچا ، تو رفتہ رفتہ یہ ماجرا حیرت افزا شیخ سعدی شیرازی کے گوش ہوش تک پہنچا ، مگر اُن کے گھوڑے کی سواری کی باری کچھ درازی رکھتی تھی ۔

آخر کار جس نفر کام گار کے گھوڑے کی چوکی سحر کی تھی ، شیخ موصوف اُس کے قریب جا کر بہ حالت غریب کہنے لگے کہ ''اے عزیز با تمیز ! صبح تیرے گھوڑے کی سواری باد بہاری میں تیز پا مثل باد صبا دوڑ کر بہ خوبی بجا لاؤں گا اور جو کچھ انعام و اکرام شاہ زادۂ عالی مقام مجھ کو عنایت و کرامت کرے گا ، وہ سب بے رنج و تعب تیری عنان دست میں دوں گا تا کہ تیرے عیال و اطفال کے کام آئے'' یہ کلام نیک انجام وہ نفر بے خبر سن کر نہایت خوش ہو کر دل میں یوں کہنے لگا ''ازیں چہ بہتر ، محنت اور مشقت تو یہ کرے گا اور زر نقد میرے ہاتھ آئے گا ، بہ قول شخصے : مثل

کمائیں خان خاناں اور اُڑائیں میاں فہیم''

یہ خیال مالامال وہ نفر بے خبر دل میں لا کر شیخ موصوف سے کہنے لگا ''کیا مضائقہ ، تیرا کلام معقول میں نے قبول بے عدول کیا ۔'' الحاصل وقت سحر شیخ صاحب چوکی کا گھوڑا لے کر آستانۂ شاہی پر حاضر ہوئے ۔ غرض شاہزادۂ نیک زادہ اُس اسپ باد رفتار پر ایک بار سوار ہو کر برائے سیر مرغزار و لالہ زار راہی ہوا ۔ اس عرصے میں ناگاہ اثنائے راہ میں شاہزادے کو وہ مصرع جو یاد آیا تو سب شعرا اور ندما اور رفقا سے یوں حرف زن ہوا کہ

''کیوں جی؟ ہمارے مصرع کا مصرعِ ثانی کسی با معانی نے نہ بہم پہنچایا، عجب اتفاق ہے!'' ۔

یہ کلام شاہ عالی مقام کا شیخ صاحب مسموع کر کے دست بستہ عرض کرنے لگے کہ ''خداوند نعمت! غلام گستاخانہ عرض کرتا ہے کہ وہ کون سا مصرع تنہا ہے کہ جس کا مصرع ثانی بہ آسانی بہم نہیں پہنچتا ہے؟'' یہ بات واہیات گوش زد کر کے شاہزادے نے جواب نہ دیا ۔ اس میں ایک امیر صاحب توقیر پُر تقریر نے کہا ''پیر و مرشدِ برحق! کیا مضائقہ، یہ بھی بندۂ خدا ہے، شاید اس کا ناوک خیال نشانۂ مقصد پر بیٹھے تو اس کا کچھ عجب نہیں، بہ قول شخصے: شعر

گاہ باشد کہ کودکے ناداں　　بہ غلط بر ہدف زند تیرے''

یہ سخن اس دبیر کہن کا سن کر شاہ زادہ کہنے لگا ''اے نفرِ زبان آور! میرے مصرع کا اگر جواب با صواب تو نہ دے گا تو مارے زیر بندوں کے تیرا قافیہ تنگ کروں گا'' غرض بہ ہزار ناز معشوقانہ وہ یکتائے زمانہ شیخ صاحب کے رُو بُرو یہ مصرعِ موزوں زبان پر لایا: مصرع

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

اس کے جواب میں شیخ موصوف نے توسنِ زبان کو میدانِ سخن میں چمکا کر اور شاہزادے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا کہ ''اے یوسف ثانی ہمسرِ ماہِ کنعانی! : شعر

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ　　شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

یہ مصرع موزوں رشک شمشاد شاہزادۂ والا نژاد گوش زد کر کے مانندِ غنچہ گلشنِ سکوت میں چپ ہوگیا ۔ بعد تامل بسیار وہ غیرت گلزار بلبل زبان کو چمن تقریر میں چہچہہ زن کر کے کہنے

لگا کہ ''اے عندلیب باغ سخن دانی و اے بلبل گلشن معانی! معلوم ہوتا ہے کہ تو سعدی شیرازی ہے'' یہ کہہ کر بہ صد عجزوانکسار شیخ ذوی الاقتدار کو رہوار برق رفتار پر سوار کرکے وہ نونہال حدیقۂ خوبی و گل باغ محبوبی بہ صد خوشی و شگفتگی آگے روانہ ہوا۔

قطعہ

لیک مہجور اب کہاں وہ لوگ
قدر کرتے تھے جو سخن داں کی
اب یہ حالت ہے مردمانِ جہاں
بات سنتے نہیں غزل خواں کی

نقل ہے کہ ایک شخص جگر افگار دل داغ دار کسی شہر یار والا تبار کی دختر رشک قمر پر عاشق زار اور مست و سرشار تھا۔ بادشاہ عالی جاہ گیتی پناہ نے مشورۂ وزرائے عظام و ندمائے عالی مقام سے اُس جوان عاشق زار جگر افگار کو طلب فرما کے کہا کہ ''اے عاشق جاں باز و اے شائق بتانِ طناز! اگر تو اس شخص کی دختر رشک قمر پر اس قدر مثلِ کتان چاک گریباں ہے اور میدان عاشقی میں جواں مردی اور دلاوری سے قدم مارا ہے، تو تیری محبت صادق اور الفت واثق ہم پر اس طرح خوب ثبوت ہو کہ جو تو فلانے مکان عالی شان کی بلندی سے کود کر جاں بر رہے اور تیرے کسی عضو جسمانی کو مضرت نہ پہنچے، تو البتہ تیری عروس امید آغوش حسرت سے بغل گیر بہ صد توقیر ہو جائے گی'' المدّعا وہ عاشق شیدا یہ مژدۂ روح افزا سن کر اس مکان عالی شان کی بلندی رشکِ چرخِ بریں سے کودا لیکن یہ کہتا ہوا:

قطعه

جانانِ مرا به من بیارید
ایں مردہ تنم بدو سپارید
گر بوسہ زند بر ایں لبانم

یہ تیسرا مصرع ادا ہوتے ہی چوتھے مصرع کے کہنے کی باری نہ پہنچی تھی کہ وہ عاشق زار، جگر افگار، اجل گرفتار ایک بار زمین پر گر کے بستر فنا پر غلطیدہ ہوا۔ یہ ماجرا حیرت افزا شیخ سعدی شیرازی مسموع کر کے جو اُس کے لاشۂ پاش پاش کے قریب تشریف فرما ہوئے تو بہ اعجازِ مسیحائی و دانائی یہ مصرع چوتھا موزوں کیا: مصرع

چوں زندہ شوم عجب مدارید

یہ قصہ حیرت افزا اس شہنشاہ گیتی پناہ کے گوش ہوش تک پہنچا کہ وہ کشتۂ جفا پُر دغا بلندی سے تا بہ زمین یہ تین مصرعے حزین کہہ کر ہم ردیف قضا ہوا: مصرع

جانانِ مرا به من بیارید
ایں مردہ تنم بدو سپارید
گر بوسہ زند بر ایں لبانم

لیکن ایک فقیر روشن ضمیر محرم راز نہانی اُس کشتے کی زبانی یوں کہتا ہے: مصرع

چوں زندہ شوم عجب مدارید

یہ کلام حیرت التیام سن کر بادشاہ جمجاہ نے حضرت شیخ سعدی کو طلب فرمایا اور عندلیب زبان کو گلشن تقریر میں نعرہ زن کرکے کہا ”اے درویش خیر اندیش! تو اس جان دادہ دور افتادہ کی زبانی کہتا ہے ”اگر وہ میرے لب پر بوسہ دے، عجب نہ رکھو کہ زندہ ہوں۔“ اس کے جواب میں شیخ سعدی نے کہا ”اے

بادشاہ عالم پناہ! یہ کلام صدق نظام عاشق صادق کا ہے، کیا مذکور جو دروغ ہو، بہ قول شخصے: مثل

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اپنی دختر رشک قمر کو طلب کیجیے اور اس مردۂ بے جان کے لب سے وہ لعل لب، لب کو ملائے، غالب ہے کہ اس کا کاسۂ زیست آب زندگی سے لبا لب ہو جائے۔'' یہ گفتگو دوبدو شیخ نیک خو کی گوش زد کر کے بادشاہ کہنے لگا ''اے فقیر روشن ضمیر! اگر اس بات میں کچھ جھوٹ ہوگا تو واللہ باللہ تجھ کو بھی اس کے برابر بستر فنا پر سلاؤں گا'' یہ سخن دل کش زبان پر لا کے بادشاہ نے اپنی دختر رشک قمر کو خلوت فرما کے وہاں طلب کیا کہ جس جا وہ کشتۂ جفا بستر فنا پر پڑا تھا اور بہ زبان فصاحت پُر بلاغت بیٹی سے کہا ''اے حسن ملیح والے رشک مسیح! اپنے مردۂ بے جان اور کشتۂ ناوک مژگان کو بہ اعجاز مسیحائی بہ صد رعنائی بوسہ لے کر دیکھ تو زندگی سے کیوں کر سرخ رُو ہوتا ہے!'' الحاصل اس پری زاد ستم ایجاد نے جونہیں اس مردۂ بے جان اور کشتۂ لب و دہان کے لب سے اپنے لب کو چسپاں کیا، وونہیں وہ وابستۂ قضا کشتۂ جفا ایک چشم زدن میں اٹھ بیٹھا۔ یہ تماشائے عجیب و غریب ملاحظہ فرما کر اس فقیر روشن ضمیر سے بادشاہ کہنے لگا ''اے عزیز با تمیز! معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ تو شیخ سعدی شیرازی ہے:

مثنوی

کہہ کے اس بادشہ نے یہ بات
اپنی بیٹی کا پکڑ کر ہات
شیخ سعدی کے ہاتھ میں دے کر
کہا بہرِ خدا و پیغمبر

اس کے عاشق کے ساتھ پڑھ کے نکاح
کیجیے سرفراز ہے یہ صلاح
الغرض بادشاہ نے مہجور
عاشق زار کو کیا مسرور
شیخ سعدی کو پھر بہ صد اعزاز
ہم دموں میں بنایا محرم راز

نقل ہے کہ حضرت شیخ سعدی شیرازی ایک شاہ زادۂ خوش جمال مہر تمثال کے ملازمان کم رو میں نوکر تھے ۔ اتفاقاً ایک روز فرحت اندوز وہ گل رعنا خوش زیبا نونہال باغ خوبی نورستۂ گلشن محبوبی اسپ باد رفتار پر سوار ہوکر ایک گلزار پُربہار کی طرف ہو کر گزرا ۔ الغرض گلگشت چمن میں اس رشک شمشاد طبع آزاد نے ایک سرو سہی کو دیکھ کر یہ مصرع موزوں کیا : ع

سرو در باغ بہ یک پاے ستادست نگر

اس کے جواب میں شیخ سعدی شیرازی نے کہا ''اے نونہال حدیقۂ جہاں بانی و اے گل گلستان کامرانی! فی الحقیقت ہے : مصرع

سرو در باغ بہ یک پاے ستادست نگر

لیکن کیا عجب مصرع ثانی ہے :

بہ رکاب تو دود گر بودش پائے دگر

یہ مصرع بے بہا سن کر شاہ زادہ شیخ موصوف سے یوں کہنے لگا کہ ''اے فخر شاعراں و اے رہبر کاملاں! معلوم ہوتا ہے کہ تو شیخ سعدی شیرازی ہے :

ابیات

یہ کہہ کر شاہ زادہ قاش زیں سے
اُتر کر دست بستہ ہو یقیں سے

قدم مخدوم کے لے کر کہا یوں
چھپایا آپ نے تھا آپ کو کیوں
مرے سب خانماں کا فخر ہوتا
جو حضرت آپ کے میں پاؤں دھوتا
غرض مہجور اُس شہ نے بہ تکرار
کیا مخدوم کو گھوڑے پہ اسوار

نقل ہے کہ ایک شاہ زادی خوزادی خوش جمال مہر تمثال فنون شعر میں نہایت موزوں طبع تھی۔ چنانچہ ایک روز وہ دل افروز برائے تفریح طبع اپنے باغ رشک ارم میں قدم رنجہ فرما کر بہ صد شگفتگی خاطر وہ رشک چمن غیرت سمن متصل خیاباں نظارہ کناں مثل گل خنداں تھی۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی اُس شاہ زادی لالہ رو کا شہرۂ حسن سن کر ایک نظر دیکھنے کا دل پر داغ رکھتے تھے۔ المدعا اُس روز مخبران صادق اور محرمان واثق سے معلوم ہوا کہ آج وہ سرتاج گل رویاں اور افسر لالہ رُخاں اپنے گلزار پُر بہار میں رونق افزا ہے۔ یہ نوید سراسر امید مسموع کرکے حضرت شیخ سعدی نے قریب باغ آکر ہر چند اندرون باغ جانے کی تدبیر پُر تشویر کی لیکن کوئی راہ راست ھاتھ نہ آئی اور آخرکار ناچار ایک تابدان کی راہ سے شیخ صاحب سر نکال کے جو دیکھنے لگے تو قضائے کار شاہ زادی غیرت گلزار کی آنکھ سے آنکھ دو چار ہو گئی۔ وھیں شاہ زادی نے فی‌البدیہ یہ مصرع کہا:
مصرع

زمیں ترقید و پیدا شد سرِ خر

اس کے جواب میں شیخ صاحب نے کہا: مصرع

شنید آوازِ مادہ آمدہ نر

یہ مصرع برجستہ سن کر شاہ زادی ماہ رو نیک خو نے شیخ صاحب کو طلب فرما کے بہ صد تعظیم و تکریم صدر نشین کیا ۔

مثنوی

اور کہا ”خوش نصیب میرے تھے
میں نے دیکھے قدم جو حضرت کے
تم سا صاحب کہاں دنیا میں
تم سا شیریں مقال دنیا میں
نہ ہوا ہے نہ ہوئے گا پیدا
جانتے ہیں تمام شاہ و گدا“
سچ ہے مہجور شیخ سعدی کا
شاعروں میں ہے مرتبہ اعلا

نقل ہے کہ ایک عزیز با تمیز ، موزون الطبع ، خوش لہجہ ، حسن پرست ، دلِ دو لخت ، سرشار مئے محبت ایسا تھا کہ بہ قول میر تقی :

مثنوی

سر میں تھا شور شوق دل میں تھا
عشق ہی اُس کے آب و گِل میں تھا
عشق رکھتا تھا اُس کی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم

الحاصل اُس شہر کے بادشاہ عالم پناہ کے پسر رشک قمر پر وہ دل داغ دار عاشق زار ہو گیا لیکن بہ قول مرزا علی لطف کے : شعر

مہر اُس پر کیوں کہ ہو اُس ماہ کو
کیا تناسب ہے گدا سے شاہ کو

الغرض بہ سعئ بسیار اس جگر افگار نے بہ ناچاری خدمت‌گاری میں اُس کی نوکری بہم پہنچائی ، مگر برائے نظارۂ آں ماہ پیکر وہ خستہ جگر آٹھ پہر حاضر رہنے لگا ۔ چنانچہ ایک روز وہ شاہ زادۂ شمع شب افروز خواب سے بیدار ہو کر آئینہ ہاتھ میں لے کر اپنے حسن کی بہار کا جو نظارہ کناں ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ زلف پیچاں رشک سنبل بستاں سَر سے بل کھا کر سرِ گوشِ ہوش سے سرگوشی کر رہی ہے ۔ یہ عالم زلفِ پر خم کا ملاحظہ فرما کے یہ مصرع موزوں کیا : مصرع

زلفِ من خــم شدہ در گـــوش سخن می گوید

اس کے بعد ہر چند اس شاہ زادۂ خود پسند نے بہ غور خوض کیا لیکن مصرع ثانی روکش نقش مانی آئینۂ طبیعت میں جلوہ گر نہ ہوا ۔ آخر کار ہر ایک انیس و جلیس سے فرمایا کہ اس کا دوسرا مصرع برجستہ بہم پہنچاؤ ، لیکن کسی نیک خصال کے خیال میں نہ آیا ؛ تب وہ خدمت‌گار دل افگار دست بستہ ہو کر عرض کرنے لگا کہ ”خداوند نعمت ! وہ کون سا مصرع ہے کہ جس کا مصرع ثانی بہ آسانی بہم نہیں پہنچتا ہے؟“ اس شاہ زادۂ والا تبار عالی مقدار نے کاکلِ معشوقانۂ سخن کو شانہ کاریٔ زبانِ جادو طراز سے آراستہ کر کے کہا ”اے خدمت گار دل افگار ! : مصرع

زلـــفِ من خم شـــدہ در گوش سخن می گوید

یہ مصرع گوش زد کر کے وہ تیرہ بخت سیہ رخت کہنے لگا ” اے نیّرِ حشمت و اقبال و اے ماہِ رفعت و اجلال سچ تو یوں ہے : مصرع

مُو بہ مُو حالِ پریشانیِ من می گوید

نظم

یہ مصرع شاہ زادہ سن کے فی الحال
لگا کہنے زہے میرا یہ اقبال
کہ ایسا بے بہا اور نیک آساس
رہے یوں روز و شب حاضر مرے پاس
تو بس معلوم ہوتا ہے کہ میرا
یہ جان و دل سے ہے مفتون و شیدا
غرض مہجور شہزادے نے اُس کو
رکھا اپنی رفاقت میں خوشی ہو

نقل ہے کہ ایک بادشاہ جم جاہ کے محل خاص کے سر دفتر لالہ رُویاں اور افسرِ گل رُخاں غسل فرما کے برہنہ ایک چوکی طلائی مرصع پر زینت بخش تھی کہ یکایک بادشاہ عالی جاہ جو اندرون محل برآمد ہوئے تو بے ساختہ اس پری بے نقاب پُر حجاب سے چشم دو چار ہو گئی لیکن خواصانِ خاص نے جوں ہی بادشاہِ عالم پناہ کو محل میں برآمد ہوتے دیکھا، وہیں سفید کھیس اُس مہ جبین لعبت چین پر سراسر ڈال دیا ۔ اُس وقت بادشاہِ عالی جاہ نے اپنی ماہِ تاباں مہر درخشاں کو ہلکے ابر میں پنہاں دیکھ کے یہ مصرع بر جستہ کہا : مصرع

آں پری در پردہ شد محو تماشایم ہنوز

اس مصرع پُرحیرت آمادۂ حسرت کو پڑھتا ہوا وہ بادشاہ محل سرا دل کشا سے برآمد ہوا، اور شاعرانِ قدیم اور مصاحبانِ عمیم سے فرمایا کہ اس کا دوسرا مصرع جلد بہم پہنچاؤ ۔ الحاصل سب شاعروں نے مشقت خیال سے گوہر ہائے سخن کو سوراخ کر کے رشتۂ الفاظ میں پرویا، لیکن مصرع اول کے تسلسل معانی

اور مسلسل بیانی سے کوئی منسلک نہ ہوا۔ تب تو بادشاہ عالی جاہ نے با دل شاد ارشاد کیا کہ ''کوئی اور بھی شاعر ہمارے شہر مینو چہر میں ایسا ہے جو ہمارے مصرع سے اپنا مصرع چسپاں کر دے'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر ایک ندیم قدیم کہنے لگا کہ ''خداوند نعمت سپہر کرامت! ایک شاگرد ناصر علی نہایت موزون‌الطبع ہے۔ اگر وہ وحشی رشک انوری حضور پُر نور میں حاضر ہو تو البتہ آپ کے مصرع حیرت افزا کا مطلع بہ از مطلعِ آفتاب جہاں تاب ہو جائے'' یہ سخن حیرت افگن بادشاہ عالی جاہ نے استماع فرما کر کہا کہ ''اُس شاگرد یگانہ اُستاد زمانہ کو بارگاہ شاہی میں طلب کرو'' اُس ندیم قدیم نے جواب دیا ''پیر و مرشد برحق! اس کا حضور پُر نور میں حاضر ہونا نہایت محال اور اشکال ہے، کیوں کہ اس کی ایک جہت ہے؛ اول تو وہ کسی اعلیٰ و ادنیٰ کے گھر میں نہیں جاتا اور کہیں رونق افزائے بزم ہوتا ہے تو اس طرح کہ ایک کشمیری بچے پر وہ ملک الشعرا فریفتہ اور شیدا ہے، جو اُس کشمیری بچے کو کوئی برائے رقص اپنی محفل میں طلب کرتا ہے، تو وہ بھی پروانہ وار اس شمع رو کے ساتھ جا کر صاحب خانہ کے قریب بیٹھتا ہے، اس میں کوئی کیوں نہ ہو۔ خداوند نعمت! وہ سو دائی واہی حضور پُر نور کے قابل نہیں ہے'' یہ سخن دل شکن بادشاہ عالی جاہ سن کر فرمانے لگے ''کیا مضائقہ، اس کشمیری بچے کو طلب کرو'' بقول شخصے، مثل: ''ہم‌فال و ہم‌تماشا'' یعنی ناچ کا ناچ دیکھیں گے اور مطلب کا مطلب حاصل ہوگا مثل ہے'':

''ایک پنتھ دو کاج''

الحاصل بادشاہ عالی جاہ نے اس کشمیری بچے کو برائے رقص محفل شاہی میں طلب کیا، جوں ہی وہ کشمیری غیرت پری بزم

رشک پرستان میں حاضر ہو کر برائے رقص گھونگرو باندھ کے مع سازندہ ہائے خوش نوا کھڑا ہوا ، وہیں وہ شاگرد ناصر علی جلد ایک طرف سے نکل کر بادشاہ عالی جاہ کے قریب جا بیٹھا اور شان کبریائی کا تماشائی ہوا ، لیکن بادشاہ عالم پناہ سے سلام علیک تک بھی نہ کی؛ وہ بادشاہ جم‌جاہ اس کی حرکات واہیات کا مانع نہ ہوا۔ ایک گھڑی کے بعد بادشاہ گیتی پناہ نے وزیر صاحب تدبیر سے کہا کہ ”ہمارا مصرع اس کے رو برو پڑھ کے جواب طلب کرو“ الغرض وزیر صاحب توقیر نے مکرر سہ کرر بادشاہ کا مصرع اس محو جاناں کے رو برو پڑھا لیکن وہ پُر حیرت ایسا عالم محویت میں تھا کہ مطلق جواب دہ نہ ہو سکا۔ آخر کار خود بادشاہ نامدار نے اس خود غلط کا بازو ہلا کر کہا کہ ”میرے مصرع کا جواب با صواب دے کر سرفراز کیجیے“ غرض وہ حیرت زدہ جواب دہ نہ ہوا۔ اتفاقاً اس عرصے میں اس کشمیری بچے کے پاؤں کا گھونگرو رقص کرنے میں جو ٹوٹ گیا تو وہ قدر شناس پاس آداب شاہی سے سازندوں کے پیچھے گھونگرو باندھنے کو بیٹھ گیا۔ اس وقت اسی وحشی نے اپنے پری رُو دل جُو کو نظر سے پنہاں دیکھ کر بادشاہ عالی جاہ سے کہا ”تمھارا مصرع بے بہا کیا خوب دل مرغوب ہے! : مصرع

آں پری در پردہ شد محو تماشائم ہنوز

لیکن اس کا جواب حسب حال ، اے شاہ فرخندہ فال! یوں ہے : مصرع

رفتہ ام از خویشتن چنداں کہ می آیم ہنوز

اشعار

سنا شہ نے بر جستہ مصرع جو یہ
لگا کہنے با صد خوشی تب تو یہ

جو مصرع مرے دل کو مطلوب تھا
وھی آپ نے فی البدیہہ کہا
غرض شہ نے اس شعر گو کو وقار
دیا شاعروں میں بہ صد افتخار
سخن داں سخن گو کی مہجور سب
کریں قدر کیوں کر نہ یوں روز و شب
سخن کے طلب گار ھیں عقل مند
سخن سے ھے نامِ نکویاں بلند

نقل ھے کہ شاہ جہاں بادشاہِ گیتی پناہ کسی چور محل بے بدل میں چوری سے شب کو استراحت فرما ہوئے تھے - وقت سحر وہ شاہ خوش منظر دیوان خاص میں برآمد ہوا - دو چار گھڑی کے بعد کمندِ اشتیاق سے چور محل نے پھر بادشاہ عالی جاہ کو اپنی طرف کھینچا - قضائے کار وہ بیگم بے غم و الم شب کے سرور میں اس شکل سے بیٹھی تھی :

مثنوی

کہ مکھڑے پہ تھی زلف بکھری ہوئی
اور انگیا کچھ اوپر کو اٹھی ہوئی
دوپٹہ بھی سر پر سے سرکا ھوا
نزاکت سے مونڈھے کے نیچے پڑا
اور آنکھیں خماریں وہ نرگس سی آہ
کسی کی ھر اک سمت تکتی تھیں راہ

کہ یکایک شاہ جہاں شہنشاہ زماں سامنے سے جو نمودار و آشکار ہوئے اور بہم دونوں کی آنکھیں جو دو چار ہو گئیں تو وہ آئینہ رو بادشاہ نیک خو کو دیکھ کر بہ حالت ششدر انگشت حیرت

دانتوں میں رکھ کر مثل تصویر دل گیر عالم سکوت میں آ گئی ۔ شاہ جہاں اس زماں وہ انگشت حیرت بہ دنداں دیکھ کر یہ نیم مصرع بر جستہ فرماتے ہوئے محل سے بر آمد ہوئے : مصرع

نیمے دروں نیمے بروں

الحاصل بادشاہ عالم پناہ نے ہر ایک شاعر قدیم اور مصاحب عمیم سے کہا کہ اس نیم مصرع کا سارا مصرع ہو جاوے ۔ غرض ہر ایک نے بہ قدر حوصلہ میدان شاعری میں قدم مارا لیکن کسی کا مصرع اس کے ہم ردیف نہ ہوا ۔ آخر کار ناصر علی[1] رشکِ انوری کو جو بادشاہ نے طلب فرمایا تو وہ فخرِ شاعراں اور رہبرِ کاملاں بادشاہ عالی مقام کا کلام سن کر کہنے لگا کہ ''اے بادشاہ جم جاہ ! تیرے سوال کا یہ جواب با صواب ہے :

از ہیبتِ شاہِ جہاں لرزد زمین و آسماں
انگشتِ حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں

نظم

سن کے یہ شعر بادشہ نے کہا
آفریں باد تجھ کو ضرد خدا
رتبہ ناصر علی کا اے مہجور !
سب پہ روشن ہے کیا کروں مذکور

نقل ہے کہ ایک پری زاد ستم ایجاد جادو نگاہ فسوں ساز سحر طراز صدف چشم کو کحل الجواہر سے چشم بد دور آلودہ کر رہی تھی ، لیکن سرمے کی تیزی سے اشکِ گُہر بار چشمِ آب دار سے کچھ سیاہی آلودہ گرتے تھے ۔ اس ضمن میں بادشاہِ عالم پناہ

---

۱ ۔ ناصر علی سرہندی شاہ جہاں کے عہد کا نہیں بلکہ اورنگ زیب کے عہد کا شاعر ہے ۔

جو محل بے بدل میں درآمد ہوئے تو یہ عالم آس بادشاہ بیگم کا دیکھ کر یہ مصرع بر جستہ موزوں کیا : مصرع

دُر ابلق کسے کم دید موجود

اور اس مصرع کو پڑھتے ہوئے دیوان خاص میں رونق افزا ہو کے شاعروں سے فرمایا کہ اس کا دوسرا مصرع بہم پہنچاؤ۔ ہر چند ہر ایک شناور دریائے معانی نے بحر تفکر میں غواصی کی لیکن دُر مطلب کسی کی صدف میں نہ آیا ۔ آخر کار ایک بار ناصر علی عالی وقار کو بادشاہ نے طلب فرما کے با دل شاد ارشاد کیا ''اے ناصر علی استاد فن شاعری! یہ مصرع تنہا مطلع مثل مطلع آفتاب درخشاں چاہتا ہے'' ناصر علی رشک انوری نے کہا ''اے مہر سپہر کرامت و اے نیر آسمان حشمت! وہ کون سا مصرع ہے کہ جس کا مصرع ثانی بہ آسانی نہیں بہم پہنچتا ہے؟'' بادشاہ جم جاہ نے فرمایا ''اے ناصر علی رشک انوری! : مصرع

دُر ابلق کسے کم دید موجود

اس کے جواب میں ناصر علی نے کہا ، '' خداوند نعمت فی الحقیقت ہے مگر مصرع ثانی : ع

بغیر از اشک چشم سرمہ آلود

اشعار

غرض وہ شاہ مصرع سن کے مہجور
ہوا دل میں نہایت اپنے مسرور
لگا یہ بات کہنے ہر کسی سے
بہ صد فرحت دلی اور منصفی سے
بہ دریائے سخن کہنا روا ہے
یہ مصرع سلک گوہر سے بڑا ہے

نقل ہے کہ شاہ جہان بادشاہ کا دُرِ دندان بوس و کنار میں ایک لالہ رُو کے لبِ لال گوں پر جو لگ گیا تو وہ رشکِ گلستاں مثل گلِ خنداں خنداں ہوئی ۔ اس وقت بادشاہ جم جاہ کی زبان مبارک سے یہ مصرع سر زد ہوا : مصرع

از گزیدن زیب دیگر داد آں لب خندہ را

یہ مصرع پڑھتے پڑھتے بادشاہ عالی جاہ دیوان خاص میں تشریف فرما ہوئے اور اس مصرع کا جواب با صواب ہر ایک سے طلب کیا مگر ایک شاعر شاگرد ناصر علی[1] موزوں طبع رنگیں وضع ، بلبل زبان کو گلشنِ نطق میں چہچہہ زن کر کے کہنے لگا ”اے خداوند نعمت! فی‌الحقیقت ہے : ع

از گزیدن زیب دیگر داد آں لب خندہ را

لیکن مشہور و معروف ہے : ع

قیمت آرے بیشتر باشد عقیق کندہ را

اشعار

سن کے مصرع یہ بادشاہ نے کہا
آفرین باد تجھ کو مرد خدا
کیوں نہ بازار شاعری میں تری
ہوئے قیمت در سخن کی بڑی
الغرض بادشہ نے اے مہجور !
اس کو دولت سے کر دیا معمور

نقل ہے کہ زیب‌النسا حور لقا نے ایک روز کسی غنچہ لب کے خیال میں شگفتگی خاطر میں یہ مصرع رشک شمشاد موزوں

---

۱ ۔ ناصر علی سرہندی شاہ جہان کے عہد کا نہیں بلکہ اورنگ زیب عالم گیر کے عہد کا شاعر ہے ۔

کیا : مصرع

از هم نمے شود زحلاوت جدا لبم

لیکن اس مصرع کا مصرعِ ثانی با معانی گلشن خیال میں کسی روش نہ سر سبز ہوا ۔ آخر کار نا چار زیب‌النسا حور لقا نے ایک صفحۂ رنگیں و قرطاس نگاریں پر بہ خط گلزار وہ مصرع رشک بہار لکھ کر ناصر علی رشک انوری کے قریب بھیجا ۔ اس کے جواب میں ناصر علی رونق باغ شاعری نے قلم شاخ نرگس سے بہ‌خط ریحان اس کاغذ زرافشاں پر یہ مصرع رقم کر کے زیب‌النسا کے پاس بلا وسواس بھیج دیا : مصرع

گویا رسید بر لب زیب النسا لبم

اس مصرع مرزعۂ خشم کو زیب النسا ملاحظہ فرما کر خرمن طپش پر لوٹ کر مثل سنبل پیچ و تاب کھانے لگی اور یہ شعر بران مثل تیغ عریاں بہ نوک قلم رقم کر کے ناصر علی کو بھیجا :

ناصر علی بہ نام علی بُردیٔ پناہ
ورنہ بہ ذوالفقار علی سر برید مت

نظم

لیک شاعر جو ہیں سو اے مہجور
نہیں ڈرتے کسی سے تا مقدور
آن کی میدان شاعری میں زبان
کرتی ہے کام سیف کا ہر آن

نقل ہے کہ سلطان فخرِ شاعرانِ زمان فصل جوش بہار میں مع فضلا و شعرا برائے تفریح طبع ایک دجلۂ رواں کے کنارے لجۂ سیر میں غوطہ زن تھا ۔ اتفاقاً ناصر بخاری درویش مشرب

مائل سیاحت اس مجمع شعرا میں زینت بخش ہوا ۔ سلطان آس آن به رطب‌اللسان یوں گویا ہوا کہ ''اے عزیز با تمیز ! تو کون بشر بے خطر ہے؟'' ناصر بخاری ایک باری طوطی زبان کو میان گلشن بیان یوں نطق میں لایا کہ ''یہ فقیر تن حقیر باغ جہاں میں نخلستان شاعری کی باغ بانی کرتا ہے'' یہ کلام سلطان شیریں کام سن کر کہنے لگا ''اے عزیز باتمیز ! فی‌البدیہ بھی کہنے کی طاقت رکھتا ہے ؟'' اس نے جواب دیا ''البتہ؟'' سلطان صاحب ایمان نے فی البدیہ یہ مصرع موزوں کیا : مصرع

دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ناصر علی بخاری نے کہا سچ ہے لیکن : مصرع

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ ایست

یہ مصرع بر جستہ ناصر علی بخاری سے سن کر تمام شعرا اور فضلا گرداب حیرت میں مستغرق ہوئے اور سلطان خنداں خنداں اٹھ کر بغل گیر ہوا :

قطعہ

کیوں نہ شاعر کی قدر اے مہجور!
شاعران زمان کو ہو منظور
سچ تو یہ ہے نہ گو کوئی مانے
قدر جوہر کی جوہری جانے

نقل ہے کہ ایک روز شیخ علی حزین بہ صد تمکین اپنے گلستان دل ستاں میں تن تنہا گل ہائے مضمون گلشن خیال سے چن چن کر برجستہ غزل کا گلدستہ بیٹھے بنا رہے تھے ، لیکن دربانوں اور پاس بانوں کو حکم تھا کہ اس وقت کوئی ہمارے پاس بلاوسواس آنے نہ پائے۔ قضائے کار ایک شخص زبان طرار اس

گلزار پر بہار میں جانے کو تیار ہوا مگر چوکی داروں کے مانع ہونے سے وہ عزیزِ با تمیز دروازے کی راہ چھوڑ کے بہر روش ایک تابدان کی راہ سے مثل آب رواں اس جا پہنچا کہ جس جا شیخ موصوف مصروف سیر گل‌ھائے مضامین تھے۔ اس عزیز با تمیز کو خار سمجھ کر شیخ موصوف نے بہ زبان فصاحت پر بلاغت فرمایا : مصرع

دریں بزم رہ نیست بیگانہ را

وہ عزیز با تمیز ! اس مصرع کو گوش زد فرما کے بہ چرب زبانی فتیلۂ زبان کو محفلِ سخن میں روشن کر کے کہنے لگا کہ ”اے چراغِ خاندانِ شرافت و اے شمع شبستانِ نجابت! سچ ہے : مصرع

دریں بزم رہ نیست بیگانہ را

لیکن فی‌الحقیقت ہے مصرع ثانی :

کہ پروانگی داد پروانہ را

نظم

سن کے مصرع یہ شیخ جی نے وہیں
اس کو اعزاز سے بٹھایا قریں
سچ ہے مہجور ہر سخن داں کی
قدر کیوں کر کریں نہ دل سے سبھی

نقل ہے کہ شیخ علی حزین بہ صد تمکین مع ہم نشین اپنی محفل عالی منزل مین رونق‌بخش تھے۔ جس وقت کہ شب بوالعجب دوپہر کے قریب گئی ، یکایک شیخ موصوف نے بہ زبان فصیح پر ملیح یہ ارشاد کیا : مصرع

از شب چہ قدر رسیدہ باشد

اس میں ایک شاگرد رشید صاحب فہمید نے جواب دیا :

مصرع ثانی

زلفش بہ کمر رسیدہ باشد

یہ جواب با صواب شاگرد رشید صاحب فہمید کا سن کر شیخ موصوف نہایت محظوظ ہوئے :

مثنوی

بر جستہ سخن کہے جو مہجور
ذی‌عقل نہ ہووے کیوں وہ مشہور
یہ راست ہے جو کہ ہیں سخن سنج
دولت سے سخن کے ہیں وہ بے رنج

نقل ہے کہ ایک امیر صاحب توقیر کہ جس کا نام نیک انجام زبان پر لانا مناسب حال نہیں ہے ، وہ امیر صاحب توقیر شیخ علی حزین عزلت گزین کی ملاقات کے واسطے جو مکان دل ستاں میں تشریف فرما ہونے لگا تو شیخ موصوف کا ایک چوب دار نابکار گویا ہوا کہ ''خداوند نعمت سپہر کرامت! آپ کے در آمد ہونے کی اس غلام ناکام کو خبر کرنی شرط ہے''۔ غرض وہ امیر اس کے سخن کا شنوا نہ ہوا مگر بہ تکدر خاطر شیخ موصوف کے قریب بیٹھ کر یہ مصرع زبان پر لایا : مصرع

درِ درویش را دربان نہ باید

اس کے جواب میں شیخ جی نے بہ نرمیِ زبان فرمایا : ع

بہ باید تا سگِ دنیا نیاید

مثنوی

سن کے مہجور یہ جواب حقیر
شرم گیں دل میں ہو گیا وہ امیر

کیوں نہ وہ شخص دل میں ہوئے خفیف
گوش زد جس کے یہ سخن ہو کثیف

نقل ہے کہ ایک روز اکبر بادشاہ گیتی پناہ گلزار رشک بہار میں سیر کناں تھا کہ ایک بار لالۂ داغدار پر نگاہ جو پڑی تو یہ مصرع رشک شمشاد زبان پر گزرا : مصرع

لالہ در سینہ داغ چوں دارد

اس میں امیر خسرو[1] نیک خو نے عندلیب زبان کو قفس سکوت سے پرواز دے کر گلشن تقریر میں مقرر کیا کہ اے گلِ حدیقۂ جاودانی و اے سرو باغ کامرانی! فی الحقیقت : مصرع

لالہ در سینہ داغ چوں دارہ

لیکن جواب : مصرع ثانی

عمر کوتاہ و غم فزوں دارد

یہ مطلع بوقلمون پُر مضمون سن کر ایک طرف سے بیر بل اکمل مثل گل ہنس کر کہنے لگا ''پیر و مرشد برحق ! غلام ناکام یوں گستاخی کرتا ہے : شعر

لالہ در سینہ داغ چوں دارد
سبز شاخے بہ زیر کوں دارد

مثنوی

مصرعِ بیر بل کو سن مہجور
دل میں اکبر ہوا بہت مسرور

---

۱ - امیر خسرو اور اکبر بادشاہ کے عہد میں تقریباً تین سو سال کا فصل ہے - ''آب حیات'' میں مولانا محمد حسین آزاد نے یہ لطیفہ سودا اور میر جعفر زٹلی کے بارے میں لکھا ہے - دیکھیے ''آب حیات'' ناشر شیخ مبارک علی لاہور ، صفحہ ۱۲۵ -

جو سخن داں ہیں وہ سخن گو کی
قدر کرتے ہیں سن کے بات بُری

نقل ہے کہ ایک بادشاہ عالی‌جاہ نے عالم سرور میں شرابِ سخن شیشۂ مضامین سے نکال کر ساغر موزوں میں بھر کر یہ مصرع پُر کیف کہا : مصرع

ساغر نیمہ و لبریز نہ دید ست کسے

اور اس کا مصرع ثانی با معانی بادشاہ نے ہر ایک سے طلب کیا۔ اپنے بہ قدر حوصلہ سب نے میدان شاعری میں توسن طبع کو چمکایا مگر کسی شخص کا اشہب خیال کوئے سخن میں نہ دوڑا۔ ایک روز بادشاہ عشرت اندوز نے نہایت خفا ہو کر اپنے ملازم افسر شعرا سے یوں کہا کہ ”اگر اس مصرع کا مصرع ثانی بامعانی صبح تک نہ بہم پہنچائے گا تو واللہ باللہ تجھ مردار کو وقت شام دار پر کھینچوں گا“ الحاصل اس شاعر بے بدل سے کوئی مصرع برجستہ سر زد نہ ہوا۔ آخر کار اس شاہ نام‌دار عالی‌وقار نے اپنے سامنے اس شاعر خجستہ جگر کو دار پر کھینچا۔ اس حالت پُر ملالت میں اس نیم جان کا ساغر دہاں شراب سخن سے جو لبریز ہوا تو یہ مصرع بر جستہ زبان پر لایا : شعر

نیم جانے کہ بہ لب بود رسید ست بہ لب
ساغر نیمہ و لبریز نہ دید ست کسے

یہ مصرع برجستہ استماع فرما کر بادشاہ عالی جاہ نے اس کی جان بخشی کی۔

مثنوی

سچ ہے مہجور جو سخن داں ہیں
قدر داں وہ سخن کے ہر آں ہیں

اور جن کو نہیں ہے اس میں دخل
اپنے نزدیک ہیں وہی بے عقل

نقل ہے کہ ایک روز نصف النہار کے قریب نواب عمدۃ الملک نے خانہ باغ کی روش پر گلشن اختلاط میں چاہا کہ اس وقت گنا بیگم غنچہ دھن کے چمن مراد کو آب پاشی عشرت سے سیراب کیجیے ۔ اس میں اس گل زیبا اور سرو رعنا نے بہ صد شگفتگیٔ خاطر نواب موصوف سے کہا ''آپ خیابان خلوت میں رونق افزا ہوجیے ، میں بھی استنجے کی حاجت سے فارغ ہو کر حاضر ہوتی ہوں'' غرض نواب موصوف اس پری رخسار کے کہنے سے پلنگ غیرت گلزار پر غلطیدہ ہوئے کہ چشم انتظار پُر خمار غنودگی سے نیم خوابی میں آ گئی ۔ اس عرصے میں گنا بیگم نے جو آ کر در کا پردہ اٹھایا تو نواب موصوف کی نیم خوابی کا پردہ فاش ہو گیا ۔ یکایک پردے کو ہاتھ سے چھوڑ کر وہ پر حجاب جونہیں پیچھے کو ہٹی کہ ایک بار نواب نام دار کی آہٹ سے جھٹ آنکھ بیدار ہو گئی ۔ اس وقت یہ مصرع بے ساختہ زبان زد ہوا : مصرع

آ کر ہماری لاش پہ کیا یار کر چلے

وہیں گنا بیگم نے جواب دیا : مصرع

خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

یہ مصرع بر جستہ گنا بیگم نے پڑھ کر بہ صد عشوہ گری بہ ناز پری ، بہ خرام کبک دری نواب موصوف کے قریب آ کر نسیم عیش و عشرت سے گل آرزو کو شگفتہ کیا :

مثنوی

کیوں نہ مہجور وہ خوشا اوقات
گل تر کی روشیں ہنسیں دن رات

جن کو اللہ نے میاں جہاں
نعمتیں سو طرح کی دیں ہر آں

نقل ہائے کبیشران

نقل ہے کہ سابق میں راجے مہاراجوں کی بیٹیاں رانی زادیاں بادشاہ اولوالعزم ذوی‌الاکرام کو ڈولے کے طریق پر آتی تھیں اور اُنھیں کی اولاد میں سے شاہزادے خوزادے تخت سلطنت پر جلوس فرماتے تھے ۔ چنانچہ معمول کے موافق ایک رانی گل نو بہارِ جوانی ، بقول میر حسن : شعر

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

اکبر بادشاہ جم جاہ کے محل سرا دل کشا میں رونق بخش ہوئی ۔ ایک شب بادشاہ خود مطلب نے اُس نو رستۂ باغِ نو جوانی گلدستۂ حدیقۂ کامرانی کا غنچۂ امید نسیمِ عشرت سے شگفتہ کرنے کا ارادہ کیا ، لیکن وہ نونہالِ گلشنِ خوبی اور سرو چمنِ محبوبی گلِ عشرت کو خار سمجھ کر خیابان آغوش بادشاہ سے مثلِ صبا جو ہوا ہوئی تو بادشاہ جم جاہ نے دوڑ کر اس کا ساعدِ غیرت شاخ گل اپنے پنجۂ رشکِ مرجان میں پکڑا ۔ الحاصل ان دونوں کی کشاکش سے رانی مہارانی کے لہنگے کا گرہ بند ٹوٹ گیا ؛ وہیں اس شمعِ شب افروز چراغِ عشرت اندوز نے اپنے دونوں ہاتھ ہیہات اُس واسطے شمعِ سوزاں پر رکھ دیے تا کہ چراغِ بے ستری صبائے تیرگی سے گل ہو جائے ۔ یہ تماشائے حیرت افزا اُس ماہِ دل افروز ، رشک بہار نوروز کا دیکھ کر بادشاہ آتش عشق پر سپند آسا تڑپ کر یوں کہنے لگا : چھمچھا

کہہ کارن سندو ہاتھ جری

غرض چھمچھا کہتے ہوئے بادشاہ عالم پناہ محل سے دیوان خاص میں بر آمد ہوئے اور کبیشر زبان آور کو طلب فرمایا ۔ چنانچہ اُس وقت ایک کبیشر خوش منظر جو کہ خانے میں حاضر تھا ۔ حسب ارشاد حضور پر نور دست بستہ حاضر ہوا ۔ اکبر بادشاہ نے فرمایا ''اے کبیشر نیک منظر! اس ارتھ کا کبت پُر مضمون موزوں کر دے، یعنی : چھمچھا

کہہ کارن سندر ہاتھ جری

یہ چھمچھا وہ کبیشر زباں آور سن کر کہنے لگا : دوھرا

کدھی نہ کاگج ہاتھ لیوں نہ جانوں سیاہی کیسا رنگ
سدا سرستی داھنے حکم سے بھگوان کے سنگ

اے بادشاہ عالم پناہ ! اس ارتھ کا یہ کبت ہے :

کبت

نئی ابلہ رس بھید نہ جانت سیج گئی جیہہ مانہ ڈری
رس بات کہی چپ چونک چلی تب دھائی کی کنتھ نے بانہ دھری
ان دونوں کے جھک جھوروں میں کٹھ ناب پتمبر ٹوٹ پڑی
کر دیپک کا من جھانپ لیو یہ کارن سندر ہاتھ جری

یہ کبت حسب حال اُس کبیشر صدق مقال کا سن کر بادشاہ اکبر آتش غضب پر غلطان ہوا اور طیش میں آ کر کہنے لگا ''اس کبیشر گیدی خر نے یہ کبت ایسا حسب حال فی الحال کہا کہ گویا یہ خناس میرے پاس کھڑا تھا :

نظم

مقید کرو اس کو زنداں میں اب
میں ہوں غوطہ زن بحر طوفاں میں اب

غرض اس کبیشر پہ غصہ کیا
اُسی وقت زنداں میں بھجوا دیا
وہیں اک کبیشر نے یہ عرض کی
خداوند ہم سے نہ ہوگا کبھی
کہ شاہوں کے محلوں میں بےخوف و غم
پھریں چوری چوری سے اس طرح ہم

یہ گفتگو دُو بدو دوسرے کبیشر کی سن کر بادشاہ نے خاصہ برداران خاص سے کہا کہ ''اس کو جید مقید کرو، ہم اور چھمچھا بنا لاتے ہیں۔ دیکھیں تو یہ اس کا جواب با صواب کیوں کر دیتا ہے''۔ یہ کہہ کر بادشاہ شہنشاہ محل کے اندر در آمد ہوئے۔ بعد انفراغ خواب وقت طلوع آفتاب عالم تاب لب دریا جھروکے میں جو آ کے زینت بخش ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت خوب صورت مہ پارہ شب کو اپنے شوہر رشکِ قمر کے ساتھ ہم بستر ہو کر وقت سحر بے خوف و خطر برائے اشنان بہ صد سامان دریائے جمن میں نازل ہوئی، تو اُس وقت کا عالم کیا بیان کروں۔ اس مہ جبین کے پانی چیرنے میں بدن کی چمک تا بہ فلک تھی۔ جس طرح آب صاف میں ماہ تاباں اور مہر درخشاں کی پرچھائیں دیکھتے ہیں اور یکایک وہ پُرفن غوطہ زن ہو کر پانی پر جو اُبھری تو اُس کے بال وبال عارض ہو کر تمام منہ پر آ رہے۔ اس مہ جبین لعبت چین نے جو دونوں ہاتھوں سے اُن بالوں کو ادھر اُدھر پریشان کیا تو اُس کے مکھڑے کا اُن بالوں میں یہ نقشہ معلوم ہونے لگا کہ جس طرح آفتاب جہاں تاب کوہ پر شکوہ کے درمیان نکلتا ہے۔ یہ عالم وہ شاہ نیر سپہر اعظم دیکھ کر یہ سخن زبان پر لایا : چھمچھا

نکسو رب پھوڑ پہاڑ کے تائیں

الحاصل بادشاہ عالم پناہ چھمچھا کہتے ہوئے محل سے باہر آئے اور دوسرے کبیشر محبوس دل مایوس کو بلوا کے فرمایا ''اے کبیشر نیک اختر ! اس چھمچھا کا کیا کبت کہتا ہے ، جلد بیان کر : چھمچھا

نکسو رب پھوڑ پہاڑ کے تائیں

اس ارتھ کا جو عالم میں نے دیکھا ہے ، اگر ویسا ہی نہ کہے گا تو تجھ کو ہاتھ پاؤں باندھ کے دریائے سیاست میں ڈبوا دوں گا ۔'' یہ سخن دل شکن بادشاہ کا سن کر وہ کبیشر اپنے دیوتاؤں کو منا کر کہنے لگا ''خداوند نعمت سپہر کرامت! اس کا یہ مطلب ہے :

کبت

پرات سمیں رس کیل کیوا لی بھور بھیو آٹھ منجن دھائیں
نیر کی چھیر میں د یہ دلی جمنا جل میں جیسے چندر کی چھائیں
لے بڑ کی جل سے آبھری آلجھن آنکھین مکھ اوپر آئیں
دو دو کر کیس سنوار لیو نکسو رب پھوڑ پہاڑ کے تائیں

یہ کبت پُر حیرت سن کر وہ بادشاہ عالم پناہ دریائے تحیر میں مستغرق ہو کر کہنے لگا ۔ ''یہ کبیشر جادو گر ہیں ، سحر کے زور سے ان کا ہم زاد ہمارے ساتھ ساتھ رہتا ہے کیوں کہ جو عالمِ صبح دم میں نے تنِ تنہا لب دریا دیکھا تھا ، وہی نقشہ ہُو بہ ہُو میرے رُو برُو اس نے زبان قلم سے قرطاس بیان پر کھینچ کر دکھا دیا : شعر

بھلا کیونکر نہ میری عقل ہو دنگ
بیان غیب کرنے کے ہیں یہ ڈھنگ

یہ گفتگو عربدہ جو اکبر بادشاہ گیتی پناہ کی سن کر

کب گنگ کبیشر نیک محضر کہنے لگا ''خداوند نعمت! ہم لوگوں کی کیا قدرت اور جرأت ہے کہ زور جادو سے نمک حرامی کریں۔ ہم لوگوں کو سرستی کا بل بر محل البتہ ہوتا ہے۔'' یہ بات واهیات کب گنگ خوش آهنگ کی سن کر بادشاہ چوکی داروں سے فرمانے لگے۔ ''اس کب گنگ بے ننگ کو تم سب هاتھ پاؤں جکڑ کے پکڑے رهو ، هم محل بے بدل میں جاتے هیں ، دیکھیں اس کا کہنا کیا ظہور پکڑتا ہے۔''

الحاصل بادشاہ جم جاہ محل کے اندر رونق افزا ہوئے۔ وهاں ایک حور لقا ماہ سیما اپنا سنگار رشکِ بہار کر کے عطر سہاگ میں ڈوبی ہوئی بام دل آرام کی طرف چلی تھی کہ بادشاہ جم جاہ کا مشامِ کام دیو بوئے سہاگ سے معطر ہوا تو اس نازنین مہ جبین کا دست سیمیں بغل میں داب کر کوٹھے پر مراجعت فرما ہوئے ، لیکن تیسرے زینے پر قدم جو بے قرینے پڑا تو یکایک اُس پری رخسار رشک بہار کے ساعد سیمیں کا کنگن طلائی ڈھیلے پن سے بادشاہ کی بغل میں رہ گیا اور وہ نازنین مہ جبین زمین پر گر پڑی، اور کنگن رشک چمن بادشاہ کی بغل سے جدا ہو کر اُس نازنین کی فرقت میں ہر ایک زینے سے سر ٹکراتا ہوا زمین پر گر پڑا ، تو عجب آواز خوش انداز پیدا ہوئی کہ جس پر بادشاہ کو یہ ارتھ سوجھا : چھمچھا

ٹھن ٹھن ٹھن ٹھن ٹھکو

اس چھمچھا کو کہتے ہوئے بادشاہ عالی جاہ محل سے بر آمد ہوئے اور کب گنگ سے فرمایا کہ ''اے کب گنگ خوش رنگ ! اس ارتھ کا کیا کبت ہے : چھمچھا

ٹھن ٹھن ٹھن ٹھن ٹھکو

یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر کب گنگ نے اپنی سرستی کو پہلے یاد کر کے جواب دیا ''خدا وند نعمت! یہ کبت یوں ھے :

کبت

انگم سار سو گند لگاوت باس وھیں جوندیس کو مہکو
آئی کر سنگار اٹا کو چلیں منہ دیکھت لالن کو لہکو
کنگن ایک کرو جو کرسوں سڑھن پھرے وہ بھکو
کب گنگ کہیں یہ سبد سنو ٹھن ٹھن ٹھن ٹھن ٹھکو

اس کبت پر حیرت کے سنتے ھی بادشاہ جم جاہ کا زیور حواس گلوئے عقل سے ٹوٹ کر گر پڑا، اور ھوش کی چودانی گوش دماغ سے پرواز کر کے بالا بالا عالم بالا کو پہنچی، اور وھم و فہم کا نو رتن بازوئے ادراک سے کھل کر دست بہ دست جاتا رھا، اور حیرانی کی ھیکل اور پریشانی کا طوق گردن قیاس سلطانی سے گلوگیر ھوا، اور انگشتر حیرت انگشتِ خیال میں تنگ ھو کر انگشت نما ھوئی ۔ غرض بادشاہ حلقۂ تفکر میں ایسے مستغرق ھوئے کہ عقل کی مچھلی پتال کو گئی ۔ تب بادشا جم جاہ نے توڑے دار سپاھیوں کو یہ حکم کرا دیا کہ ان کبیشروں کو زنجیر پائے زیب کر کے چھڑا چھڑا مقید کرو تاکہ یہ آپس میں ناد علی پڑھ کے کچھ دعا تعویذ نہ کرنے پائیں اور بندی خانے کے اندر اپنے پیٹ میں بچھوا مار کے نہ مر جائیں کہ مجھ کو کلنگ کا ٹیکا نہ لگے ۔

المدعا بادشاہ جم جاہ نے سب کبیشروں کو جید مقید کیا ۔ چند روز کے بعد ایک کبیشر دلاور حکمت نامی دلیپ کا شاگرد حضور لامع النور میں حاضر ھو کر شاھانہ اسیس کے بعد

کہ لہجۂ زبان کو سرود تقریر پر کھینچ کر کہنے لگا ''پیر و مرشد برحق! ہم لوگ اس قدر مورد عتاب نہیں ہیں جو آپ عتاب فرماتے ہیں'' یہ سخن اس شیریں دھن کا استماع کر کے محل سرائے دل کشا میں بادشاہ در آمد ہوئے۔ اتفاقاً اس کے صحن مکان میں ایک یاقوت لب عالی نسب ملکۂ جواہر نامی ادھر اُدھر پنجۂ رشک مرجان کمر پر دھرے چہل قدمی کر رہی تھی۔ بادشاہ عالم پناہ اس لعل بے بہا کے قرین آ کر دست بہ دست خوش طبعی کرنے لگے، قضائے کار ایک بار شاہ نام‌دار کا اس کے مالۂ مروارید پر جو ہاتھ پڑ گیا تو وہ رشتہ گلو سے ٹوٹ کر گر پڑا، تو وہ نازنین مہ جبین بہ حالت غم‌گین جھک کر موتیوں کو چننے لگی۔ اس میں بادشاہ جم جاہ کے منہ سے یہ ارتھ سرزد ہوا: چھمچھا

نہ ھو رو سیس لیت ھے تارن سے

یہ چھمچھا کہتے ہوئے بادشاہ دیوان خاص میں تشریف فرما ہوئے اور حکمت سے ارشاد کیا کہ ''اس ارتھ کا کبت میرے حسب حال فی الحال نہ بنائے گا تو واللہ باللہ تا بہ زیست کسی کبیشر کو قید سے رہائی نہ دوں گا۔'' یہ کلام بادشاہ ذوی الاکرام کا سن کر حکمت کہنے لگا: دوھرا

کدھی نہ کاگج ھاتھ لیوں نہ جانوں سیاھی کیسا رنگ
سدا سرستی داھنے حکم ھے بھگوان کے سنگ

یہ دوھرا دیوتا کا پڑھ کے کہنے لگا ''خدا وند نعمت نیّر حشمت! اس ارتھ کا یہ کبت ھے:

کبت

ایک سمیں سنگ سیام ھنسی کر لاگ گیو جو مالن سے
مکتا کلی ٹوٹ گری بھویں میں تر لاگی نین نہارن سے

کٹ سے نہوری کرسوں بنتی حکمت پران بچارن سے
دلیپ کے ناؤ سمیر چڑھے نہ ہو رو سیس لیت ہے تارن سے

قصہ مختصر اس کے گہر ہائے سخن کی مسلسل بیانی پر نہایت خوش ہو کر بادشاہ عالم پناہ نے ان تینوں کبیشروں کو محبوس خانہ سے طلب فرما کے خلعت پر زر مع مالۂ مروارید عنایت فرمائے :

مثنوی

سچ ہے مہجور جو سخن داں ہیں
قدر دان گفتگو کے ہر آن ہیں
اور جنھیں کچھ نہیں سخن کا مزا
خزف و لعل کو وہ جانیں کیا

نقل ہے ایک روز بادشاہ عالم پناہ اسپ باد رفتار پر سوار ایک بار چار سوئے بازار میں جونہی پہنچے کہ یکا یک بادشاہ کی نگاہ ایک دریچے کی طرف جو پڑی تو کیا نظر آیا کہ ایک مہ پارہ سر تا بہ پا زیور میں آراستہ دریچے کے پٹ سے لگی ہوئی ایک پٹ کی اوٹ میں نظارہ کناں ہے ۔ جونہیں آس نازنین مہ جبین کی آنکھ بادشاہ کی آنکھ سے دو چار ہوئی تو وہ رشک مہتاب پُر حجاب دوپٹہ رشک سحاب منہ پر ڈال کر دریچے کے پٹ کو جھٹ پٹ بند کر کے پٹ کی اوٹ میں بازو لگا کر بیٹھ گئی ۔ یہ عالم اس پر فہم کا دیکھ کر بادشاہ عالم پناہ نے قفل سکوت کو کلید زبان سے جھڑ سے کھول کر چھمچھا موزوں کیا : چھمچھا

سوھا ڈار مکھ ناری کنواری پٹ دے گئی

الحاصل دیوان خاص میں رونق افزا ہو کر کب گنگ خوش آہنگ کو ارشاد فرمایا کہ ’’اس کا کبت ، اے پُر فراست!

جلد کہہ دے۔" یہ ارشاد حضور پر نور کب گنگ سن کر کہنے لگا کہ" خدا وند نعمت سپہر عظمت! میرے خیال کثیر الاختلال میں یہ آتا ھے کہ :

کبت

با در سی نکس دامنی سی دمک کوندھا سی لپک چتون میں چتی گئی
کچھن کٹاری انگ کام بھاری بھون کی مردر میں کرور کھوں کے گئی
کانن سو ھیں کرن پھول اور دیکھے جائے سدہ بھول دھرت کے چرن پیاری جیو لے گئی
کہاں لون بکھا نین گنگ آلی رسی تہاری سہاڈارمکھ ناری کنواری پٹ دے گئی

مثنوی

کہا یہ کبت اس نے جب حسب حال
توشہ نے آسے کر دیا نونہال
سخن گو کی مہجور سب اھل صدر
بہ قول نظامی کریں کیوں نہ قدر
ھزار آفریں بر سخن پروری
کہ بہ سازد از ھر جوے جوھری

نقل ھے کہ ایک روز اکبر بادشاہ عشرت اندوز بر سر راہ ایک بارہ دری میں بیٹھے نظارہ کناں تھے کہ ایک نازنین مہ جبین ڈول میں پانی بھرے آس طرف سے ھو کر نکلی اور بادشاہ جم جاہ کی نگاہ اس رشک ماہ کی چھاتی پر جو پڑی تو کیا نظر آیا کہ کچھ انگیا کے مسکنے سے چھاتی یوں آبھری دکھائی دیتی ھے ، بہ قول شخصے : چھمچھا

نکست کلی گلاب کی جیوں نکست للت لکیر

اور آس کی اٹھکیلی کی چال خوش انداز سے ڈول کا پانی ھلتا جاتا تھا ۔ اس عالم پر بادشاہ کے دل پر یہ مضمون گزرا کہ اس ڈول کے پانی کا ھلنا بے وجہ نہیں ھے ، یعنی اس نازنین

مہ جبین کی ابھری ہوئی چھاتیوں کو دیکھ کر وہ پانی بہ خوش بیانی یوں کہتا ہے کہ 'ہیہات میرے ہاتھ نہ ہوئے جو میں ان چھاتیوں تک دسترس پا کر محظوظ ہوتا' اور فی الحقیقت وہ چھاتیاں ایسی تھیں کہ جسؒ کے وصف میں مرزا رفیع السودا یوں کہتے ہیں : شعر

لنج یہ قصد رکھے ڈال دے تو ان پر ہاتھ
لنگ کے جی میں یہ آتا ہے کہ لے بھاگ اچک

المطلب بادشاہ جم جاہ نے اس ڈول کی ڈانواں ڈول طبیعت دیکھ کر اور پانی کے ہلنے پر یہ چھمچھا کہا : چھمچھا

کہہ کارن ڈول میں ہالت پانی

یہ چھمچھا کہتے ہوئے بادشاہ نے دیوان خاص میں بر آمد ہو کر ہر ایک کبیشر سے ارشاد کیا کہ اس ارتھ کا کبت جلد تیار کرو ۔ اس میں کب سنت صاحب قُوت اپنے دیوتاؤں کو یاد کر کے بادشاہ عالم پناہ سے کہنے لگا کہ ''خدا وند نعمت مہر سپہر کرامت ! اس کا کبت یوں ہے :

کبت

اک سیمیں جل آنن گھر سے نکسی ابلہ برج کی رانی
جات سکول میں ڈول بھرن جل کھینچت تھی انگیا مسکانی
دیکھا سبھا چھتیاں او گھرین کب سنت کہیں منسا للچانی
ہاتھ بنا پچھتات رہو یہ کارن ڈول میں ہالت پانی

یہ کبت پُر حیرت ساعت فرما کر وہ ماہ رفعت مہر حشمت نہایت مسرور و محظوظ ہوا اور کبت کا صلہ ایسا بے بہا دیا کہ پھر اس کو روپوؤں پیسوں کی چاہ نہ رہی ، بلکہ ایک چشمۂ فیض اس کبیشر کے گھر سے جاری رہا :

قطعه

کیوں نہ مہجور قدر دان سخن
سمجھیں اہل سخن کو کان سخن
کھل گیا جس پہ ان کا رتبا ہے
دل سے خدمت وہ خوب کرتا ہے

نقل ہے کہ اکبر بادشاہ عالی جاہ نے ایک روز بہ صد شگفتگیٔ دل ایک خواصِ خاص سبز رنگ، خوش آہنگ، لعل لب، غنچہ دہن کو پان کا بیڑا رشکِ لعلِ بے بہا اپنے ہاتھ سے کھول کر کھلا دیا ۔ وہ نازنین مہ جبین اس گلوری کو درجکِ دہن میں رکھ کر دست بستہ برائے تعظیم و تکریم بادشاہ عالم پناہ کے سامنے سرنگوں ہوئی ۔ اس میں اس معدنِ عشرت اور کان حلاوت نے اس نازنین مہ جبین کو آغوشِ دلبری میں کھینچ کر اس کے نازک پستان رشکِ انارِ بستان پر دست ہوس ڈالا کہ یکا یک وہ نازنین مہ جبین اس حالتَ پُر حلاوت میں جو متبسّم ہوئی تو پان کی پیک زنخدان رشک سیب گلستان پر گر پڑی تو اس ٹھوڑی کا یہ عالم نمایاں ہو گیا کہ گویا ماہ تاباں کو چیر کے کسم چوایا ہے ۔ اس عالم بے بہا پر بادشاہ عالم پناہ نے یہ چھمچھا موزوں کیا : چھمچھا

مانو چندر کو چیر کسم چوایو

یہ چھمچھا جان باختہ کہتا ہوا وہ بادشاہ عالی جاہ اندرون محل سے بر آمد ہوا اور ایک کبیشر خوش منظر کو طلب فرما کر سوال کیا کہ اس ارتھ کا کبت پُر حلاوت جلد موزوں کر دے ۔ اس کبیشر زباں آور نے جواب دیا کہ ”اے بہارِ سبز بختانِ گلشنِ دولت و اے آبشارِ خیابانِ چمنِ حشمت !

اس چھمچھا کا یہ کبت ہے :

کبت

ایک سیمیں پیا نے سکھ میں کر کھول کے آپ تنبول کھلایو
چندر مکھی مُکھ میں لے اپنے کر جور کے جوں ہی سیس نوایو
لالن لال لیے ہت سوں انگین چھتیاں جیورا ہول سایو
مسکاتے پیک گرے مکھ سوں مانو چندر کو چیر کسم چوایو

قطعہ

اُس کبیشر کا گوش کر کے کلام
بادشـــہ نے دیـــا بہت انعـــام
قدر داں جو سخن کے ہیں مہجور
وہ سخن کو سراہتے ہیں ضرور

نقل ہے کہ ایک روز بادشاہ گیتی پناہ لب دریا بارہ دری میں پیش از طلوع آفتاب عالم تاب اپنی موج میں سیر دریا کر رہا تھا ۔ ایک نازنین ماہ جبین جادو نگاہ اپنے خاوند کے ہمراہ شب کو ہم بستر ہو کر ناگاہ وقت پگاہ مثل ماہ دریا میں نہانے کو آئی اور غوطہ زن ہو کر اپنے بال رشکِ سنبلِ بستان غیرت دہِ مہر درخشان کھڑی ہو کر جو نچوڑنے لگی تو بادشاہ عالم پناہ کو اُس کے قطرات آب دیکھ کر یہ مضمون سوجھا کہ اس جعدِ عنبرین کی چوٹی سے سراسر یہ پانی کی بوندیں نہیں گرتی ہیں ، مار سیہ نے ماہ تاباں کو جو چوسا ہے تو اُس کا امرت دم کی راہ سے بہہ نکلا ہے ۔ اس عالم پر یہ ارتھ زبان پر گزرا : چھمچھا
امیں نکسوبہ پونچھ کے اورن

اس ارتھ کو پڑھتے پڑھتے بادشاہ عالم پناہ دیوانِ خاص میں زینت بخش ہو کر پرھت کبیشر خوش منظر سے کہنے لگے

که اس چھمچھا کا کبت موزوں کر ، یعنی : چھمچھا
امیں نکسوبه پونچھ کے اورن

اس کا انعام به خواهش تمام تجھ کو خزانۂ راجا باسک سے ایسا عنایت ہوگا که تو بڑا کوڑ یالا ہو جائے گا اور تیرے من کی آرزو سب نکل جائے گی ، اور احیاناً اس ارتھ کا کبت میرے حسب دل خواہ واللہ نه بنے گا تو اے افعی زبان ! تجھ نا توان کو اس قدر مار پڑے گی که تیرے بدن کی کھال کیچلی کی طرح اُدھڑ جائے گی اور قالب کی بانبی سے تیری روح کی ناگن لہرا کر فرار ہو جائے گی اور اژدہائے جان بےگمان کہسار قضا سے سر پٹک کے بے جان ہو جائے گا ، ویا تجھ روسیاہ گمراہ کا منه کالا کر کے ناگپور کے اجگر قید خانے میں مقید کروں گا'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ کبیشر خوش منظر کچھ منتر پڑھ کے کہنے لگا ''اے خدا وند جہان و اے قبلۂ زمان ! اس ارتھ کا یہ کبت ھے :

کبت

ایک سیمیں ہر سون رت مانکے پرات گئی سلتادینه کھورن
دے بڑکی جھین نکسین اور ٹھاری بھئی کج لاک نچوڑن
پرھت بلوکت با چھپ کو جل کے گنگا چوئیں بال کے جھورن
چند کو چوست ھے مانو ناگ میں نکسوبه پونچھ کے اورن

اشعار

یہ سن کر کبت بادشہ نے کہا
که صد آفریں مرحبا مرحبا
کہا تو نے ایسا کبت حسب حال
که جس سے مراجی ہوا خوش کمال

غرض شاہ نے ہو کے مسرور خوب
دیا اُس کو انعام مہجور خوب

نقل ہے کہ ایک نازنین مہر جبین ماہ ثانی رنگ چنپئی رشک زعفرانی غسل کرکے چوکی طلائی مرصع پر زر کی غلطے کا تہمت باندھے بیٹھی بال رشک سنبل بستان بے گمان سُکھا رہی تھی کہ یکا یک اچانک بادشاہ گیتی پناہ اُس کی پشت کی طرف سے محل بے بدل میں جو در آمد ہوئے تو بادشاہ عالم پناہ کو اُس کی پشت کندن سی دمکتی ہوئی پر بالوں کی سیاہی یوں نظر آئی کہ جس پر یہ چھمچھا زبان زد ہوا : چھمچھا

سونے کی دیوار پر چیونٹی کے پر نارے ہیں

یہ ارتھ پڑھتا ہوا وہ بادشاہ عالی جاہ محل بے بدل سے باہر آیا اور ایک کبیشر ہمسر کب گنگ اور افسر دلیپ خوش آہنگ کو طلب کرکے کہا ''اس ارتھ کا کبت ایسا بے بہا بنا دے کہ جس میں سرا سر میرا مطلب ہمسر ہو اور اگر اس میں ایک سرمُو تفاوت ہوگا تو تیرا سر تیغ ندامت سے سردست کاٹا جائے گا اور احیاناً مقصد حضور پر نور سے تیرا مضمون سربر ہوگا تو تجھ کو سر افراز و ممتاز بے انداز کرکے سرداروں میں سر بلند کروں گا'' :

نظم

اس کبیشر نے سن کے شہ سے کہا
زہے اقبال اس کبیشر کا
جس کو حضرت سراہیں یوں دل سے
ہے میسر یہ بات مشکل سے

المدعا اس کبیشر صاحب ذکا بے ہمتا نے فی الحال بہ حسب حال

یہ کبت بنایا :

کبت

چکنے جھر جھارسانو پنکھدار کیدھوں بھورن کی ڈار کی کیدھوں سوتن کے بچارے ھیں
سر ستھا کیدھوں ناگن دار کیدھوں نار مکبھول کسی سیج سنوارے ھیں
کاجرتے کارے اندھیارے اندھیارے پریم لگت پیاری سوندھاتے سوندھارے ھیں
لانبے لبھکارے گوری پیٹھ ھو پردارے سونے کی دیوار پر چیونٹی کے پرنارے ھیں

ابیات

سن کے اس کا کبت سبھی یکسر
مرحبا بول آٹھے خوشی ھو کر
اور شہ نے اُسے سر دربار
سر براھوں کا کر دیا سردار
واقعی جو سخن کہے فی‌الحال
اس کو کرتے ھیں قدر داں نہال
لیک مہجور اب کہاں وہ لوگ
کیا سخن سنج تھے یہاں وہ لوگ

نقل ھے کہ ایک جوھری رشک پری قدیم اکبر آباد کا مقیم ھیرا لعل نامی چنی لال کے بیٹے نے برائے تجارت جواھرات نادرات جھنّے پنّے کو سفر کیا تھا لیکن اُس کے فراق اور اشتیاق میں اس کی جورو نیک خو کا یہ احوال پُر ملال تھا کہ آٹھ پہر اپنے شوھر کے دُر دندان کے خیال میں رو رو کے سلک گہر صدف چشم سے بہایا کرتی اور کبھی اس کے لب یاقوت گوں کے دھیان میں دیدۂ خوں بار سے لخت جگر مثل عقیق احمر ٹپکاتی ، اور کبھی اس کے رخ سبز رنگ رشک زمرد رمانی کے تصور میں دستِ وحشت غیرت پنجۂ مرجان سے اپنے عارض گلفام کو مارے

طمانچوں کے لال کی مانند لال کرتی ، اور اُس کے یشب خیال میں وصل کی تختی برائے خفقان وہ کشتۂ حرمان روز و شب سینے پر رکھتی ، اور کبھی اُس کے کاکل مشکیں کے دھیان میں نیلم کی طرح آنکھوں میں ایسی تیرگی چھائی تھی کہ مانند دانہ سلیمانی دیدے پتھرا جاتے تھے -

الغرض اسی حالت پُر ملالت میں اس جوھری رشک پری کے رشتۂ حیات ٹوٹ جانے کا جو نامہ قاصد غم آمادہ در پر لایا تو اس نازنین اندوہ گین کا احوال پُر ملال کیا بیان کروں کہ نامہ بر کی آمد سنتے ھی یہ حقیقت ھوئی کہ ننگ و حیا کا لفافہ کھل گیا اور ابر عشق سے چھاتی بھر آئی ، دونوں صدف چشم سے موتیوں کی لڑی نکلنے لگی - اس حالت پُر صعوبت میں ایک باری بہ صد بےقراری وہ خود غلط خط لینے کو چلی تو یکایک نام دل‌آرام بھول کر ھر ھر کر اٹھی - اتنے میں سنانی کا پیغام ناکامِ قاصد نے زبانی جو دیا تو دل کا یہ احوال پُر ملال ھوا گویا تیل کی بوند آگ پر پڑتے ھی دل دھڑ دھڑ کرنے لگا ، اور دروازوں کے پٹ سے جو لگی کھڑی تھی تو ایسی عشق کی آتش بدن پر چھا گئی کہ نامہ لیتے ھی چراغ کی بتی سے جل اٹھی - غرض وہ شمع شب افروز باہ جگر سوز آتش اجل سے جل کر وھیں رہ گئی - یہ خبر وحشت اثر ایک بار جو اخبار میں اکبر بادشاہ جمجاہ کو پہنچی تو اس اخبار عجوبۂ روزگار کو ملاحظہ کرکے کب کنگ خوش آھنگ سے فرمایا کہ اے کبیشر زباں آور! عجب بات ھے : چھمچھا

پاتی کے ھاتھ لیت باتی سی جر اٹھی

یہ چھمچھا جاں سوختہ کب گنگ سن کر کہنے لگا ''خداوند نعمت ! فی‌الحقیقت اس کا یہ موجب ھے :

کبت

اودھو لائی پاتی برھن گھرآئی چھاتی دواسیپ نین کے موتی سے جھر جھر آٹھی
بیاکل ھوئی نار پاتی لین چلی بار اودھوناؤں گئے بھول ھر ھی ھر کر آٹھی
اتنے میں سندیسا دینو برھن من مانجھ بسو تیل بوند آگ پڑی دھڑ دھڑ کر آٹھی
ٹھاری تھی پاٹ لاگ جھاکی برہ آگ پاتی کے ھاتھ لیت باتی سی جر آٹھی

مثنوی

مسلسل کبت یہ جو اُس نے کہا
تو شہ نے جواھر صلے میں دیا
حقیقت میں اکبر نے مہجور تو
جِلا دی نظامی کے اس قول کو
''بہ نا سفتہ دُرّے کہ درگنج یافت
ترازوئے خود را سخن سنج یافت

نقل ھے کہ ایک نازنینِ مہ جبیں وقتِ طلوعِ آفتاب عالم تاب بے ساختہ مکان خواب گاہ، کا دروازہ کھول کر سر برھنہ انگیا جان باختہ چھاتیوں پر آراستہ کر رھی تھی کہ یکایک اچانک اکبر بادشاہ عالی جاہ وھاں رونق افزا ھوئے اور باھم دونوں کی چشم سے چشم دو چار ھو گئی ۔ اس حالت پُر حلاوت میں وہ انار پستان مثل گل‌خندان منہ پھیر کے جو کھلکھلا کر ھنس پڑی تو اس گل حیا آلودہ کے دُر دندان کا یہ عالم نظر آیا کہ جس طرح لطمۂ صبا سے ایک بار انار شق ھو جاتا ھے اور اُس کے دانے رشک گوھر آب دار نظر آ جاتے ھیں ۔ یہ عالم دیکھ کر بادشاہ عالم پناہ تبسم کناں یہ چھمچھا زبان پر لائے : چھمچھا
پھوٹو انار پیار کے مارے

یہ چھمچھا جان باختہ کہتے ھوئے اکبر بادشاہ محل سے

برآمد ہوئے اور کبیشر زبان آور کو یاد فرما کے ارشاد کیا۔ کہ اس ارتھ کا کبت فی الفور بے غور موزوں کر دے ، یعنی: چھمچھا

پھوٹو انار پیار کے مارے

یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ کبیشر خوش منظر کہنے لگا ''پیر و مرشد برحق ! اس ارتھ کا یہ کبت ہے'' :

کبت

بھور میں سوت ادوت کے واتھہ بیٹھی بھامن بھون اوسارے
کنجن میں کچ دوؤ اٹھیں دھر دھر انچر بھینچ سنبھارے
او سر آن پڑھو شاہ اکبر درک چار پڑیں نا ھیں وہ نارے
گوری نیہ مکھ سوڑ ھنسی دھون پھوٹو انار پیار کے مارے

مثنوی

یہ سن کر کبت شہ نے ھنس کر کہا
ھزار آفریں مرحبا مرحبا
کہا تو نے ایسا کبت حسب حال
کہ جس سے مرا جی ہوا خوش کمال
غرض شاہ اکبر نے سہجور خوب
کیا اس کبیشر کو مسرور خوب

پانچواں باب

ظریفوں کے لطیفوں میں

عاقلانِ دمساز اور ناقلانِ خوش آواز ربابِ بیان کو به مضطرابِ زبان اس قانون سے چھیڑتے ہیں که تیمور لنگ بادشاہ خوش آهنگ نے هندوستان دلستاں کے تخت سلطنت پر جلوس فرما کے با دل شاد ارشاد کیا که ''اکثر مردمانِ صادق اور بزرگانِ فائق سے استماع میں آیا ہے که هندوستانِ دل ستاں میں مطربِ بوالعجب خدا ساز خوش آواز ہیں'' یه کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر ایک مطربِ نابینا خوش‌لہجه روشن دل اپنے فن کا کامل ایسا استاد زمانه، گانے میں یگانه حضور پُر نور میں حاضر ہوا جس کی ہر تان میں تان سین اور اودھو نایک کی روح ٹپا ٹوئی کرتی پھرتی تھی ، اور تال سُر میں ایسا سرتا که سرستی بھی اس کے آگے بے سُری تھی ، اور اپنے فن کا ایسا نٹ کھٹ که ہر دیس کا کٹھراگ اُس کے خیال میں تھا اور آواز جادو طراز سوھنی سوھنی ایسی گداز تھی که جس کی خوش الحانی پر الحان داؤدی سندھ کے جنگل میں وجد کرتی تھی ، اور اگر دیپک کے وقت وہ چراغ محفلِ طرب ایمن کو الاپتا تو اُس کو گوری سن کر ایسا جوڑا شہانا دیتی که اس کو سنگیت والے نہایت ملار کرتے ۔ غرض اُس نایک زمان پر چھه راگ تیس راگنی کا سراسر پردہ فاش تھا :

نظم

کہاں تک کروں اس کی تعریف عام
کہ اس سے سوا ہے فضولی کلام
اگر شہر تھا مطربوں سے بھرا
پر ایسا کلانوت نہ تھا دوسرا

الحاصل وہ مطربِ دل نواز خوش آواز حضور پر نور میں ایسا خوب گایا کہ تمام محفل بے دل ہو گئی ؛ بہ قول میر حسن :

اشعار

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے
اڑے جس جگہ سو اڑے رہ گئے
جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے
جو بیٹھے سو بیٹھے نہ وہ ہل سکے

المطلب اس مطرب بوالعجب نے جب سب محفل کو بخوبی محظوظ کیا تب تیمور لنگ بادشاہ جمجاہ نے ارشاد کیا کہ ''اے مطربِ بوالعجب ! تیرا نام خاص و عام میں کیا مشہور ہے؟'' یہ مطرب بہ صد ادب عرض کرنے لگا کہ خدا وندِ نعمت خدیو سپہر کرامت !اس غلام ناکام کا نام دولت کہتے ہیں'' تیمور لنگ شہنشاہ نے متبسّم ہو کر فرمایا ''اے عزیزِ بے تمیز! کیا دولت کور ہے جو تجھ اندھے نے اپنا نام دولت رکھا ہے؟'' وہ کور منہ زور کہنے لگا ''قربان جاؤں ! اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو لولے لنگڑوں کے کیوں ہاتھ آتی'' یہ لطیفہ خوش دقیقہ ساعت فرما کر بادشاہِ عالی جاہ نہایت خوش ہوا اور خانِ سامانِ خاص سے با دلِ شاد ارشاد کیا کہ ''اس دولت کو اس قدر دولت دو کہ ہماری بدولت دولتِ دنیا سے نو دولتوں میں دولت مند ہو جاوے ۔'' غرض

تیمورلنگ شہنشاہ نے اس مطرب کو ایک سخن دل لگن پر زر ریز کر دیا ؛ غرض قول میر حسن کا سچ ہے :

ابیات

سخن کے طلب گار ہیں عقل مند
سخن سے ہے نام نکویاں بلند
سخن کا صلہ یار دیتے رہے
جواہر سدا مول لیتے رہے
اور اب کے زمانے کے شاہ و وزیر
سخن کو سمجھتے ہیں غایت حقیر
سخن کی جہاں ہو نہ مہجور قدر
وہاں کیا کرے جلوۂ نور بدر

نقل ہے کہ ایک ماہی گیر خوش تقریر جھینگا نامی ہمیشہ دریائے بے پایاں میں مچھلیاں پکڑتا اور بیچ کر اوقات بسر کرتا ۔ قضاء کار وہ دام دار ایک روز برائے شکار ایسی جھیل بے عدیل پر گیا ، بہ قول مروت :

ابیات

کروں پاٹ کا اس کے میں ذکر کیا
ہر اک اس کا سوتا تھا اتنا بڑا
ڈگن کہکشان فلک تھی جہاں
وہاں مارتا پھرتا تھا مچھلیاں

الحاصل اس جھیل بے عدیل میں اس دام دار سلیقہ شعار نے جال فی‌الحال پھینک کر ایسی مچھلی کھینچی کہ جس کی تعریف گرداب بیان سے باہر ہے ۔ اس مچھلی خوش نگار غیرت بہار کو وہ ماہی گیر خوش تقریر دیکھ کر دل میں کہنے لگا 'اگر اس مچھلی

رشکِ گلزار کو بازار میں فروخت کروں گا تو کمال ہے کہ پانچ چار فلوس منحوس سے کوئی زیادہ نہ دے گا ، اس سے بہتر ہے کہ اس مچھلی نایاب کو آب و تاب سے بادشاہِ عالی جاہ کی نذر کیجیے ، شاید اس ماہی سے کچھ مراتب زیادہ ہو تو عجب نہیں کیونکہ بہ قول شخصے : مثل

گھڑی میں گھڑیال ہے

مگر اس مچھلی کو سر سواری بذات نہنگ ایسے ناکے پر کھڑے ہو کے دیجیے کہ جاسوس کو محسوس نہ ہو ، الغرض وہ ماہی گیر صاحب تدبیر بادشاہِ عالم پناہ کے قریب وہ مچھلی عجیب و غریب لے گیا ۔ وہ شہنشاہِ عالم پناہ اس مچھلی کو ملاحظہ فرما کے نہایت مسرور ہوا اور وزیر صاحبِ توقیر سے ارشاد کیا کہ اس ماہی گیر دل پزیر کو سو روپے بلا قصور اور بے دستور عنایت کر" وزیر صاحبِ تدبیر نے گوشِ مبارک میں گوش زد کیا کہ "اے بادشاہِ بحر و بر و اے ماہِ سپہر برتر ! ایک ماہی واہی کا انعام و اکرام اس قدر دینا عقل مندوں کا کام نہیں ہے" بادشاہ عالی جاہ نے فرمایا "اے وزیرِ بےنظیر ! حکم شاہی میں فرق آنا موجب ننگ و حیا ہے ، بہ قول شخصے :

قول مرداں جان دارد"

اس کے جواب میں وزیرِ خوش تقریر نے کہا "اے شہنشاہِ عالم پناہ ! : مثل

جو کوئی گڑ دیے مرتا ہو آسے زہر نہ دیجیے"

لیکن اس ماہی گیر بے پیر سے پوچھیے کہ یہ ماہی نر ہے یا مادہ ہے؟ اگر وہ کہے گا کہ یہ نر ہے تو ارشاد کیجیے کہ ہم کو اس شکل کی مچھلی مادہ درکار ہے ۔ اگر وہ کہے کہ یہ مچھلی

مادہ ہے تو آپ فرمائیں کہ ہم کو نر مچھلی چاہیے، اس گفتگوئے پُر فریب سے وہ لاجواب ہوگا اور حضور لامع النور کا انعام و اکرام واپس ہو جائے گا" بادشاہِ عالی جاہ نے وزیر خوش تقریر کا سخن پسند فرما کر پوچھا کہ "اے دام دارِ ماہیان دریا و اے افتخارِ مردمانِ دانا ! سچ بتا یہ ماہی نر ہے یا مادہ؟" اس کے جواب میں وہ ماہی گیر خوش تقریر حرف زن ہوا کہ "اے شاہِ بحر و بر والاگہر! یہ ماہی واہی خنثیٰ ہے یعنی نر اور مادہ کے درمیان ہے" یہ جوابِ باصواب ماہی گیر، خوش تقریر کا بادشاہ کو نہایت پسند خاطر ہوا اور اس لطیفے کے صلے میں دو سو روپے اور انعام و اکرام فرمائے لیکن سچ تو یوں ہے :

مثنوی

عجب تھا زمانہ کہ جس دور میں
صلہ لوگ پاتے تھے ہر طور میں
اور اب کے زمانے کا یہ حال ہے
کہ دیکھیں جسے گھر سے خوشحال ہے
بلا کر اُسے گھر سے با عز و جاہ
کریں آخرش کو جہاں میں تباہ
غرض اس زمانے کے مہجور لوگ
سمجھتے ہیں کیا آپ کو دور لوگ
ولیکن ملوّث بہ ہر کار ہیں
متاعِ جہاں کے خریدار ہیں

نقل ہے کہ ایک بادشاہ بدخواہِ سپاہ برائے شکارِ آهوانِ دیار میان مرغزار تن تنہا گیا تھا ؛ اتفاقاً ایک شخص بہ صورتِ نجبا اور بہ سیرتِ شرفا تابشِ آفتاب عالم تاب کے سبب سے زیرِ درخت

بیٹھا تھا ۔ وہ بادشاہِ روسیاہ بھی اسی درخت کے سائے میں آکر کھڑا ہوا اور اس عزیزِ با تمیز سے یوں حرف زن ہوا کہ ''اے ملیح بیان و اے فصیح زبان! سچ کہہ اس شہرِ مینوچہر میں بادشاہ خیر خلائق ہے یا ظالم و ستم گر؟'' وہ عزیز با تمیز راست گو جواب دہ ہوا کہ ''اے شہ سوارِ باد رفتار! کچھ نہ پوچھ ، اس مملکت پُرِ وحشت کا بادشاہِ رُو سیاہ نہایت ظالم اور لائم ہے مگر شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کے قول کو نہیں سمجھتا : شعر

نہ ماند ستم گار بد روز گار   بہ ماند برو لعنت کرد گار

یہ سخنِ دل شکن گوش زد فرما کر وہ بادشاہِ غفلت پناہ کہنے لگا کہ ''اے عزیز با تمیز ! تو مجھ کو بھی پہچانتا ہے کہ میں کون شخص ہوں؟'' یہ کلام بادشاہِ ناکام کا سن کر وہ نا دانستہ دل خستہ جواب دہ ہوا کہ ''میں دل دادہ غم آمادہ کیا جانوں کہ تُو کون بلا ہے اور کس کھیت کی مولی ہے ، ناحق بے معنی گفتگو سے مغز پھراتا ہے'' :

ابیات

یہ سن کر کہا شہ نے ''اے نابکار!
اسی شہر کا میں تو ہوں شہر یار
مرا ہفت کشور ہے زیرنگیں
مجھے باج دیتا ہے خاقان چیں
تجھے اپنے جی کا نہ تھا خوف کیا
جو تو نے مجھے اس طرح بد کہا''

یہ سخنِ دل شکن سن کر وہ نہایت دل میں ڈرا لیکن دلیری اور دلاوری سے یوں گویا ہوا کہ ''اے بادشاہِ عالی جاہ ! تو بھی

مجھ کو پہچانتا ہے کہ میں کون جنس ہوں؟" بادشاہ پُر گناہ نے کہا "اے عزیز بے تمیز ! میں تجھ کو نہیں جانتا ہوں کہ تو کون ہے" وہ شخص زبان طرار ایک بار یوں گویا ہوا کہ "اے بادشاہِ عالی جاہ ! میں دل دادہ سوداگر زادہ ہوں لیکن ہر مہینے میں نحوست ستارے سے میں دل دوپارہ تین روز کامل سڑی وحشی ہو جاتا ہوں ؛ چنانچہ میرے آزار نابکار کا آج پہلا روز ہے" یہ کلام فطرت آمیز اس وحشت انگیز کا سن کر بادشاہ ایک بار بے اختیار ہنس پڑا اور بہ تشفئی تمام اس خوش کلام کو کچھ اشرفیاں دے کر اپنے شہر پُر قہر میں آیا اور ظلم و ستم کو ملک بے خبری سے بہ عدل و عدالت اخراج کیا اور فی‌الحقیقت بقول نخشبی :

ابیات

"نخشبی ظلم خصمِ مملکت ست تو نہ گر زیس دقیقہ آگاہی
ظلم صد مملکت بر اندازد ظلم شاہاں ست دشمن شاہی"
سچ ہے مہجور ظلم شاہی سے نظر آتے ہیں لوگ واہی سے

نقل ہے کہ ایک شاعر رشکِ صائب فخرِ حافظ ایک دولت مند ہوش مند کی شان میں چند اشعار آب دار رشک بہار موزوں کر کے لے گیا ؛ وہ دولت مند عقل مند آن شعروں کو استماع کر کے کہنے لگا کہ "اے غیرتِ ظہوری و نظیری و اے خجلت دہِ انوری و ضمیری ! بہ اہلیت اس بات کو یقین سمجھیو کہ تو نے یہ قصیدہ دل رسیدہ پُر لطف اس قوت کا محنت سے انشا کیا ہے کہ کسی شاعرِ زبردست کی کیا قدرت اور جرأت ہے جو ایسا قصیدہ موزوں کر کے تجھ پر سبقت لے جائے لیکن کیا کروں جائے رقّت ہے کہ جی کی حسرت جی میں رہی جاتی ہے ۔ اگر آج یہ فدوی جگر سوز

صاحبِ حشمت اور اهل شوکت هوتا تو به حق امام حسن وحسین رضی الله عنهما تجھ خاطر آشفته دلِ ملول کو به رسمِ زمانه دولتِ دنیا سے مسرور کر دیتا کیونکه تجھ سا ولی خلیق طبع، صاحب درد، باآبرو و غیرت قمر ، اهل اثر ، نیک اختر ، رشک ماه تاباں کہاں مخلوق هوتا هے ، به قول مصحفی : شعر

مرزا و میر سے تجھے کب هے برابری
تُلتا تو ان کے پله میں هوتا جو انوری

اور حاتم و قایم و مرزا جان جاناں اور کمتری اور گوهری اور فغان ؛ غرض جمله شاعران تیری شاعری کے آگے ناموزوں هیں اور هر ایک کا قافیه تنگ هے اور تیرے هم ردیف کوئی نہیں هو سکتا " حاصل کلام وه دولت مند عقل مند بعد خوشامد بسیار و لجاجت بے شمار یه گفتگو زبان پر لایا که "اے استادِ نظامی و اے افتخار جامی! اس وقت میرے پاس زر نقد نہیں هے جو تجھ کو قصیدے کے صلے میں دوں مگر کچھ غلے کی قسم سے میرے خرمنِ مکان میں بہت کچھ هے ، تو وقتِ سحر بار برداری لے کر میرے پاس بلا وسواس آنا ، به قدر حوصله میں خدمت گاری بجا لاؤں گا" وه شاعر زبان آور ته فیلسوف سے بے خبر خوش و خرم اپنے مکان دل ستاں میں آ کر سو رها ، وقت سحر به وعدۂ آن تونگر کسی یار آشنا سے بار برداری لے کر آس فطرت اساس کے پاس گیا اور بقول میر حسن : شعر

کہا میرا مجرا هے اب لائیے جو دینے کہا تھا سو دلوائیے

وه تونگر هنس کر کہنے لگا که "اے عزیز بے تمیز ! تو نے سخن آرائی سے جس طرح مجھ کو خوش کیا اس طرح میں نے بھی کلام دانائی سے تجھ کو خوش حال اورنہال کردیا ۔ ما و شما هر

دو برابر اند؛ به قول شخصے : مثل

نہ اودھو کا لین نہ مادھو کا دین
جاؤ تم اپنے گھر خوش اور ہم اپنے گھر خوش"

مثنوی

غرض اس سخن سے وہ شاعر عجیب
ھوا شرم گیں دل میں اپنے غریب
مگر اس تونگر نے مہجور خوب
دیا اس کو انعام فرح القلوب

نقل ھے کہ ایک کور منہ زور اندھیری رات رشکِ ظلمات میں چراغ بہ دست ھوش پانی کا گھڑا بالائے دوش اس شکل سے بازار میں نمودار ھوا۔ یہ ماجرائے عجیب و غریب ھر ایک عزیز با تمیز دیکھ کر کہنے لگا کہ "اے کور کم زور ! یہ کیا حماقت بے لیاقت اس وقت تجھے سُوجھی کہ شب تار ناھنجار میں تُو چراغ ھاتھ میں لے کر نکلا ، بہ قول سعدی علیہ الرحمہ : شعر

نور گیتی فروز چشمۂ ھور   خوش نیاید بچشم موشک کور

اے احمق تیرہ بخت زبان سخت ! تیرے آگے تو لیل و نہار خزاں اور بہار ھر زماں یکساں ھیں ، پھر اس روشنئی چراغ بے سراغ سے تجھے کیا سُود اور بہبود ھے؟" یہ سخن دل شکن سن کر وہ کور منہ زور کہنے لگا "اے او لاغ ! یہ چراغ مجھ کور ظاھر کے لیے نہیں ھے، تجھ کور باطن کے واسطے ھے کہ اس اندھیری رات رشک ظلمات میں تُو میرا گھڑا پانی کا بھرا نہ توڑے ، یعنی چراغ کی روشنی سے تجھ کو روشن ھو کہ اندھا پانی کا گھڑا لیے آتا ھے تو آپ ھی بچ کر چلے گا : شعر

نہیں تو اندھیرے میں کیوں کر بھلا
اے اندھے یہ اندھا تجھے سوجھتا''

یہ کلام نیک انجام اس نابینا روشن دل کا سن کر وہ کور باطن مثل چراغ خاموش ، خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دیا :

اشعار

اگر تجھ کو مہجور ہے عقل و ہوش
تو اس بات کو میری سُن رکھ کے گوش
جو بینا حقیقت سے ماہر نہ ہو
ویا سِرّ حق اس پہ ظاہر نہ ہو
مثل اس کے حق میں یہ سوجھی ہے زور
کہ اس آنکھ والے سے بہتر ہے کور

نقل ہے کہ ایک درویش دل ریش سے کچھ تقصیر حقیر سر زد ہوگئی تھی؛ اس کی تعذیر ناگزیر میں حبشی کوتوال بد افعال نے حکم دیا کہ اس فقیر بے پیر کا سارا منہ سیاہ کرکے شہر بدر کر دو : شعر

تا نہ پھر کوئی اس طرح درویش
ظاہرا فقر میں ہو کا فرکیش

یہ کلام اس ناکام کا سن کر فقیر خوش تقریر کہنے لگا ''اے حبشی کوتوال بدخصال ! اس فقیر حقیر کا آدھا منہ سیاہ کرکے تشہیر کر تو بہتر ہے ورنہ جمیع مشاہیر شہر اور جماہیر دھر سمجھیں گے کہ بادشاہ عالم پناہ نے حبشی کوتوال کو شہر بدر کیا ہے'' یہ لطیفہ خوش دقیقہ سن کر کوتوالِ نیک خصال نہایت خوش ہوا اور یہ کلام فرحت التیام زبان پر لایا کہ ''اے فقیر روشن ضمیر! اس رُوسیاہ پُر گناہ نے تیری تقصیرناگزیر

معاف کی :

اشعار

غرض وہ گدا اپنی تقریر سے
ہوا فارغ السوال تقصیر سے
عجب شے ہے مہجور، یعنی سخن
شہادت میں اس کے ہے قول حسن
''سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام
جنہیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام
سخن کا سدا گرم بازار ہے
سخن سنج اس کا خریدار ہے''

نقل ہے کہ ایک فقیر خوش تقریر بہ صورت آزاد مادر زاد برائے سوال مال دکان بقّال سخت مقال پر جا کر یہ سخن دل شکن زبان پر لایا کہ ''او لنگور کی صورت ، زنبور کی مورت! اپنے غلۂ مکاری اور کیسۂ دغا بازی سے من چاہے تو کچھ فقیر کے پلّے میں ایسا دے کہ جس سے نفس حریص کا کتا سیر ہو جائے'' یہ بات واہیات سن کر وہ بقال بدخصال کہنے لگا ''اے ہُد ہُد ِ دُم دراز! و اے چغد بد آواز ! چل میرے آگے سے دُم دبا کر اڑ جا ، نہیں تو مارے ڈنڈیوں کے تیرے ھاتھ پاؤں تھیلا کر دوں گا'' غرض اس گفتگوئے دُو بدُو نے یہاں تک سر بلند کیا کہ اس درویش گم کردۂ خویش نے ایک جوتی پاؤں سے نکال کے بقّال بدخصال کے سر پر پڑاق سے جڑی ۔ القصہ وہ بقال پیش ِ کوتوال اس فقیر تن حقیر کو لے گیا اور احوال صدق مقال گزشتہ تفصیل سے ایک بار اظہار کیا ۔ کوتوال بدخصال نے اس درویش دل ریش سے کہا :

اشعار

''اگر تو نہ ہوتا بہ شکل گدا
بہ چوب سیاست تجھے مارتا
ویا قید خانے میں کرتا اسیر
پر اس میں ہے تیری رہائی فقیر
کہ کفارہ اک کفش پا کا اسے
مرے سامنے آٹھ آنے تو دے''

یہ کلام بد انجام کوتوال بدخصال کا سُن کر اس فقیر خوش تقریر نے ایک جوتی کوتوال کے سر پر جڑی اور ایک روپیہ جھولی سے نکال کر آگے رکھ دیا اور یہ سخن زبان پر لایا کہ ''اگر یہی منصفی ہے تو یہ فقیر تن حقیر اس روپے کو کہاں بھناتا پھرے گا ، آٹھ آنے آپ لیجیے اور آٹھ آنے اس بقال کذب مقال کو دیجیے'' :

ابیات

یہ کہہ کر وہاں سے وہ راہی ہوا
مگر سب نے مہجور باہم کہا
''فقیروں کو غصہ نہ یہ چاہیے
جہاں جائے اس جا سدا یہ کہے
فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے''

اور شیخ سعدی بھی یوں فرماتے ہیں :

اشعار

هر که بر خود در سوال کشاد
تا به میرد نیاز مند بود

آز بگذار و پادشاهی کن
گردنِ بے طمع بلند بود

نقل ہے کہ ایک امیر صاحب توقیر اپنے مکان دل ستان میں تیر سے بہ زور شانہ میخ پر نشانہ لگا رہا تھا ۔ ہر چند اَور بھی تیر اندازان کماں ابرو اُس محفل عالی منزل میں تیرزنی کر رہے تھے لیکن کسی کمان دار کا تیر مطلب ہدف مقصد پر نہ بیٹھتا تھا ۔ اس عرصے میں ایک فقیر خوش تقریر اس جلسے میں آ کر حاضر ہوا اور دست سوال صاحب خانہ کے سامنے دراز کیا ۔ اس امیر صاحب توقیر نے تیر و کمان اپنے قبضے سے فقیر خوش تقریر کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ ''اے فقیر روشن ضمیر ! اس میخ کے بیچ میں تیر کو لب معشوق کرے گا تو تیرا سوال فی‌الحال بر آئے گا'' غرض اس درویش خیر اندیش نے لیس ہو کر تُکے سے اُس میخِ کا نشانہ بہ‌زور شانہ سراسری ایسا مارا کہ ہر گوشے سے تحسین و آفرین لوگ چلّا اٹھے ۔ غرض اس امیر بے نظیر نے اُس وقت خوش ہو کر سو روپے اُسے عنایت و کرامت فرمائے ۔ وہ فقیرِ خوش تقریر سو روپے جھولی میں ڈال کر کہنے لگا ''بابا اس فقیر تن حقیر کا سوال نہ ملا لیکن شیخ سعدی کا قول سچ ہے : شعر

کریماں را بہ‌دست اندر درم نیست
خدا وندانِ نعمت را کرم نیست

یہ سخن دل شکن سن کر امیر صاحب توقیر کہنے لگا ''اے نادیدۂ زر و اے حریص بد گُہر ! تجھ کو میں نے یک مشت سو روپے دیے اور تیرے خیال بد سگال میں نہ آئے ، اس کے کیا معنی'' اس کے جواب میں وہ فقیر خوش تقریر بولا ''اے امیر دل پزیر !

اگر تیرے گوشۂ خاطر میں گراں بار نہ گزرے تو یہ عرض ہے کہ وہ سو روپے تو میں نے میخ مارنے کے لیے ہیں، سوال بے زوال کا اس میں کیا ذکر ہے؛ فقیروں پر تودۂ طوفان کیوں اٹھاتا ہے"۔ یہ کلام وہ امیر عالی مقام سن کر نہایت خوش و خرم ہوا اور سو روپے اور انعام با اکرام عنایت فرمائے لیکن سچ تو یوں ہے بہ قول نخشبی:

ابیات

"نخشبی نیست خلق بریک طبع
من نہ دانم تو درچہ منوالی
از کرام ولیام و دھر پرست
نیست عالم ز نیک و بد خالی"
سب یہ سچ ہے ولیکن اے مہجور!
ہم تو ہر دم یہی کہیں گے ضرور
آفریں تیری گفتگو کو فقیر
مرحبا تیری حاتمی کو امیر

نقل ہے کہ ایک شخص نے اپنے نوکر فتنہ گر سے وقتِ اختتام شام یوں کہا "اے نوکر! وقت سحر اگر دو زاغ برابر تجھ کو نظر آئیں تو مجھ کو خبر کرنا کیونکہ دو زاغ صبح کو دیکھنا شگون نیک ہے:

اشعار

یہ تو کہہ کر وہ سو رہا گھر میں
صبح کو اس نے بیٹھ کر در میں
کی نگہ اس نے جو سر دیوار
تو نظر آئے زاغ دو یک بار

یہ خبر وحشت اثر نوکر اپنے خداوند سے کہنے گیا اور ادھر ایک زاغ پرواز کر گیا اور ایک زاغ اکیلا بیٹھا رہا ۔ قصہ مختصر صاحب خانہ نے جو آ کر ایک زاغ نا ھنجار سر دیوار دیکھا تو نہایت خفا ھوا اور یہ کہنے لگا ''اے کوے ! میں نے دو زاغ دیکھنے کو کہا تھا یا ایک زاغ منحوس کو کہا تھا؟'' غرض تو اپنی شرارت اور فطرت سے باز نہیں آتا ھے۔ اے الّو بدخو! یہاں تک تجھ کو ماروں گا کہ تیرے تمام بدن میں سن بھری ھو جائے گی ۔ چل میرے سامنے سے اُڑجا ، میں اور نوکر رکھ لوں گا کیا تیری.....[1] میں سرخاب کا پر لگا ھے یا تو عنقا نوکر ھے ۔ میرے بخت ھمایوں چاھیے، تجھ سے ڈھیر لٹورے الّو کالے بھجنگے میرے دام میں بہت آ رھیں گے ۔ کیا جہاں میں کوئی چڑیا کا نوکری نہیں کرتا ۔ واللہ باللہ اب میں تجھ کو نوکر نہ رکھوں گا ۔ تجھ سا پودنہ بگلا بھگت مجھے بھی نوکر نہیں چاھیے ؛ مجھ کو یل نوکر چاھیے کہ جس سے سب زک اٹھائیں'' غرض یہ گفتگو دو بدو میاں اور نوکر میں ھو رھی تھی کہ یکایک ایک کھانے کا خوان بےگماں صاحب خانہ کے واسطے کسی آشنا کے گھر سے آ پہنچا ۔ اس خوان دل ستاں کو نوکر دیکھ کر کہنے لگا ''خداوند ! اب آپ دو زاغ ناپاک دیکھنے کا ارادہ نہ کیجیے گا ، نہیں تو میری سی نوبت آپ کی ھوگی کیونکہ آپ نے ایک زاغ دیکھا تھا تو کھانے کو آیا اور غلام ناکام نے دو زاغ ناپاک بہم دیکھے تھے تو اس کے عوض گالیاں اور جھڑکیاں کھائیں :

مثنوی

یہ نوکر کی سن کر میاں گفتگو
لگے کہنے یہ راست کہتا ھے تو

---

۱ ۔ یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ھے ۔

ولیکن جب ایسا ہو حاضر جواب
تو مہجور کیوں کر اٹھائے عتاب

نقل ہے کہ ایک شاعر مفلوک دل ملوک سرو پا برہنہ بہ حالت یاس ایک امیر کے پاس بلاوسواس مسند زرنگار رشک بہار پر ایک بالشت کے فرق سے جا بیٹھا ۔ یہ نشست بے موجب اس بے ادب کی دیکھ کر امیر صاحب توقیر کہنے لگا ''اے ناپاک بے باک! تجھ میں اور کتے میں کتنا فرق ہے؟'' اس کے جواب میں اس شاعر مفلوک نے ایک بالشت اپنے اور امیر کے درمیان رکھ کر کہا ''اے امیر شکل پلید! مجھ میں اور سگ میں ایک بالشت کا تفاوت ہے''۔ یہ گفتگو دو بدو سن کر وہ امیر بے نظیر کہنے لگا ''اے لینڈی! مجھ کو نہیں جانتا ہے ، یہ شخص گرجی بیگ خان کے سگوں میں ہے ۔ چل دم دبا کے بھاگ جا ، نہیں تو تیرے گلے میں رسوائی کا پٹا ڈال کر رسوائے خلق کروں گا'' یہ سخن دل شکن سن کر وہ شاعر مفلوک دل ملوک جواب دہ ہوا ''اے امیر بے پیر! بس اب زیادہ نہ بھونک ، تجھ سے کلخی شکاری ہزاری میں نے بہت درست کیے ہیں ، تو اپنے جی میں یہ غرّا نہ کرنا کہ میں ذات کا لعل بے بہا ہوں'' : شعر

غرض اُس کو شاعر نے مہجور خوب
جھنجھوڑا بہت سا بہ حرف عیوب

نقل ہے کہ ایک عزیز نا چیز ایک بار مساعدیٔ روزگار سے مسند دولت اور صدر حشمت پر جلوہ‌گر ہوا اور روز و شب بے رنج و تعب عیش و طرب میں رہنے سہنے لگا ۔ یہ اس کا احوال فرخندہ فال سن کر ایک یار وفادار برائے مبارک بادی خانہ آبادی جو

اس خوش نصیب کے قریب گیا تو وہ خود غلط یک بہ یک بھیانک ہو کر کہنے لگا ''اے عزیز بے تمیز! تو کون ہے جو میرے پاس بلا وسواس آیا :

بیت

میں نہیں واقف ہوں تیرے نام سے
کام کیا ہے تجھ کو میرے نام سے''

یہ سخن دل شکن اس کور باطن کا سن کر وہ غریب بے نصیب توسن زبان کو میدان بیان میں جولان کرکے یوں گویا ہوا کہ ''اے یار وفادار ناھنجار ! تو مجھ کو پہچانتا ہے ، میں تیرا یار قدیم و غم خوار مستقیم ہوں مگر اکثر مردمان صادق اور دوستان واثق سے میرے استماع میں آیا تھا کہ تیرا فلانا آشنا اندھا ہوگیا ہے ، سو عیادت اور تعزیت کے واسطے آیا ہوں :

اشعار

خدا تیری دولت کو کھوئے کہیں
جو روشن تری آنکھ ہوئے کہیں
اور تجھ سے نہیں ہے کچھ درکار
وقنا ربنا عذاب‌النار''
یہ تو کہہ کر گیا وہ اپنے گھر
مثل آئینہ وہ ہوا ششدر
گوش دل سے ولے سن اے مہجور!
نخشبی کا یہ قول ہے مشہور

قطعہ

نخشبی اصل زشت بود
بے وفا با کسے وفا نہ کند

گرچه گیرد صواب جمله جہاں
اصل بد از خطا خطا نه کند

نقل ہے کہ ایک عزیز با تمیز نے ایک طوطی رشک بلبلِ ہزار داستان اور غیرت صلصل بوستان پرورش کی اور اس کو زبان فارسی میں اس قدر آموختہ کیا کہ وہ طوطی دوتی ہر بات میں بہ زبان فارسی کہتی ''دریں چه شک ست۔'' القصه ایک روز وہ شخص دل افروز اس طوطی دوتی کو برائے فروخت ایک بار بازار میں لے گیا اور سو روپے قیمت اس جنسِ بیش قیمت کی ظاہر کی ۔ اتفاقاً ایک مغل بے دغل گانٹھ کا پورا آنکھوں کا اندھا اس طوطیٔ عجیب کے قریب آ کر پوچھنے لگا ''اے طوطئی پارسی خواں ! تُو غیرت بلبل ہزار داستاں ، رشک مرغ خوش‌الحان سو روپے کے لائق ہے؟'' طوطی دوتی نے جواب با صواب دیا ''دریں چه شک ست'' یہ کلام فرحت‌التیام وہ مغل بے دغل سن کر نہایت خوش ہوا اور سو روپے نقد کیسۂ حماقت سے فی‌الحال نکال کر اس طوطئی پُر فراست کی بہا میں دے کر خوش و خرم بے اندوہ و غم گھر میں لایا اور جو بات نادرات واهیات اس مغل نے طوطی بہروپی سے پوچھی تو وہ جواب دہ ہوئی ''دریں چه شک ست'' اس کلام وحشت‌التیام سے اس مغل بے دغل کا مرغ دل قفس تن میں پھڑکنے لگا اور اپنے آلو پنے پر شرمندہ اور خجلت زدہ ہو کر اس طوطی دوتی سے کہنے لگا ''اے طوطی لایموتی! میں نے نہایت حماقت بے لیاقت کی جو تجھ مشتِ پر کو سو روپے کو خرید کیا۔'' اس کے جواب میں طوطی دوتی کہنے لگی ''دریں چه شک ست۔'' اس مغل بے دغل نے متبسم ہو کر اس طوطی لعبتی کو با دل نا شاد

آزاد کیا ۔

ابیات

لیک مہجور آج کل کے مغل
نہیں کرتے ہیں اس طرح کے عمل
پیروکار نیک وہ ہی ہوا
قول یہ نخشبی کا جس نے سنا
''نخشبی تا تواں نکوئی کن
کس چہ داند چہاست نیکوئی
نیکوئی را جزا بدی نہ دھند
نکوئی را جزا ست نیکوئی''

نقل ہے کہ ایک بادشاہ جم جاہ مع مرشد زادہ خوزادہ برائے شکار فرحت آثار و سیر مرغ زار زیر کہسار سوار ہو گیا ۔ اتفاقاً دوپہر کے وقت آفتاب عالم تاب نے حرارت بہ شدت پیدا کی ۔ بادشاہ اور بادشاہ زادے نے اپنا اپنا لبادا ایک بار آتار کر ایک مسخرے باھوش کے دوش پر ڈال دیا اور متبسم ہو کر بادشاہ عالی جاہ نے کہا ''اے مسخرے ششخرے! ان دونوں لبادوں کا بوجھ تجھ پر ایک خر کا بوجھ ہو گیا ۔'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ مسخرا بے بہا کہنے لگا ''قربان جاؤں! ایک خر کا بوجھ کیا بلکہ دو خر گراں بار کا بھار مجھ نابکار پر ہے ۔'' یہ جواب باصواب بادشاہ عالم پناہ مسموع کر کے نہایت محظوظ ہوا ۔ اس لطیفۂ خوش دقیقہ کے صلے میں وہ دونوں لبادے ملبوسی بیش قیمتی عنایت اور کرامت فرمائے ۔

ابیات

لیک مہجور اب کہاں وہ لوگ
قدر کرتے تھے خلق کی جو لوگ
اب نہ وہ شاہ اور نہ شاہی ہے
جس طرف دیکھو اک تباہی ہے

نقل ہے کہ ایک عزیز صاحب تمیز نے اپنے نوکر فتنہ گر سے مرغ کا سالن مرغن پکوایا ؛ جس وقت کہ وہ سالن خوش گوار تیار ہوا تو اس کی بو باس سے اس نوکر فتنہ گر کا طائرِ ہوش قفس دماغ میں پھڑکنے لگا ۔ آخر کار اس نابکار نے مرغِ بریان کی ایک ران بہ شوق تمام نوش جان کی اور ایک ران مع سینہ و بازو اپنے آقا کے روبرو لے گیا ۔ وہ عزیز صاحب تمیز مرغ کی ایک ران دسترخوان پر دیکھ کر کہنے لگا : شعر

''مری عقل اس جا پہ حیران ہے
کہ اس مرغ کی ایک کیوں ران ہے''

یہ گفتگو اس نیک خو کی سن کر وہ نوکر فتنہ گر کہنے لگا ''خداوند نعمت! اس مرغ نالائق کی ایک ھی ٹانگ تھی : شعر

میرا اس میں ھرگز نہیں ہے قصور
جو تھا گوشت سو آپ کے ہے حضور''

یہ بات واھیات اس کی گوش زد کر کے اس عزیز با تمیز نے کہا ''اے مرغے بے ھنگام! کہیں بھی مرغ کی ایک ٹانگ ھوتی ہے جو تو یہ واھی گفتگو دُو بدُو کرتا ہے ؟'' غرض ھر چند اس دانش مند نے تکرار بے شمار کی لیکن وہ مرغا کڑکڑا

یہی کہہ گیا ''خداوند نعمت! آپ جتنی چاہیے، اتنی دست درازی کر لیجیے، پر اس مرغ کی ایک ہی ٹانگ تھی۔'' آخرکار ناچار ہو کر وہ عزیز، صاحب تمیز دل میں کوفت کھا کر چپ ہو رہا۔ چند روز کے بعد وہ عزیز با تمیز ایک روز کوچہ و بازار کی سیر کرتا پھرتا تھا، اتفاقاً ایک کوچے میں کسی کا مرغ بازو میں سر ڈالے ایک ٹانگ سے کھڑا تھا۔ یہ نوکر فتنہ گر اس مرغ کو دیکھ کر کہنے لگا ''خداوند نعمت! آپ فرماتے تھے کہ ایک ٹانگ کا مرغ نہیں ہوتا، ملاحظہ فرمائیے یہ مرغ ایک ٹانگ کا سامنے کھڑا ہے؛ بہ قول شخصے:

'عیاں را چہ بیاں'

یہ بات واہیات اس نوکر زباں آور کی سن کر اس عزیز صاحب تمیز نے دستک دے کر جو اس مرغ کو ہشت کیا تو وہ مرغ دوسری ٹانگ نکال کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عزیز صاحب تمیز کہنے لگا '' اے اندھے احمق بے بصر! دیکھ لے اس مرغ کی دونوں ٹانگیں ہیں یا نہیں؟'' یہ کلام اپنے آقا عالی مقام کا سن کر اس نوکر زباں آور نے جواب دیا ''خداوند نعمت! یہ تو خوب حکمت ہے لیکن حضرت نے اس دن سالن کی رکابی پر کیوں نہ دستک دی جو دونوں ٹانگیں مرغ بریاں کی ہو جاتیں۔''

مثنوی

یہ نوکر کا سن کر لطیفہ عجیب
لگا کہنے ہنس کے زہے خوش نصیب
کہ جھوٹے نے سچے کو قائل کیا
غرض ہے یہ نوکر بڑا بے حیا
جو مہجور ہوتا نہ حاضر جواب
تو کس طرح پچتا وہ اس کو کباب

نقل ہے کہ ایک بادشاہ جم جاہ نے ایک امیر خوش تقریر سے کہا ” اے امیر دل پزیر ! جس قوم کا نام بدانجام بان کے لفظ پر ہے وہ نہایت پر فطرت ہوتی ہے ؛ چنانچہ فیل بان ، باغ بان ساربان ، گاڑی بان ، دربان : شعر

مرے اس سخن کو نہ تو جھوٹ جان
کہ ہے ان سبھوں کی عجب آن بان“

یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ امیر خوش تقریر کہنے لگا :

مثنوی

”بجا آپ کہتے ہیں اے ’مہربان!‘
کہ یہ ’بان‘ والے ہیں سب بد زبان
انھیں ’بان‘ داروں کو اس آن میں
مقیّد کا ہو حکم شعبان میں“
غرض سن کے یہ گفتگوئے امیر
ہوا بادشہ دل میں اپنے حقیر
ولیکن نظامی کے اس قول کو
نہ سمجھا تھا مہجور وہ راست گو
”چو در خورد گوینده ناید جواب
سخن یاوه گفتن نیاید صواب“

نقل ہے کہ ایک بادشاہ جم جاہ کی سپاہ خیر خواہ نے فوج عدو سے کسی قلعے پر شکست فاش پائی اور یہ خبر وحشت اثر جو اخبار میں آئی تو صاحب اخبار نے بادشاہ کو خبر دی کہ خداوند نعمت کو فتح و نصرت مبارک اور میمون ہو! یہ کلام فرحت‌التیام سماعت فرما کے بادشاہ عالی جاہ نہایت خوش و خرم

ہوا ؛ دو روز کے بعد زبانی شتر سوار بادشاہ نام دار کو دریافت ہوا کہ فوج بلند اوج نے پایۂ ہزیمت و شکست پایا ۔ یہ خبر سن کر بادشاہ بحر و بر کمال منغص ہوا اور وزیر صاحب تدبیر سے ارشاد کیا کہ اُس عزیز نا چیز کو بلوا کر چوب سیاست سے تنبیہ کر کہ بادشاہوں کے آگے کیوں دروغ بولا تھا ۔ الحاصل وہ عاقل کامل بادشاہ عالم پناہ کے قریب آ کر کہنے لگا کہ ''خداوند جہاں، افسر زماں! غلام ناکام آج تعذیر کے قابل نہیں ہے ، خلعت فاخرہ کے لائق ہے ؛ کس واسطے کہ ہزیمت و ناخوشی کے روز اس غم اندوز نے خداوند نعمت کو خبر خوشنودی سے خوش کیا تھا ؛ آج کا روز بھی ناخوشی کا ہے ، حضرت کو لازم ہے کہ آج مجھ محتاج کو خداوند خوش و خرم کریں تو بجا ہے ۔'' غرض اس سخن دل لگن سے بادشاہ عالی جاہ نے اس کی تقصیر حقیر دل سے معاف کی ۔

ابیات

ولے سچ ہے مہجور یہ بات عام
بہ قول نظامئی شیریں کلام
''سخن گفتن و بکر جاں سفتن ست
نہ ہر کس سزائے سخن گفتن ست''

نقل ہے کہ ایک غریب اہل نجیب قاضی مرد ریاضی کے قریب گیا اور یوں گویا ہوا کہ ''اے قاضی چشمۂ فیاضی ! آج کئی روز کے فاقے سے تیرے پاس بے حواس آیا ہوں ، برائے خدا کچھ ایسا کھانا دے کہ نفس حریص کا کتا سیر ہو جاوے اور تجھ کو اس کا ثواب بے حساب ہوگا ، کیوں کہ مشہور و معروف ہے ۔ ''قلوب‌المومنین عرش اللہ تعالیٰ'' اور سچ یہی ہے

''دہ در دنیا و ستر در عاقبت'' اور مثل مشہور ہے ''جو دے گا سو پائے گا'' یہ کلام نصائحُ الیتام سن کر قاضی حامی اسلام کہنے لگا ''اے عزیز صاحب تمیز! کیا تیرے گوش زد نہیں ہوا کہ ''قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے'' اس کے سوا جو قاضی کے گھر میں آتا ہے ، وہ سوگند کھا جاتا ہے ؛ اگر تیرا جی چاہے تو جھوٹ یا سچ جس میں تیرا پیٹ بھرے، ویسی قسم کھا لے ۔''

نظم

الغرض وہ بہ گفتۂ قاضی ۔۔۔ ہو گیا دل میں خوب سا راضی
لیک عقل میں ہے تو با ہوش ۔۔۔ تو نصیحت کو سن کے کرلے گوش
کسی سائل کو در سے اے مہجور ۔۔۔ ہاتھ خالی نہ بھیج تا مقدور

نقل ہائے منظوم

نقل طرفہ ہے ایک یہ مشہور ۔۔۔ چین سے لے کے اور تا قنطور
ڈنڈ پیل ایک بعد ورزش کے ۔۔۔ دودھ ایک کاسہ بھر کے پیتے تھے
ایک دن گھر میں کر کے کثرت کو ۔۔۔ رفع کرنے گئے وہ حاجت کو
پُر نفر کو دکھا کے کاسۂ شیر ۔۔۔ کہا آنکھوں سے دیکھ اے بے پیر
ایسا ہی دودھ سے بھرا کاسا ۔۔۔ آ کے پاؤں گا ورنہ میں بہ خدا
مارے کفشوں کے تیرے سر کا غدود ۔۔۔ سب نکالوں گا سن لے او مردود
وہ تو گھر میں گئے یہ کہہ کر بات ۔۔۔ وہیں اُس نے بڑھا کر دونوں ہات
کھینچ کاسے کو اور ایک اُنگلی ۔۔۔ اُس کے اُوپر سے وہ ملائی لی
کھا کے کہنے لگا عجب ہے مزا ۔۔۔ اور بھی کھاؤں گا یہ دل سے کہا
الغرض اُس نے تھوڑی تھوڑی واں ۔۔۔ کی ملائی تو سب وہ نوش جاں
دودھ بھی اس میں سے غرض آدھا ۔۔۔ جب وہ مردود لے کے پی ہی گیا
یاد آئی جو بات آقا کی ۔۔۔ خوف سے تب لگا نکلنے جی

دل سے بولا کہ اب کوئی تدبیر — کیجیے جس سے پُر ہو کاسۂ شیر
واں تھا اک حوض اس طرح پُر آب — چشم عاشق ہو جس طرح پُر آب
غرض اس میں سے اس نے لے کر نیر — کر دیا جلد پورا کاسۂ شیر
بعد اک دم کے آئے جو آقا — اپنے کاسے کو دیکھتے ہیں کیا
نہ وہ صورت نہ وہ شباہت ہے — اک پھٹے دودھ کی سی صورت ہے
آ کے غصے میں یوں کہا "بے پیر! — ایسا ہی میں دکھا گیا تھا شیر؟"
سن کے کہنے لگا کہ "اے صاحب! — اس میں سے کچھ نہیں ہوا غائب
دیکھیے ویسا ہی بھرا ہے جام — اور اسی شکل سے دھرا ہے جام"
سن کے یہ بات وہ لگے کہنے — "ذرہ آنکھوں سے دیکھ تو اندھے
ایسا پتلا میں دے گیا تھا تجھے — الٹا کرتا ہے قائل اور مجھے"
پھر وہ بولا کہ "پتلا اور گاڑھا — مجھ کو تم نے نہیں دکھایا تھا
جیسا دکھلا گئے تھے ویسا اب — دیکھ لیجیے بھرا یہ کاسا سب
وہ غرض ہو کے عاقبت ناچار — دودھ پینے لگے جوں ہی یک بار
کہیں پانی میں حوض کی مچھلی — آ گئی تھی جو ایک چھوٹی سی
ان کو پینے میں جو نظر آئی — تو لگے کہنے "او بے سودائی!
اس میں یہ چیز کیا ہے دیکھ ذرا" — سن کے یہ بات اور ہو کے خفا
یوں لگا کہنے "سخت واہی ہے — اِ کہا جا یہ شیر ماہی ہے"

اس کی تقریر سن کے اے مہجور!
ہو گیا چپ غرض وہ اہل شعور

نقل دیگر

نقل طرفہ ہے اک ہگوڑے کی — سن کے آئے جسے سبھوں کو ہنسی
رات کو اپنا چھوڑ کر بستر — ایک صاحب کی جا کے بالیں پر
چین سے بیٹھ کر ہگ آتا تھا — پر وہ اُس کو کبھی نہ پاتا تھا
ایک دن اس نے دل میں ٹھانی یہ بات — سوئیے بھی ذرا نہ آج کی رات

دیکھوں تو کون سا وہ انساں ہے — رات کو ھگتا روز جو یاں ہے
الغرض دل میں بات ٹھان کے یہ — سو رہا چپ دوپٹا تان کے یہ
اس میں معمول سے وھیں اپنے — شوق سے آ کے وہ لگا ھگنے
یہ تو تھا جاگتا ، وھیں اٹھ کر — یوں لگا کہنے ''تو ہے کون بشر؟
یوں سرھانے مرے جو اے بدخو! — آ کے ھگ جاتا ہے ہمیشہ تو؟''
سن کے کہنے لگا کہ ''اے مردک! — مجھ کو پہچانتا نہیں اب تک!
سن لے شیطان کا میں بیٹا ھوں — کیوں نہ سر پر ترے ہمیشہ ھگوں''
سن کے یہ اس نے جھٹ پکڑ کر ھات — جا کے دیول میں پھر کہی یہ بات
''باپ کا تو تمھارے یہ گھر ہے — روز ھگیے یہاں تو بہتر ہے
باپ کے گھر کو چھوڑ کر ھر جا — یوں نہیں ھگتے پھرتے ھیں بیٹا''
غرض اس نے زباں کو کھول دیا — خوب سا آن کا گوز بند کیا

سچ ہے مہجور یہ 'پرایا گھر
تھوک کا ڈر، ہے اپنا گھر ھگ بھر'

نقل دیگر

نقل ہے ، اک عزیز وقت پگاہ
گیا اک آشنا کے گھر ناگاہ
اتفاقاً کہ وہ نہ تھا گھر میں
اس کی مادر نے آن کر در میں
شفقت سے پھر اس یوں پوچھا
''گھر سے کچھ کھا کے آیا ہے بیٹا؟
جب تلک گھر میں آئے تیرا یار
جو کہے تو ابھی وہ ھو تیار
یا نہیں کچھ تو کہہ نہاری نان
دوں منگا چوک سے تجھے اس آن''

سن کے یہ اس سلیقہ دار کی بات
یوں لگا کہنے سن کے وہ بد ذات
''آپ کے سر کی سوں کہ یہ بےباک
کھا کے آیا ہے آج تو امساک''
پیر زن سن کے اس کی یہ تقریر
لگی کہنے ''تو سخت ہے بے پیر
بڑے بوڑھوں سے اپنے کیسی بات
کہیں کرتا ہے کوئی ایسی بات''
آخرش کو وہ پیر زن مہجور
گئی گھر میں یہ کہہ کے ''چل ہو دور''

چھٹا باب

خردمندوں کی نقلوں میں

عاقلانِ صاحبِ ہوش اورناقلانِ عجیب پوش قرطاسِ ادراک پر کلکِ چالاک سے یوں تحریر و تسطیر کرتے ہیں کہ ایک فقیر روشن ضمیر کے قریب ایک غریب پُر فریب جاکر یوں حرف زن ہوا کہ ''اے درویش خیر اندیش! تیری خدمت فیض درجت میں تین سوال دور از خیال رکھتا ہوں ، اس کا جواب با صواب عنایت کر : پہلے سوال کا احوال یہ ہے کہ سب صاحب کہتے ہیں کہ خدا ہر جا حاضر و ناظر ہے ، یہ بندہ گندہ کسی جا نہیں دیکھتا ، چشم ظاہر بین سے دکھلا دیجیے ۔ دوسرے یہ کہ انسان ضعیف‌البنیان کو تقصیر کی تعذیر کیوں دیتے ہیں ؛ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے ، انسان ناتواں کو کچھ قدرت اور طاقت نہیں اور بے ارادت قدرت حق تعالیٰ کے کچھ نہیں ہوتا ؛ چنانچہ مثل مشہور ہے : مصرع

بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت

پس اگر انسان ضعیف‌البنیان کو قدرت یا طاقت ہوتی تو تمام کام اپنے واسطے خوش‌تر اور بہتر کرتا ۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ شیطان بے ایمان کو برائے عذاب دوزخ میں ڈالے گا ، پس آتش دوزخ اس سرکش کو کیوں کر عذاب کرے گی کہ اس کی سرشت آتش کی ہے ؛ بھلا آتش کو آتش کیا صدمہ دے گی ۔'' یہ

گفتگو دُو بدُو سن کر وہ فقیر روشن ضمیر ایک ڈھیلا بڑا سا اس کے سر پر مار کر خاموش ہو گیا۔

وہ شخص بہ نالہ و زاری بہ صد بے قراری قریب قاضی کے جا کر مستغاثی ہوا کہ ''میں نے فلانے درویش جفا کیش سے تین سوال کیے تھے، سو اس کا جواب باصواب اس عذاب کا دیا کہ مارے درد سر کے میرا سراسر حال ابتر ہے۔'' القصہ قاضی مرد ریاضی نے اس درویش خیر اندیش کو بلوا کر کہا کہ ''اے فقیر روشن ضمیر! تو نے اس بے تقصیر، تن حقیر کو کیوں ڈھیلا مارا کہ جس سے یہ دل تنگ جان سے بہ تنگ ہے'' اس کے جواب میں وہ درویش دل ریش کہنے لگا کہ ''وہ ڈھیلا اس کے سوال فرخندہ فال کا جواب باصواب ہے لیکن یہ نہیں سمجھا، نہیں تو پتھر کا ہو جاتا، یعنی اس کو چوٹ اثر نہ کرتی اور مانند بت خاموش و بے ہوش رہتا۔ اے قاضی مرد ریاضی! اول سوال کا جواب یہ ہے کہ اس سے پوچھیے کہ درد سر کی کیا صورت ہے اور کہاں سے آتا ہے کہ جس سے اس کا ناک میں دم ہے۔ جو یہ اپنے درد سر کی شکل مجھ کو دکھلا دے تو میں بھی اس کو خدا کو دکھلا دوں، اور دوسرے یہ جو کہتا ہے کہ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے، اس کے بے ارادت کچھ نہیں ہوتا، تو پھر یہ میری نالش تمھارے پاس کیوں لایا؟ وہ تو جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ نے کیا، مجھ مجبور کا کیا قصور، اور تیسرے یہ جو کہتا ہے کہ شیطان بے ایمان کو آتش دوزخ نہ عذاب دکھاوے گی کیونکہ دونوں کی ایک سرشت ہے کیونکہ بہ قول شخصے: مثل

ٹھٹھیرے ٹھٹھیرے بدلائی نہیں ہوتی ہے

پس اگر یہی سمجھا تھا، پھر خاک سے اس کی خاک

ناپاک کو کیوں رنج و الم پہنچا کیونکہ ڈھیلے کی سرشت اور اس کی ایک ہے۔" یہ تقریر پُر تاثیر اس فقیر پُر تاثیر کی قاضی مرد ریاضی سن کر لاجواب ہوا۔

ابیات

مرد دانا تھا کہ سن کر یہ جواب
پھر زباں پر وہ نہ لایا کچھ خطاب
لیکن اے مہجور! اس کا مدّعا
فی‌الحقیقت خوب رنگیں نے کہا
"وہ جو احمق ہے نہیں اس کا علاج
وہ نہ کل سمجھا ہے سمجھے گا نہ آج"

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد کرتے ہیں کہ مشیت ربانی اور ارادت یزدانی سے لاکھ مردۂ بے جان کو زندہ کر سکتا ہوں اور ہزار نابینا کو طرفة العین میں بینا کرتا ہوں لیکن ایک احمق مطلق کو دانا نہیں کر سکتا ہوں، اور ہندی مثل مشہور و معروف ہے: مثل

گدھا پیٹے سے گھوڑا نہیں ہوتا

چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں: شعر

خر عیسیٰ اگر بہ مکّہ رود
چوں بیاید هنوز خر باشد

نقل ہے کہ ایک عزیز با تمیز دانائے دھر اور یکتائے عصر ایک امیر صاحب توقیر کے مکان دل ستاں میں وقت اختتام شام وارد و صادر ہوا؛ چنانچہ صاحب خانہ نے اس کو دیوان خانۂ عالی شان رشک گلستان میں صدر نشین کیا، بعد ایک پاس شب پُر طرب اس عالی مقدار والا تبار نے بہ تکلف تمام اقسام اقسام طرح طرح

کے کھانے ذائقہ دار مع مربّہ و اچار دسترخوان محمودی پر اس شیریں زبان رطب البیان کے سامنے حاضر کیے ؛ چنانچہ حسب اتفاق اس دسترخوان پُر الوان پر نقرئی کباب خوری میں ھفت عدد بیضۂ مرغ نیم برشت انجم سرشت ایسے جلوہ گر تھے کہ ان کی آب داری کے آگے دُرِّ یتیم بھی یتیم معلوم ہوتے تھے ، لیکن اس دسترخوان پُر الوان پر ایک تو صاحب خانہ اور دوسری اس کی منکوحہ مع دو فرزند ارجمند ، یہ چار اشخاص خاص ایک گھر کے اور پانچواں وہ مہمان عالی‌شان ۔ یہ سب شگفتہ لب اس دسترخوان دل ستاں پر جلوہ کناں تھے اور بیضۂ مرغ رشک انجم سات عدد جو تھے اس واسطے صاحب خانہ نے سادگی سے مہمان ذی شان سے کہا ”اے عزیز باتمیز! ان بیضوں کی تقسیم تعمیم تیرے وقوف پر موقوف ہے مگر دانائی ، اے بھائی! یوں چاہتی ہے کہ بیضۂ مرغ ایک نہ ٹوٹے اور ساتوں بیضے پانچ آدمیوں میں برابر قسمت ہو جائیں ۔“

غرض اس عزیز با تمیز نے ”الامر فوق الادب“ کہہ کر ایک بیضہ تو صاحب خانہ کے آگے رکھ دیا اور ایک بیضہ آپ لے لیا اور دو بیضے دونوں بیٹوں کو عنایت کیے اور تین بیضے اس کی زن رشک چمن کے حوالے کر دیے ۔ یہ ماجرا حیرت افزا اس مردِ خدا کا صاحب خانہ دیکھ کر کہنے لگا ”اے عزیز بے تمیز! یہ حصہ پر قصّہ تو نے کس منصفی سے کیا؟“ یہ سخن دل‌شکن صاحب خانہ کا سن کر وہ مہمان بے خانماں یوں حرف زن ہوا کہ ”اے بندہ نواز ریش دراز! بہ چشم انصاف صاف ملاحظہ کر کہ ایک بیضہ مرغ کا اور دو بیضے خفیہ......[1] یہ تین بیضے تیرے پاس بلاوسواس ہوئے یا نہیں اور اسی قبیل پُر دلیل سے تیرے بیٹوں کے اور میرے پاس

---

۱ ۔ یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے ۔

تین تین بیضے موجود ھیں مگر تیری جورو مہ رو کے پاس کوئی بیضہ خفیہ نہ تھا ، اس واسطے اس کو کڑک مرغی سمجھ کر میں نے مرغ کے تین بیضے دیے تا کہ ھم سب کے برابر ھو جائے“ غرض اس تقسیم دل دونیم کی تفصیل بے عدیل سن کر وہ مرد بے دلیل کمال نادم ھوا ۔

خیر وہ شب توگزری ، پھر بہ وقت نصف‌النہار ایک بار وہ پانچوں اشخاص خاص بے شش و پنج برائے تناول طعام لذت التیام جو مستعد ھوئے تو اس وقت دسترخوان غیرت گلستان پر چار مرغ بریان خجلت دہ گل ارغوان ایسے تیار و خوش‌گوار ھو کر آئے کہ جس کی بو باس سے مشام قلب سے طائرِ گرسنگی پرواز کرنے لگا ۔ اس صاحب خانہ ِخفت خوردہ نے پھر بہ پاس خاطر عاطر مہمان کہا ”اے مجمع‌الکرامات و اے منبع الکمالات ان کبابوں کی بھی تقسیم بہ طرز قدیم تیری رائے پر موقوف ھے ۔“ غرض اس باتمیز نے کہا ”کیا مضائقہ : مصرع

اگر یوں ھے مرضی تو کیا ھے خلل“

یہ مصرع پڑھ کے ایک مرغ بریان اس مہمان بے گمان نے صاحب خانہ اور اس کی منکوحہ کے آگے رکھ کے کہا ”یہ ایک مرغ تم دونوں کے حصے میں ھے“ اور ایک مرغ اس کے دونوں بیٹوں کے آگے رکھ دیا اور دو مرغ بریان دل خستہ وابستہ اپنے سامنے رکھے۔ یہ تقسیم ذمیم صاحب خانہ دیکھ کر کہنے لگا ”اے نامعقول بے عقول! یہ حصہ پُر غصہ تو نے کیسا کیا کہ ایک مرغ ھم دونوں آدمیوں میں دیا اور دو مرغ تجھ اکیلے نے لیے ۔

قطعہ

منصفی اپنے دل میں آپ تو کر ایسی تقسیم ھے کہیں بہتر؟

غیر کو کیا غضب ہے کم دیجے ہاتھ سے اپنے خود بہت لیجے"

یہ گفتگو اس نیک خو کی سن کر مہمان تیز زبان کہنے لگا کہ "اے نافہم! سمجھ تو دل میں کہ ایک مرغ اور تم جورو خاوند یہ تین پورے ہوئے یا نہیں ؛ اس طرح ایک مرغ اور تیرے دونوں بیٹے، یہ بھی تین دل نشین کر لے اور دو مرغ ایک میں تن تنہا ، یہ بھی حساب سے ، اے بے حجاب ! درست اور چست ہیں ؛ کچھ اس میں مطلق کم و زیادہ نہیں، جی میں سمجھ تو ، تو نے کون سی تقصیر اور نا انصافی کی بات میری طرف عائد کی۔"

یہ گفتگو اس بد خو کی سن کر صاحب خانہ نہایت کڑ کڑایا اور اپنے خادموں سے کہنے لگا کہ "اس مرغے بے ہنگام دل بے دام سے کہہ دو کہ میرے غریب خانے سے نکل جائے ، ورنہ مجھ کو کمال کوفت ہوگی کیوں کہ اس کی ہر ایک نوک جھوک دل کو خار لگتی ہے۔ یہ کیا غضب ہے کہ جس کا دانہ پانی کھائے اور اس کو ڈنکے کی چوٹ یوں لام کاف سنائے ! اس کی وہ مثل ہے کہ :

'جس رکابی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے'

یہ بات اصیل زادے اور نجیب الطرفین سے نہایت معیوب ہے۔ آج کوئی محتاج بے زر بے پر کو اس طرح حقیر اور بے توقیر نہیں کرتا ہے جس طرح یہ مرغا مجھ کر اڑا اڑا کر دباتا ہے ، سچ تو یوں ہے : شعر

اس سے کس طرح کوئی بر آئے
جس کو غیرت نہ کچھ نظر آئے

یہ سخن دل شکن صاحب خانہ کا سن کر مہمان پر طوفان

کہنے لگا "اے یارو! :

ابیات

کیوں نہ عالم تمام ہووے تباہ
منصفی اڑ گئی جہان سے آہ
یہ زمانہ بھی ہے عجب ڈھب کا
سچ جو بولے وہی ہے دیوانا

یہ اشعار وہ مہمان زبان طرّاز پڑھ کے اپنے گھر کو روانہ ہوا اور صاحب خانہ اس کی گفتگو عربدہ جو سے نہایت خشم گیں ہوا۔

قطعہ

سچ ہے مہجور مردمانِ عقیل
نئی کرتے ہیں ہر سخن کی دلیل
نہیں ہوتے ہیں وہ کسی جا بند
لاکھ ڈھب کی کرے کوئی گر چھند

نقل ہے کہ ایک دانش مند افلاس کا درد مند بہ دستِ بختِ سیاہ بہ حال تباہ اپنے شہر سے جو کسی اور شہر سینوچہر میں وارد و صادر ہوا تو وہاں لوگوں نے اس کے احوال پر ملال کو دریافت کر کے کہا کہ "اے عزیز صاحب تمیز! اس شہر میں ایک شخص رشک حاتم طائی مولائی رہتا ہے؛ اگر تو اس کے پاس بلا وسواس جائے تو غالب ہے کہ تیرا دست تہی اس کے جود و سخا سے پر ہو جائے" وہ دانش مند حال کثیف اور صورت نحیف سے اس امیر صاحب توقیر کے قریب گیا لیکن وہ ظاہر پرست عقل پست غرور و کبر اور استغنا سے اس غریب بے نصیب کو مطلق خیال میں نہ لایا بلکہ اس دور افتادہ

غم آمادہ کے قریب بیٹھنے کا بھی روا دار نہ ہوا ۔ وہ دانش مند دردمند شرمندہ ہوکر بہ صد ندامت و خجلت کسی مسجد میں جا کر سو رہا ۔ چند روز کے بعد لباس پاکیزہ بہ کرایہ لے کر اپنے تن پر آراستہ و پیراستہ کیا اور اس ظاہر پرست نو دولت کے قریب بہ صد تہذیب جا کر ہم زانو ہوا ۔ وہ دنیا دار ایک بار بے اختیار تعظیم و تکریم عمیم بجا لایا اور کھانے کو طعام خوش‌گوار بہ تکلف بسیار مع مربہ و اچار حاضر کیا ۔ وہ دانش مند ، عقل مند دستر خوان الوان پر بیٹھ کر لقمہ ہائے طعام مقوی مشام اپنے دامن آستین میں رکھنے لگا ۔ یہ واردات واہیات دیکھ کر صاحب خانہ کہنے لگا ''اے عزیز بے تمیز! اپنا لباس کھانے سے ستیاناس کیوں کرتا ہے ؟ یہ طعام ، اے ناکام ! کھانے کے واسطے ہے مگر کپڑے خراب کرنے کو نہیں ہے ۔'' یہ کلام نافرجام اس ناکام کا سن کر وہ کہنے لگا ''اے عزیز بے تمیز! اول روز یہ جگر سوز تیرے پاس بلا وسواس اس حالت کثیف سے آیا تھا ، تو نے مطلق التفات نہ کیا اور آج یہ محتاج پوشاک نفیس سے تیرے قریب جو آیا تو تو نے اس قدر تکلف کیا کہ جس کا بیان ، بیان سے باہر ہے ؛ تو یہ طعام ، اے ناکام! میرے لائق نہیں ہے ، جس کے واسطے ہے ، اس کو میں کھلاتا ہوں ۔

ابیات

اگر میری خاطر یہ ہوتا طعام
تو پہلے بھی دیتا مجھے لا کلام''
یہ بات اس کی سن کر وہ نادان امیر
ہوا اپنے دل میں بہت سا حقیر

جو مہجور دنیا میں نادان ہیں
وہ باتوں سے اپنی پشیمان ہیں
جو دانا ہیں ان کا ہمیشہ سخن
دل و جاں سے سنتے ہیں سب مرد و زن

نقل ہے کہ ایک بادشاہ عالی جاہ قصر بلند پر بیٹھا مردمانِ رهروان کا نظارہ کناں تھا کہ یکایک طائر نظر قفس چشم سے پرواز کر کے ایک طرف کو جا پڑا تو کیا نظر آیا کہ ایک شخص ہاتھ میں مرغ لیے مثل طعمہ ادھر دکھا رہا ہے۔ اس بادشاہ جم جاہ نے اس کو قریب بلوا کر کہا ''اے عزیز بے تمیز! یہ مرغ نو گرفتار تیرے چنگل نابکار میں کیا ہے؟'' وہ ذو فنون فیلسوف یہ سخن پُرفنِ زبان پر لایا کہ ''اے شہنشاہ گیتی پناہ! اس غلام ناکام کا مرغ کشتی چڑھا اس مہینے کے درمیان کئی پالیاں گھٹ گیا تھا ، آخر کار ناچار اپنی نا اقبالی سمجھ کر اس تیرہ بخت نے آج وہ مرغ آپ کی طرف سے بازی لگا کر لڑایا ، سو آپ کے اقبال فرخندہ فال سے وہ مرغ بڑھ گیا ، اس واسطے آپ کی خدمت فیض درجت میں یہ مرغ بازی کی جیت کا لایا ہوں ، اس کو قبول بے عدول کیجیے۔'' بادشاہ نے وہ مرغ اس مرغے سے یہ سمجھ کر لے لیا ، بہ قول شخصے : مثل

''مفت کی شراب قاضی بھی پی جاتا ہے''

اور اس کے سوا :

''مفت را چہ گفت،،

الحاصل وہ مرد عاقل دو چار روز کا وقفہ دے کے ایک گوسفند دل پسند لے کر بادشاہ گیتی پناہ کی خدمت فیض درجت

میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ''یہ بھی آپ کے نام نیک انجام سے بازی میں جیتی ہے ، اس کو بھی باورچی خانے میں بھجوا دیجیے۔'' بادشاہ نے وہ بھی مال مفت سمجھ کر لے لی ۔ چند روز کے بعد وہ دانش مند خود پسند ایک شخص رو سیاہ کو ہمراہ لے کر آیا اور بادشاہ جم جاہ سے کہنے لگا ''اے حضرت سپہر کرامت! میں بد خصلت آپ کی طرف سے دو ہزار روپے اس شخص سے بازی لگا کر چوسر کھیلا تھا ، سو ہار گیا ؛ دو ہزار روپے خزانۂ عالی متعالی سے عنایت کیجیے تاکہ غلام اس بازی جان بازی سے نجات پائے ۔'' یہ سخن واهیات اس سخت دھن سے سن کر بادشاہ متبسّم ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ ''سو سنار کی ایک لہار کی'' یعنی اس نے اچھی ضرب لگائی ''۔ غرض بادشاہ عالی جاہ نے اُس کو دو ہزار روپے دلوا کر کہا ''اے عزیز بے تمیز! اب جو کچھ ہوا سو ہوا ، الماضی لایذکر ، لیکن میرے نام نیک انجام کی پھر کسی سے بازی نہ لگانا ۔

قطعہ

نہ اب تجھ سے بازی میں لوں گا کبھی
نہ اس طرح کی ہار دوں گا کبھی''
غرض دل میں مہجور وہ بادشاہ
بہ غایت ہنوا شرم گیں بے گناہ

نقل ہے کہ ایک بادشاہ جم جاہ نے ایک منجم پر فہم سے پوچھا کہ ''اے اختر شناس نیک اساس! دیکھ تو، میرا گل زندگی باغ جہاں میں کب تک شگفتہ رہے گا اور خزانِ اجل میری بہارِ زیست کو کب پت جھڑ کرے گی ؟'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا سن کر وہ منجم بے غم یوں حرف زن ہوا کہ

''اے رونق بوستان حشمت و اے زینت گلستان دولت! علم نجوم سے یوم معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کا گل زیست گلشن ہستی میں تیس برس کے بعد صر صر اجل سے مر جھائے گا: شعر

اگر جھوٹ ہو اس میں اے شہر یار!
تو اس برھمن کو سمجھنا چمار''

یہ سخن دل شکن اس برھمن کا سن کر بادشاہ عالم پناہ نہایت ملول غم شمول ہوا؛ یہاں تک کہ دو چار روز میں وہ دل فگار اس قدر نحیف و نزار ہو گیا جیسا کہ مہینوں کا بیمار ہوتا ہے۔ یہ احوال پُر ملال بادشاہ فرخندہ فال کا وزیر نیک خصال دیکھ کر یوں گویا ہوا کہ ''اے شہنشاہ گیتی پناہ! بہ قول میر حسن: شعر

رہے جاہ و حشمت یہ تیرا مدام
بہ حقِ محمد علیہ السلام

یہ غلام ناکام خدا وند نعمت، سپہر کرامت کو کئی روز سے نحیف و نزار دیکھتا ہے، اس کا موجب اور سبب کیا ہے؛ خانہ زاد موروثی کو دریافت ہو تاکہ اس کی تدبیر پُر تاثیر کی جائے۔'' یہ گفتگو وزیر نیک خو کی گوش زد فرما کے بادشاہ کہنے لگا ''اے وزیر صاحب توقیر! کچھ نہ پوچھ: شعر

میں پُر غم اس لیے بلبل صفت دن رات نالاں ہوں
کہ باغِ دھر میں گل کی صفت کچھ دن کا مہماں ہوں''

المدعا وزیر دل‌پزیر احوال پُرملال کے اظہار و انکشاف پر جب نہایت درپے ہوا تو بادشاہ جم جاہ نے بہ دیدۂ گریان، بہ دلِ بریان یوں زبان کو نطق سے آشنا کیا کہ ''اے وزیر دل پزیر!

اس شخص کی زیست میں تیس برس باقی ہیں ، اس سبب سے میرا دل حزیں اجل کے قریں نظر آتا ہے ۔'' یہ کلام بادشاہ عالی مقام کا مسموع کر کے وزیر کہنے لگا ''خدا وند نعمت! آپ کو کیوں کر یقین ہوا؟'' اس کے جواب میں بادشاہ جم جاہ نے کہا ''فلانا اہل تنجیم قدیم از روئے علوم نجوم کے کہتا ہے ۔'' وزیر دل پزیر کہنے لگا کہ ''اے شہنشاہ گیتی پناہ! اس برہمن سخت دھن کو غلام کے رُو برُو بلوائیے تا کہ صاف دریافت ہو کہ وہ کس رو سے کہتا ہے ۔''

حاصل کلام بادشاہ عالی مقام نے اس نجومی کو بارگاہ شاہی میں یاد فرمایا ؛ وزیر صاحب تدبیر نے اس سے پوچھا ''اے اہل تنجیم قدیم! بادشاہ عالی جاہ کی تعداد زیست تو نے بتائی ہے؟'' اس کے جواب میں وہ اجل گرفتار ایک بار کہنے لگا ''میں کیا کہتا ہوں ، علوم نجوم سے یوں ہی معلوم و مفہوم ہوتا ہے ۔'' یہ گفتگو سن کر وزیر نیک خو کہنے لگا ''اے برہمن ! تیرا بچن ٹھیک ہے لیکن سچ کہہ تیری زیست میں ، اے پُر ہوس! کتنے برس باقی ہیں ؟'' وہ نجومی شامت زدہ کچھ حساب اور شمار کر کے کہنے لگا ''اے وزیر دل پزیر! میری زندگانی دار فانی میں دس برس اور بھی ہے ؛ اس میں اگر کوئی مجھ کو پتھر سے مارے گا تو بھی نہ مروں گا ۔'' یہ سخن اس برہمن کا سن کر وزیر نے ایک تلوار آب دار ایسی جڑی کہ سر کٹ کر دھڑ سے قدم پر آ رہا اور قضا اس کی لاش پر گریہ کناں ہوئی ۔ غرض نجومی ہارونی کو جہنم واصل کر کے وزیر صاحب تدبیر بادشاہ جم جاہ سے کہنے لگا ''دیکھیے خداوند نعمت، سپہر کرامت! اس اجل گرفتہ کو اپنی تو قضا دریافت نہ تھی ، پھر اور کی قضا کیا معلوم ہوگی ۔'' یہ تماشائے عجیب و غریب دیکھ کر

بادشاہ نہایت خوش حال ہوا اور اسی دن سے آزار توہم علاج خوشی سے دفع ہو گیا۔

مثنوی

غرض عقل مندوں کی ہم عقل پر
کہیں آفریں کیوں نہ شام و سحر
جو مہجور کچھ بھی ہے باھوش تو
تو میری نصیحت کو کر گوش تو
کبھی ظاھرا موت انسان کی
ز روئے نجوم اور طبابت سے بھی
جو دریافت ہو پر نہ یہ چاہیے
کہ صاف اس جفا کش کو بتلائیے

نقل ہے کہ ایک مرد صاحب درد کی جورو بدخو پلید نہایت جنگ جو تھی ؛ یہ قطعہ نخشبی کا اسی کے حق میں موزوں ہوا تھا :

قطعہ

نخشبی زن کہ جنگ جُو باشد
طاقت جنگ او نہ دارد گیو
همه عالم ز دیو بہ گریزد
از زنِ جنگ جُو گریزد دیو

الحاصل وہ زن پُر فن ایک روز شوہر غم اندوز سے جنگ و جدل کر کے مع دو طفل صغیر صحرائے کبیر میں چلی گئی۔
بیان شب : اس عرصے میں جس وقت شہر بانان شب نے فلک پر ستاروں کے گل نمایاں کرکے چلنے کی صورت نمود کی ، اس وقت وہ زن پُر فن ایک درخت کے نیچے دونوں لڑکوں کو لے کر بیٹھ

رهی لیکن صحرائے ہول ناک کی دہشت پر وحشت اس قدر دل پر غالب ہوئی کہ خواب آنکھوں سے خیال ہو گیا ۔ اس حالت پر ملالت میں آپ کو لعنت و ملامت کرکے کہتی تھی کہ مجھ کم بخت نا شدنی نے بیٹھے بٹھلائے کیا طوفان اٹھایا جو اس مصیبت پر صعوبت میں ایک بار گرفتار ہوئی لیکن یہ شب پر غضب صبح زیست کی سحر دکھائے تو اپنے گھر جا کے پھر ایسی حرکت ناشائستہ نہ کروں گی اور شوہر خوش منظر کی پرستاری اور فرماں برداری سے تا بہ زندگی سر نہ اٹھاؤں گی ؛ فی الحقیقت بہ قول نخشبی :

قطعہ

نخشبی جہل پائے بند قوی ست
مسی نہ دانم تو در چہ سودائی
ہر چہ دانا کند کند نادان
لیکہ بعد از قبول رسوائی

الغرض وہ زن پر فن یہ گفتگو دل میں کر رہی تھی کہ ایک پلنگ دبنگ پر حیرت شیرصولت سامنے سے نمودار و آشکار ہوا ۔ دیکھتے ہی اس پلنگ قضا کے خدنگ کو عورت بد خصلت کی روباہ عقل طپانچۂ دہشت پلنگ سے فرار ہونے لگی کہ یکایک اسد حواس نے پنجۂ فراست میں داب، کر یہ کہا : شعر

منہ کو اب پھیر نہ ذی عقل تو مر جانے سے
شدنی جو ہے وہ ٹلتی نہیں گھبرانے سے

المدعا وہ زن پر فن اس پلنگ با نیرنگ کو پکار کے کہنے لگی ”اے پلنگ خوش رنگ! جلد آ اور میرے سخن دل لگن کو اپنے گوش ہوش میں راہ دے ، جو تیرے من کا چیتا ہوگا وہ

خاطرخواہ بر آئے گا۔" یہ بات واہیات سن کر وہ پلنگ کہاں متعجب ہو کر کہنے لگا "اے عورت بے دہشت! وہ کون سی بات نادرات ہے کہ جس کے استماع کو تو طلب کرتی ہے؟" وہ زن پُر فن بولی "اے پلنگ! کچھ نہ پوچھ، یعنی میرے شہر مینوچہر کو اس بیشے کے شیر دلیر نے پنجۂ اجل سے تاخت و تاراج کر دیا تھا، آخرکار تمام ساکنان شہر اور موالیان دھر نے باہم بیٹھ کر یہ مشورہ کیا کہ یہ شیر دلیر کھانے کو تو دو تین آدمی کھا جاتا ہے لیکن تمام شہر کو ھلاک و بے جان کرتا ہے۔ اس سے تو یہ بات بہتر ہے کہ اس شیر دلیر کے تین آدمی روز کے مقرر کر دیجیے تاکہ زیادہ اور کسی پر آفت پُر صعوبت نہ آئے۔ سو آج کے روز مجھ غم اندوز کی باری ہے، اس واسطے اس بیشۂ ہول ناک میں میں غم ناک مع دو طفل صغیر آئی ہوں، لیکن اے پلنگ نیستاں! میں دل بریاں درویشوں کی آل سے ہوں، مجھ سے کوئی محروم نہیں جاتا، اگر تو میرے طعمۂ گوشت سے اپنی زبان اس آن سیر کیا چاھتا ہے تو کیا مضائقہ! میں بھی چاھتی ہوں، مگر ایک طفل اور آدھا میرا وجود موجود ہے، اس کو تو بہ خوشی تمام نوش جان کر اور آدھا میرا وجود اور ایک لڑکا شیر دلیر کے واسطے رہنے دے کیونکہ اس کے واسطے میں اجل گرفتہ اس مرغ زار میں آئی ہوں۔"

یہ کلام حیرت التیام اس زن پُر فن کا سن کر وہ پلنگ غولہ رنگ دنگ ہوا اور یوں کہنے لگا کہ "اے عورت نیک خصلت! تجھ سی صاحب سخاوت ہم نے کوئی عورت نہیں دیکھی کہ اسباب معاش اپنے دشمن کو دے اور اپنے کشندے سے مراعت کرے: شعر

یہ سخاوت کہیں نہیں دیکھی
تجھ میں اے نیک بخت ہے جیسی

وہ زن یہ سخن پلنگ سے سن کر کہنے لگی کہ ''اے پلنگ خوش رنگ! یہ بات ارباب سلوک اور احبابِ دل ملوک سے عجب نہیں ؛ اگر اس کا بیان کروں تو نہایت طول رکھتا ھے مگر اے پلنگ خوش منظر! میں تو آج مقرر کشتہ ہوں گی اور میرا گوشت مع پوست برباد ھو جائے گا ؛ اگر شیر نے کھایا تو کیا اور تو نے کھایا تو کیا ؛ بہ قول شیخ سعدی علیہ الرحمہ : مصرع

چہ بر تخت مُردن چہ بر روئے خاک

لیکن اے پلنگ بانیرنگ ! تو مجھ کو کھا کر یہاں سے جلدی فرار ہو جا ، کس واسطے کہ شیر دلیر کسی کا جھوٹا شکار زنہار نہیں کھاتا اور اس کا مارا ھوا شکار ھر کوئی جانور چرند اور پرند کھاتا ھے ؛ اس واسطے کہتی ہوں کہ جو وہ جانے گا کہ میرا طعمہ پلنگ کھا گیا ھے تو تیری جان اس بیابان میں مع آل و اطفال نہ بچے گی۔'' یہ سخن دل‌شکن سن کر وہ پلنگ ایسا وھاں سے فرار ھوا کہ کئی کوس تک منہ پھر ادھر نہ کیا۔

حسب اتفاق ایک روباہ رُوسیاہ آگے آ کر یوں گویا ھوئی کہ ''اے پلنگ خوش‌رنگ! اس طرح مضطر تو کدھر بھاگا جاتا ھے؟'' اس پلنگ دل تنگ نے اس زنِ پُر فن اور شیر کا قصہ روباہ رُوسیاہ کے گوش زد کیا۔ اس احوال پُر ملال کے سنتے ھی روباہ روسیاہ نے زبان ملامت کو تقریر نصیحت میں کھول کر کہا ''اے پلنگ! تیری شجاعت اور غرور کا کیا مذکور لیکن عقل سے خالی ھے۔ دماغ اور ادراک حق تعالیٰ نے انسان ضعیف البنیان کو دیا ھے ، یعنی ایک زن پُر فن کے حیلے اور مکر میں تو ایسا آ گیا کہ تیرے توسن حواس کی عنان دست ھوش سے جاتی رھی۔ اے پلنگ دل تنگ! اگاڑی سے منہ موڑ کر پچھاڑی پھر چل ، اپنا شکار خستہ و

خوار نہ کر ، ایسے لقمۂ عزیز کو کوئی ہاتھ سے یوں مفت کھوتا ہے ۔ آج تیرے صدقے سے میں بھی سیر ہو کر دعائے خیر کروں گی کیونکہ مثل مشہور ہے ''جس کا کھائے اس کا گائے''۔

یہ گفتگو روباہ رو سیاہ کی سن کر پلنگ کہنے لگا کہ ''اے روباہ دل‌خواہ! یہ تو ہو سکتا ہے مگر شیر دلیر کا نہایت خوف و خطر ہے ؛ مبادا وہ بد بلا جو میرے پیچھے پڑے گا تو اس کے پنجۂ غضب سے رہائی مشکل ہے اور تو اپنے بل میں چھپ کر بچ رہے گی ؛ کہنے والوں کا تو کچھ نہ جائے گا ، میری جان مفت جائے گی'' یہ بات واہیات سن کر روباہ رو سیاہ جواب دہ ہوئی ''اے پلنگ دل تنگ! اگر میری فراست اور درایت تجھ کو اعتقاد اور اعتماد نہیں ہے تو میرا پاؤں اپنے پاؤں سے مستحکم باندھ کر اس زن پُر فن کے پاس بلا وسواس چل ؛ اگر شیر نیستان اس آن آ جائےگا تو مجھ کو اس کے روبرو پھینک کر بھاگ جانا'' الغرض اس پلنگ بے ننگ نے اس روباہ رو سیاہ کو پاؤں میں باندھ کر جونہیں اس عورت پُر فطرت کے قریب گیا ، وہیں وہ مکار ایک بار پکار کر کہنے لگی ''اے پلنگ دل تنگ! مرحبا مرحبا! زود بیا ، سچ ہے کہ اس کو رزق کہتے ہیں کہ تو پھر آپ سے میرے پاس آیا اور نہ میں حکایت پُر شکایت شیر کی تیرے سامنے کہہ کر سخت نادم تھی کہ اپنے ہاتھ سے آیا ہوا رزق کھو دیا لیکن یہ مثل سچ ہے : مصرع

زرق را روزی رساں پرمی دهد

اے پلنگ بے ننگ! میں عورت پُر فطرت جادوگر ڈائن اور کفتار جگر افگار کی قسم سے ہوں ؛ ہر ایک صحرا میں جا کر کباب انتخاب پلنگ اور شیروں کے کھاتی ہوں اور پیل اور گینڈوں کا

شوربا جب تک نہیں پیتی ہوں تب تک عقلیہ کچھ نہیں معلوم ہوتا ، اور تو جو آیا ہے ایک مضغہ ذرا سا روباہ روسیاہ کا لایا ہے، اس سے تو میری ڈاڑھ بھی گرم نہ ہوگی ؛ بہ قول شخصے:
مثل

''اونٹ کے منہ میں زیرہ''

یہ گفتگو عربدہ جو دو بُدو اس زن پُر فن کی سن کر روباہ بہ صد آہ کہنے لگی ''اے پلنگ! یہ عورت بد ہیئت فی الحقیقت کوئی بلائے آسمانی یا آفت ناگہانی ہے ، اگر اپنی جان کی امان چاہتا ہے تو یہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر فرار ہو ۔'' غرض وہ پلنگ دل تنگ جو بھاگا تو وہ روباہ روسیاہ پلنگ کے پاؤں سے جو بندھی تھی ، اس کی لتاڑ میں اس قدر مجروح ہوئی کہ تمام بدن پارہ پارہ ہوگیا ۔ اس حالت پُر ملالت میں روباہ روسیاہ خندہ زن ہوئی تو وہ پلنگ دل تنگ کہنے لگا ''اے روباہ روسیاہ! یہ کیا غضب ہے کہ تو نے آپ کو میرے پاؤں سے بندھوایا اور میں تیرے باعث بھاگ نہیں سکتا ہوں ؛ اگر اس حالت پر ملامت میں وہ عورت بد خصلت آجائے تو مجھ کو اور تجھ کو بہ خوبی نوش جان کرے'' الغرض وہ روباہ رو سیاہ پلنگ کے پاؤں سے چھوٹ کر اپنے بل میں بھاگ گئی اور وہ پلنگ دل تنگ وہاں سے ایسا فرار ہوا کہ کہیں ٹھکانا نہ لگا ۔

مثنوی

اس میں جب صبح کا ہوا تڑکا
تب اس زن کا مٹ گیا دھڑکا
اپنے لڑکوں کو لے کے بے دہشت
گھر میں آئی وہ کرکے یہ فطرت

جس کو مہجور مکر یہ آئے
وہ درندوں سے جی بچا لائے

نقل ہے کہ ایک مرغ زار خوش بہار دل کش میں شیر دلیر سکونت رکھتا تھا لیکن اس کے مکان دل ستاں کا ایک میمون ذوفنون نگہبان ہر زمان تھا۔ حسب اتفاق وہ شیر شہرۂ آفاق برائے سیر کسی اور اطراف و اکناف کو راہی ہوا ؛ ایک دو روز کے بعد ایک سیاہ گوش باہوش مع زن و فرزند با دل خورسند مسکنِ شیر دلیر پر جو وارد ہوا تو وہ مکان دل ستاں نہایت مرغوب الطبع خوش وضع دیکھ کر اپنی مادہ دل دادہ سے کہنے لگا کہ ''ایسا صحرا روح افزا تو کبھی دیکھنے کا اتفاق میاں آفاق نہیں ہوا تھا : شعر

آؤ اس جا پہ بود و باش کریں
اور گھر کس لیے تلاش کریں''

یہ بات وہ بد ذات کہہ کر اس جائے دل افزا پر نازل ہوا مگر اس سیاہ گوش با ہوش کے وہاں مقیم و مستقیم ہونے سے وہ بندر مچھندر کہنے لگا ''اے سیاہ گوش بے ہوش ! یہ مکانِ جاں ستاں شیروں کا ہے، یہاں سے دُم دبا کے بھاگ جا ، نہیں تو اے ناہنجار! تو پنجۂ اجل میں گرفتار ہو جائے گا۔'' یہ گفتگو عربدہ جُو میمون بد خو کی سن کر سیاہ گوش با ہوش کہنے لگا ''اے میمون ذوفنون! کیا جھک مارتا ہے ، بہ قول شخصے : مصرع

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

اور اس کے سوا یہ زمین مثل نگین میرے باپ دادے کی میراث ہے'' یہ بات واہیات وہ میمون ذوفنون گوش زد کر کے دل میں کہنے لگا ' معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاہ گوش

با هوش کوئی بلائے بد ہے جو اس دلیری و تہوّر سے باتیں کرتا ہے ورنہ شیروں کا وہ نام ہے کہ جس کے سننے سے انسان اور حیوان کا زُہرہ آب ہو جاتا ہے‘‘۔ وہ بندر خیرہ سر یہ بات دل میں سوچ کر چپ ہو رہا لیکن اس کی مادہ دل‌دادہ نے کہا ’’اے سیاہ گوش بے ہوش! یہ مکان شیرنیستان کا ہے، یہاں سے اُٹھ چل، کسی اور مکان دل‌ستاں میں استقامت فراغت سے کر، بے فائدہ قصہ کرنے سے کیا حصول ؛ بہ قول شخصے : مثل

کجا ریش کجا......، شیر بکری کی کیا لڑائی

اور اس کے سوا جو سنے گا، زبان طعن دراز کرکے یہ مثل کہے گا : مثل

شیروں سے جھگڑتی ہے گلی خال کی مادہ‘‘

یہ گفتگو جوروئے بد خو کی سن کر کہنے لگا ’’اے بی‌بی! جس وقت وہ شیر دلیر یہاں آئے گا، میں ایک حیلہ ایسا بے بہا کروں گا کہ جس کو وہ سن کر یہاں سے فرار ہو جائے گا۔‘‘ یہ سخن حیرت افگن سن کر اس کی مادہ دل دادہ کہنے لگی ’’اے سیاہ گوش مدھوش! تیرا حیلہ گُرگ اور شغال کا سا کہیں نہ ہو جائے‘‘ وہ سیاہ گوش با ہوش بولا ’’اے بی‌بی! حیلہ گیدڑ اور بھیڑیے کا کس طرح سے تیرے گوش ہوش میں پہنچا ہے؟‘‘ وہ جواب دہ ہوئی کہ اے سیاہ گوش بے ہوش! :

’’نقل ہے کہ ایک گُرگ ناہموار برائے شکار شغالِ بد اعمال کے پیچھے دوڑا لیکن وہ شغال تیز پا اس کے رُو برُو سے مثل کافور کافور ہوگیا؛ تب تو وہ گرگ ضعیف دل نحیف اپنے دل سے یوں مشورہ کرنے لگا کہ ’اس گیدڑ کے گھر کے اندر چل کر بیٹھ رہیے، جس وقت بہ فراغت وہ آئے، نوش‌جان کیجیے۔‘ یہ مصلحت

وہ گُرگ ُپر فطرت دل میں ٹھہرا کر اس شغال بدخصال کے گھر میں جا بیٹھا ۔ اس عرصے میں دوپہر کو وہ گیدڑ بے خبر اپنے گھر بے خطر میں جو آنے لگا تو در پر نشان انجان پاؤں کے پائے ؛ یہ ماجرا حیرت افزا بے جا دیکھ کر اپنے در پر کھڑا ہو گیا :

قطعه

اور دل میں لگا یہ کہنے بات
گھر میں بیٹھا ہے اب کوئی بد ذات
کیجیے اس سے ایسی اب حرفت
جس میں اس کی چلے نہ اک فطرت

''یہ خیال وہ شغال دل میں کرکے یوں گویا ہوا کہ ''اے میرے گھر بے در! میں بے خبر تجھ میں اس وقت آؤں یا نہیں؟'' یہ سخن حیرت افگن سن کر وہ گُرگ کہن خاموش مدہوش بیٹھا رہا ؛ ایک دم کے بعد پھر وہ شغال بدافعال بولا کہ''کیوں میرے گھر بے در! میں بے خبر آؤں یا نہ آؤں؟ کیونکہ میرےاور تیرے ہمیشہ رسم سوال و جواب کی ہے ، کس واسطے کہ بنیاد سنگ کی مٹی سے ہے اور سنگ پرنیرنگ کی بنا کوہ پر شکوہ کی ہے اور کوہ کی رسم سوال و جواب کی ہے ، یعنی جو کوئی دامن کوہ میں آواز ہم راز دیتا ہے ، وہ بھی آواز خوش انداز سے جواب دیتا ہے'' :

قطعه

نخشبی رد مکن سوال کسے
قلزمی را چہ کم شود زندا
تا کہ از آدمی سخن گوید
اوہم آواز می دهد به صدا

''یہ گفتگو ُدو بُدو سن کر گُرگ کہن پُر فن دل میں کہنے لگا

'معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ اس گیدڑ کے گھر کی یہی رسم ہے کہ جب یہ آنے کو کہتا ہے تو آتا ہے اور نہیں تو نہیں آتا ہے ؛ اگر اب کی بار اس گھر نابکار سے آواز نہ سنے گا تو وہ میرے ہاتھ سے ہیہات مفت جائے گا ؛ اس سے تو بہتر یوں ہے کہ اب جو وہ آواز دے تو جواب دیجیے ۔' یہ بات وہ گُرگ بد ذات دل میں سوچ کر بیٹھا تھا کہ اس عرصے میں وہ شغال بد خصال پھر آواز دہ ہوا کہ ''اے خانۂ من و اے کاشانۂ من! آج تو مجھ کو جواب با صواب کیوں نہیں دیتا ہے؟'' یہ سخن پُر فن سن کر گُرگ کہنے لگا : مصرع

''کرمِ نما و فرودآ کہ خانہ خانۂ تست''

''یہ آواز نا ساز سن کر وہ شغال بد خصال رقص کناں اس چرواہے کے پاس گیا کہ جو اس گُرگ کا دشمن جان تھا ۔

''غرض وہ شبان خندہ زناں کچھ پارۂ سنگ اپنے سنگ لا کر خانۂ شغال کو سنگسار کرنے لگا ۔ آخر الامر وہ گُرگ کہن پُر فن اس گھر بے در میں مر گیا ۔'' اے سیاہ گوش باہوش! مجھ کو بھی یہی خوف و خطر ہے کہ اس کا سا حیلہ تیرے وبال گردن نہ ہو'' یہ گفتگو مادہ دل دادہ سے سن کر سیاہ گوش با ہوش کہنے لگا ''اے نیک بخت! وہ بھیڑیا گدھا تھا ، یہ اس کی فہمید میں نہ آیا کہ کہیں بھی مٹی کا گھر بولتا ہے جو اس کو جواب دیتا ؛ یہ جس طرح اس میں بیٹھا تھا ، بیٹھا رہتا تو وہ شغال بدخصال دو چار بار اور بولتا ، آخرش اس کے پاؤں کے نشان کا وسوسہ اس کے دل سے مٹ جاتا ، فراغت سے اپنے گھر میں چلا جاتا اور یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنا گھر بے پر کر دیتا۔'' یہ گفتگو دو بدو مادہ اور نر میں ہو رہی تھی کہ ایک طرف سے وہ شیر نیستاں بہ صد شور و فغاں

نمود ہوا۔ پھر اس کی مادہ دل دادہ کہنے لگی ''اے سیاہ گوش با ہوش! اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، یہاں سے فرار ہو چل، ناحق ناحق جان دینا کیا حصول'' وہ سیاہ گوش با ہوش کہنے لگا ''اے جورو نیک خو! جائے خوف و خطر نہیں؛ بہ قول شیخ سعدی علیہ الرحمہ: مصرع

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

لیکن تو یہ کام کر، جس وقت یہ شیر دلیر میری آواز کے برابر آئے، تو تُو اپنے بچوں کو رُلا دینا، پھر آگے میں سمجھ لوں گا۔''

اس عرصے میں وہ شیر دلیر حالت غصہ میں کچھ قریب آ پہنچا تھا کہ اس مادہ دل دادہ نے بچوں کو رُلا دیا۔ اس میں وہ سیاہ گوش با ہوش کہنے لگا ''ارے یہ لڑکے آج بے وقت کیوں روتے ہیں؟'' اس کی مادہ دل دادہ بولی کہ ''ان کم بختوں کو تو نے شیر کے گوشت کی جو چاٹ لگا دی ہے، سو یہ شیر کی بو دریافت کر کے اپنی غذا طلب کرتے ہیں؛ اگرچہ تیرے پنجۂ شیر افگنی سے گھر میں گوشت ہاتھی گینڈے کا بہت موجود ہے مگر ان کی روباہ گرسنگی بے شیر کا گوشت کھائے نہیں سیر ہوتی''۔ یہ کلام فطرت انتیام مادہ سے سن کر سیاہ گوش کہنے لگا ''کیا مضائقہ، ان کو دلاسا دے، خدا رزّاق مطلق ہے؛ بہ قول شخصے مثل مشہور ہے: مثل

خدا شکر خورے کو شکر پہنچا دیتا ہے

یعنی ان کے واسطے کباب لذیذ اور غذائے لطیف آپ سے آپ موجود ہوئی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی پل میں شیر کا گوشت تازہ کھلاتا ہوں۔'' یہ کلام نافرجام سن کر وہ شیر دلیر نہایت سہم ناک

ہوا اور دل میں کہنے لگا 'معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بلیات پُر آفات ہے۔' یہ سوچ کر وہ شیر نیستان اپنی جان وہاں سے لے کر بھاگا لیکن وہ میمون ذوفنون اس کے پیچھے پیچھے کہتا جاتا تھا ''اے شیر دلیر! تو اس قدر بے حواس اور پُر ہراس کیوں بھاگا جاتا ہے ، ایک جانور ضعیف اور حیوان نحیف سے امیر سباع کو مخوّف ہونا نہیں چاہیے ، یعنی پیل کو پشّے سے مقام ہراس نہیں'' یہ بات میمون بد ذات کی سن کر وہ شیر کچھ دلیر ہو کر پھر اپنے مکان دل ستاں کی طرف پھرا۔ جب سیاہ گوش باہوش نے دیکھا کہ دشمن نے پھر ادھر کو منہ پھیرا تو اپنی مادہ دل دادہ سے کہنے لگا کہ ''ذرا لڑکوں کو پھر آسی شکل سے رُلا دینا ، دیکھ تو قدرت الٰہی کا کیا تماشا نظر آتا ہے۔''

الغرض جب وہ بچے چھوٹے چھوٹے رونے لگے تو وہ سیاہ گوش با ہوش کہنے لگا ''اے بی بی! اپنے بچوں کو کیوں تشفی اور تسلی نہیں کرتی ، اتنا کیوں گھبراتے ہیں ، یہ میمون ذوفنون میرا بڑا یار غار ہے ، دیکھ تو بھاگے ہوئے شیر کو کس طرح لگائے لاتا ہے، ذرا میرے سامنے آیا چاہیے، پھر میرے چنگل غضب سے کہاں بچ کے جائے گا؛ ان شاءاللہ تعالیٰ ایک پل میں شکار تازہ کا گوشت کھلاتا ہوں۔'' یہ بات واہیات سن کر اس شیر دلیر نے کہا کہ ''چہ خوش چرا نہ باشد'' بہ قول شخصے : مثل

دشمن کہاں ؟ بغل میں!

یہ میمون ذوفنون بس اسی واسطے مجھ کو سمجھا کے لایا ہے کہ پنجۂ اجل میں گرفتار کر کے آپ بچ رہے۔'' یہ کہہ کر وہ شیر ایک تھپیڑا قضا کا بندر مچھندر کو جڑ کے بہ صد اضطرار کسی کوہسار کو فرار ہو گیا۔

مثنوی

واہ رے تیری عقل واہ شعور
کیوں نہ تحسین کریں تجھے مہجور
یعنی ایک شیر سے بہ دانائی
اپنے بچوں کی جان بچوائی
اور گھر بار چھین کر افسوس
کر دیا اُس کو در بدر افسوس

نقل ہے کہ ایک شیر دلیر اپنے بچوں کو یہ نصیحت اور وصیت کرتا تھا کہ ''بیٹا جانور صحرائی اور حیوان دریائی سے نہ خوف کھانا لیکن آدمی زاد جلّاد کے پاس ہر گز نہ جانا کیونکہ نہایت پُر آفت ہوتے ہیں : شعر

ایک ادنیٰ ہے ان کی یہ تقریر
جس کو چاہیں کریں سخن میں اسیر''

الحاصل وہ شیر بچہ جب سن تمیز کو پہنچا تو ایک روز برائے سیر دل افروز ایک مرغ زار رشک بہار میں گیا تو وہاں ایک فیل طویل نظر آیا ۔ یہ شیر بچہ اس کر دیکھ کر نہایت سہم ناک ہوا اور ادھر وہ فیل بے عدیل آپ خوف زدہ ہوا ۔ یہ احوال کثیرالاختتال دیکھ کر شیر بچہ دل میں کہنے لگا کہ 'معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی زاد جلاد نہیں ہے ، کوئی جانور صحرائی ہے ۔' یہ سوچ کر وہ شیر آگے بڑھ کے فیل طویل سے کہنے لگا ''اے عزیز باتمیز! تو آدمی ہے یا اور کوئی جانور شاطر ہے؟'' وہ فیل طویل جواب دہ ہوا ''اے شیر دلیر! آدمی زاد نہایت جلّاد ہوتے ہیں ، یعنی ہم بھی اس قد و قامت پُر قیامت پر اُن سے ڈرتے ہیں ؛ بہر تقدیر جو ہم اُن کے ہاتھ آتے ہیں تو وہ ہم

پر سواری ہر باری کرتے ہیں اور سر کو آنکس آب دار سے فگار کرکے ہم کو سرخ رُو کرتے ہیں : شعر

کسی کو خدا ان سے ڈالے نہ کام
وہ ہیں الغرض سب کے سب نیک نام"

یہ تقریر نا گزیر اس فیل طویل کی سن کر وہ شیر بچہ آگے بڑھا تو ایک شتر بے مہار نظر آیا ۔ اس کو دیکھ کر خوف سے پہلو تہی کرکے دل میں کہنے لگا 'یہ مقرر آدمی زاد ہوگا کیونکہ اس کے ھاتھ پاؤں بہت دراز و ممتاز ہیں'۔ یہ خیال پر ملال جی میں کرکے کھڑا ہو رہا اور ادھر وہ شتر بے خبر خوف و خطر سے بے کل ہونے لگا ۔ المدعا اس شیر بچے نے اس شتر بےخبر سے پوچھا "اے عزیز باتمیز! تو آدم معظم کی قسم سے ہے؟" وہ شتر بے خبر جواب دہ ھوا کہ "اے یار غم خوار! آدمی زاد ناشاد ایسے جلاد ہوتے ہیں کہ جو ہم کو پاتے ہیں تو ہماری ناک غم ناک میں نکیل ریل دیتے ہیں اور پیٹھ پر بوجھ لاد کر جہاں چاھتے ہیں وہاں لیے پھرتے ہیں : شعر

کوئی اُن سے ہرگز بر آتا نہیں
کوئی آنکھ اُن سے ملاتا نہیں"

یہ کلام اُس نافرجام کی سن کر وہ شیر بچہ آگے بڑھا تھا کہ ایک نرگاؤ زیر کوہ پُر شکوہ نظر آیا، اس کو بھی دیکھ کر دل میں کہنے لگا 'شاید یہ آدمی زاد جلاد ہو۔' یہ دل میں سوچ کر بہ صد خوف و خطر کھڑا رہا اور وہ بیل بھی شیر بچے کو دیکھ کر نہایت مخوف ھوا ؛ اس میں اس شیر بچے نے دریافت کیا کہ یہ بھی آدمی کی قسم سے نہیں ہے ۔ یکایک اس بیل غریب کے قریب جا کر کہنے لگا "اے یار غم خوار! تو آدمی زاد بے داد

ہے یا اور کوئی جنس ہے؟" یہ بات واہیات سن کر وہ بیل جواب ده ہوا "اے عزیز با تمیز! آدم زاد خانہ آباد نہایت جلاد ہوتے ہیں؛ یعنی ہم کو وہ پاتے ہیں تو ہمارے ناک میں رسی ڈالتے ہیں اور گاڑی میں اگاڑی باندھتے ہیں اور اس کے سوا کتنے کام نیک انجام اور بھی بہت لیتے ہیں؛ اس کے بعد جو ہم لوگ اس محنت و مشقت میں مر جاتے ہیں تو ہمارے پوست کی جوتیاں پیر و جوان بنا کر پہنتے ہیں:

غرض کیا کروں اور ان کے بیاں
عزازیل بھی کہتا ہے الاماں"

یہ گفتگو اس بیل کی دو بدو سن کر شیر بچہ آگے بڑھا۔ قضائے کار ایک نجّار ہوشیار ہتھیار لیے ہوئے کسی گاؤں کو جاتا تھا کہ اس شیر بچے کی نگاہ جو پڑی تو اس کو بھی دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور نجّار مکار نے جو دیکھا کہ شیر بچہ کچھ میرے پیل خوف سے دم دباتا ہے، بہ کشادہ پیشانی وہ نجّار لاثانی آگے بڑھا تو شیر بچہ دل میں کہنے لگا کہ 'یہ آدمی زاد جلاد معلوم ہوتا ہے لیکن بے حیثیت کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔' چالاکی سے آگے بڑھ کے اس نجّار مکار سے پوچھنے لگا کہ "اے عزیز باتمیز! تو آدمی زاد کی قسم سے ہے؟" وہ نجار مکار جواب دہ ہوا: شعر

"آدمی ہم تو ہیں پہ تجھ کو کیا
اس طرح تو جو پوچھتا ہے بھلا"

شیر دلیر کہنے لگا "اے آدمی زاد ناشاد! میرا پدر اکثر کہا کرتا تھا کہ بیٹا تو کسی سے نہ ڈرنا لیکن آدمی زاد کو اپنا جلاد سمجھنا، سو تجھ کو دیکھ کر باپ کی نصیحت بھول

گئی، کیوں کہ تیری ایسی لیاقت باشجاعت نہیں جو تجھ سے ڈروں"۔ یہ بات واہیات شیر بچے کی سن کر نجّار مکار کہنے لگا "اے شیر دلیر! فی الحقیقت ہماری کچھ حقیقت اور حیثیت نہیں ہے لیکن اپنی آدمیت نہایت بڑی ہے۔" وہ شیر بچہ خوف زدہ بولا :

قطعہ

"تری تو کچھ نہیں حقیقت ہے
لیک کیسی وہ آدمیت ہے
جس سے پیل و پلنگ و شیر دلیر
اس شجاعت سے لیتے ہیں منہ پھیر"

یہ گفتگو دُو بدُو شیر بچے کی سن کر نجّار مکار کہنے لگا "کیا مضائقہ، ذرا ٹھہر جا، ہم اپنی آدمیت پُر فطرت تجھ کو اس وقت دکھا دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر نجار مکار نے ایک درخت سخت کا بڑا سا ٹہنا کاٹ کر ایک کاٹھ استوار تیار کیا اور اس شیر بچے کو کہا "اے شیر دلیر! تو اس چھید میں سر کو ڈال کر ہماری آدمیت کو ملاحظہ کر، دیکھ تو کیا نظر آتا ہے۔" اس شیر بچے کی کم بختی جو آئی تو اس کاٹھ میں سر کو ڈال کر دیکھنے لگا، اوپر سے اس نجار مکار نے میخ ٹھونک دی :

شعر

اور کہا کہ تو بے حقیقت ہے   آدمی کی یہ آدمیّت ہے

غرض ہر چند اس شیر دلیر نے سر مارا لیکن اس کاٹھ کے اندر سے سر نہ نکلا۔ آخرکار وہ شیر نابکار اس کاٹھ سے سر پٹک پٹک کر مر گیا اور نجّار مکار اپنے گھر کو راہی ہوا۔

ابیات

فی الحقیقت یہ سچ ہے اے مہجور!
سب سے افضل ہے آدمی کا شعور

لیکن اک موت سے تو ہیں ناچار
سب خدائی کے ورنہ کرتے ہیں کار

نقل ہے کہ ایک کبابی ہرباہی ایک بکری ساری با مصالح بریان و خستہ کر کے فروخت کرتا تھا ۔ حسب اتفاق ایک روز بکریٔ لاغر ہیزمِ تر کے باعث سے کچھ بریانی میں خام رہ گئی ؛ جس جا وہ اپنے کام* کا پکا ہمیشہ بیچ آتا تھا ، نیم بریانی کے سبب سے کسی نے آدھی قیمت کو بھی نہ لیا ۔ تب وہ کبابی ہرباہی اپنے دل میں نہایت جلا اور بھنا بلکہ سیخ آہ پر دل بریاں کو چڑھا کے آتش رشک سے سوخت کرنے لگا ۔ آخرکار ناچار ایک مردہ شو بد خُو کے قریب جا کر کہنے لگا ''اے عزیز باتمیز! یہ فقیر تن حقیر نہایت پیر و ضعیف ہے ، سو اب اپنی بے کسی اور بے بسی پر یہ خوف و خطر درپیش ہے کہ اس شخص کا دم جو کسی دم نکل جائے گا تو کوئی ایسا دم ساز نہیں ہے کہ مجھ کو تجہیز و تکفین اس سر زمین میں کرے گا ؛ اس واسطے یہ بکری بریاں اس زمان تیرے پاس بلا وسواس لایا ہوں کہ تو اس کو نوش جان کر اور جس روز اس شخص کا مرغ روح قفس تن سے پرواز کر جائے تو تُو بہ خوشی غسل دے کر شہر خموشاں میں دفن کر دینا کیوں کہ مرزا علی فہم کے بہ قول : شعر

دم کا یہ سہان ہے دم جو دم ہے سو غنیمت ہے
زیست نظر آتی ہے کم جو دم ہے سو غنیمت ہے''

یہ کلام سن کر وہ مردہ شُو نافرجام کہنے لگا ''اے فقیر تن حقیر! تیرا کہنا بہ سر و چشم بجا لاؤں گا ۔''

المدعا وہ بکری لاغر اس فربہ ابلہ کو دے کر کبابی ہربابی وہاں سے روانہ ہوا اور اس مردہ شو بد خو نے وہ مال مفت، مفت سمجھ کر مع زن و فرزند زہر مار کیا۔ ایک ہفتے کے بعد وہ کبابی ہربابی لباس سفر تن پر آراستہ و پیراستہ کر کے اس مردہ شو پُر فریب کے قریب گیا اور یوں حرف زن ہوا ''اے یار غم گسار! میرا عزم سفر مصر کی طرف اس نہج پر ہے کہ میرے اقربا میں سے ایک شخص وہاں رحلت کر گیا ہے اور اس کا مال و اسباب بے حساب اس شہر میں امانت رکھا ہے لیکن میرے سوا اس کا والی وارث کوئی نہیں ہے، اس باعث سے مجھ کو وہاں جانا نہایت ضروری ہے؛ چنانچہ میرے ہمراہ دل‌خواہ سربراہ مع بار برداری استادہ ہیں۔ اے عزیز باتمیز! سو تو بھی میرے ہمراہ چل، کس واسطے کہ نہیں معلوم میں مظلوم پر مغموم کس جا مر جاؤں۔ اگر تو میرے ہمراہ ہوگا تو مجھ کو تجہیز و تکفین سے خاطر جمع ہوگی؛ پس میں نے تجھ کو اے مردہ شو! اسی روز غم اندوز کے واسطے گوسفند بریان نوش جان کروائی تھی۔ مثل مشہور ہے کہ ''دیا لیا آگے آتا ہے'' اور یہ کسی طرح نہیں ہونے کا کہ میں شہر مصر کو جاؤں اور تو یہاں بیٹھا رہے۔

ابیات

اب اسی میں ہے خیریت تیری
کہ بہ دل کر تو ہمرہی میری
ورنہ میں دل کباب وہ بکری
جس‌طرح دے گا تجھ سے لوں گا ابھی''
اہل ہمسایہ نے غرض آ کر
بہ سماجت ہزار سمجھا کر

ایک بکری کے مول سے دہ چند
دے کے قیمت کیا اسے خورسند
بسہ فراست و لیکن اے مہجور!
دیکھ تو اس نے کیا کیا ہے شعور
یعنی کس طرح دے کے بکری خام
مردہ شو سے لیے ہیں پکے دام

نقل ہے کہ ایک گوسفند عقل مند ضعیفی و ناتوانی سے اپنے گروہ سے پیچھے رہ گئی تھی، اور قضائے کار ایک گُرگ خوں خوار سے دو چار ہوئی تو وہ گوسفند خرد مند دل میں کہنے لگی کہ ''ہائے یہ بڑا غضب پُرتعب ہوا کہ اس دم شیر قضا سے میری روباہ جان کا سامنا ہے ۔ اگر اس وقت میں اجل گرفتار مثلِ غزال فرار ہو جاتی ہوں تو وہ جو اس کے من کا چیتا ہے سو بیشۂ قضا میں بر آئے گا اور اگر اس وقت اپنے چرواہے پلنگ خصال کو پکارتی ہوں تو یہ قریب آن پہنچا ہے ؛ جب تک وہ مجھ دور افتادہ غم آمادہ کے پاس بے ہراس آئے گا ، تب تک تو یہ جیتا نہ چھوڑے گا'' :

بیت

کیا کروں ہائے کوئی بات نہیں بن آتی
مفت میں جان میری وائے ستم ہے جاتی

آخرکار وہ گوسفند ناچار دانائی اور عقل آرائی سے فرحاں اور شاداں سامنے بھیڑیے کے چلی اور قریب اس غریب کے جا کر یوں گویا ہوئی کہ ''اے گرگ خوش باش! خوش باش ، میں تیری تلاش میں اس بیابان میں سرگردان و حیران ہوں''۔ یہ بات عجائبات سن کر وہ بھیڑیا کہنے لگا '' اے گوسپند درد مند !

تیری جستجو بہ این آرزو کس جہت سے ہے ؟ کوئی بھی اپنے دشمن کو دوستی سے تلاش کرتا ہے ، یا کوئی بھی آپ سے آپ اپنی چاہ سے کوئیں میں گرتا ہے ؟ ایسی باؤلی باتوں سے میرے دل کو ڈانواں ڈول نہ کر۔"

یہ گفتگو گرگ تند خو کی سن کر وہ گوسپند کہنے لگی کہ "اے گرگ شیرصولت پلنگ ہیبت! تیری تلاش بے قیاس کا یہ سبب ہے کہ میرا گلہ بان میان جہان ایسا منبع سخا اور موجِ عطا ہے کہ اُس کی ذات فائض البرکات سے ہمیشہ چشمۂ فیض جاریَ رہتا ہے ؛ سو آج اس خوش مزاج نے مجھ ناکام نافرجام سے کہا کہ 'اے گوسپند کسل مند! اس جنگل کے گُرگ سے میں بہت راضی ہوں ، یعنی اس نے میرے گلے کو کبھی اذیت پُر صعوبت نہیں دی ، اس واسطے میں نے تجھ کو اس کی ضیافت میں تجویز کیا ہے ، تو اُس کے پاس جا اور اپنی جان کو نثار کر کے لقمۂ لذیذ اور غذائے لطیف ہو'۔ اے گرگ! اس واسطے یہ نیم جان اس بیابان کے درمیان تجھ کو ڈھونڈھتی ہے ، میری بات واہیات اور چاپلوسی کی نہ سمجھنا ؛ بہ قول شیخ سعدی : فرد

در برابر چو گوسفند سلیم
در قفا ہمچو گُرگ مردم در

لیکن اے گرگ! مجھ میں گانے کا وصف نہایت با حلاوت ہے، مجھ کو تو نوش جان اس آن بے گمان کرے گا لیکن وہ بات کر جس میں حلاوت مزے سے حاصل ہو ، یعنی پہلے تو میرے گانے سے مسرور ہو ، پھر اس عالم سرور میں جو مجھ کو کھائے گا تو نہایت لذت پائے گا ، اس مثل کے بہ قول : مثل

ایک تو کریلا کڑوا ، دوسرے نیم چڑھا

یعنی ایک تو عالم سرور اور دوسرے گوشت لذیذ ، یہ بات نادرات سے ہے "۔

یہ تقریر پر تزویر اس گوسفند عقل مند کی وہ بھیڑیا گدھا سن کر کہنے لگا "ازیں چہ بہتر ، نیکی اور پوچھ پوچھ "۔ الغرض وہ گوسفند دردمند اس بھیڑیے گدھے کو ایک ٹیلے پر لے گئی اور وہاں اُس نادان کو الگ بٹھا کر آواز بلند سے جو اس سرتی رشک سرستی نے ایک سُر بھرا تو اس کا چرواھا زمانے کا نٹ کھٹ ہر دیس کا کٹھراگ بوجھنے والا اپنی بکری کا خیال کر کے چالاکی سے ٹپا ٹوئی کرتا اس ٹیلے پر آیا اور لٹھ کو ایسا زور سے پھینک مارا کہ اس بھیڑیے کا پاؤں ٹوٹ گیا ۔ غرض وہ بھیڑیا لنگڑاتا بھاگ کر جنگل میں روپوش ہوگیا اور گلہ بان شاداں و فرحاں شکل گل خنداں اس گوسفند عقل مند کو بغل میں داب کر اپنے گلے میں لے آیا ۔

مثنوی

لیک بکری نے کیا ھی چھند کیا
گُرگ کو مثل شیر بند کیا
گر نہ ہوتی وہ گوسفند عقیل
جان بچنے کی کون سی تھی دلیل
فی الحقیقت شعور ہے وہ چیز
جس سے آتی ہے آدمی کو تمیز
اور جسے کچھ نہیں ہے عقل و شعور
خر سے بد تر اُسے سمجھ مہجور
فی المثل یہ کسی نے خوب کہا
'صاحب عقل کی ہے دور بلا'

ساتواں باب

احمقوں کی نقلوں میں

محرران معصوم صفت اور کاتبان محروم فطرت کاغذ سادہ لوح پر قلم خام سے یوں رقم کرتے ہیں کہ ایک قصباتی دیہاتی برائے تعیناتی اپنے گھر سے ایک منزل کامل پر سفر کر گیا تھا اور کئی دن کے بعد ایک روز اُس کی جوروئے دل سوز نتھ ناک سے اُتار کر دالان کے سائبان میں بیٹھی منہ دھو رہی تھی۔ اتفاقاً نائن باہر سے جو آئی تو وہ بے شعور دور سے کیا دیکھتی ہے کہ بی‌بی کی ناک بے نتھ کے بے سر نظر آتی ہے۔ یہ احوال پُر ملال دیکھ کر دل میں کہنے لگی کہ 'شاید ہماری بی‌بی رانڈ ہو گئی ہیں جو ناک غم ناک میں نتھ نہیں نظر آتی۔' یہ خیال بد سگال دل میں کر کے وہ نائن گھر میں آئی اور اپنے خاوند دانش مند سے کہنے لگی "اے غفلت شعار ناہنجار! بیٹھا کیا کرتا ہے، جلد خبر لے، فلانی بی‌بی رانڈ ہوگئی۔" یہ خبر وحشت اثر سن کر وہ گیدی خر جلد کمر باندھ کر وہاں سے روانہ ہوا۔

الحاصل منزل مقصود پر پہنچ کر وہ گیدی خر میاں سے کہنے لگا "اے میاں صاحب! یہاں کس فکر میں بیٹھے ہو، وہ تمھاری بی‌بی عصمت والی رانڈ ہوگئی"۔ یہ واقعہ غم افزا سن کر وہ بد خصال فی الحال بے اختیار ڈاڑھیں مار کر رونے لگا اور یہ سخن زبان پر لایا: شعر

افسوس مری خجستہ پیکر
مجھ بن ہوئی رانڈ اور بے سر
کیوں کر ہو مجھے قرار افسوس
افسوس ہے صد ہزار افسوس

یہ سخن حیرت افگن اس سادہ لوح کا سن کر سب مرد و زن کہنے لگے ''اے بے وقوف ، ذہن سے خالی ! کہیں بھی سنا ہے کہ میاں جیتا رہے اور بی‌بی رانڈ ہو جائے ۔'' یہ گفتگو ہر ایک نیک ُخو کی سن کر با دیدۂ تر جواب دہ ہوا :

قطعہ

''تم تو سچ کہتے ہو پر اے بھائی!
گھر سے آیا ہے معتبر نائی
پھر بھلا اس کو کیا کروں میں آہ
ہوا جاتا ہے میرا حال تباہ''
سن کے اس کی یہ گفتگو سب یار
قہقہہ مار کے ہنسے یک بار
واہ رے تیری عقل واہ شعور
آگے اب اس کے کیا کہے مہجور

نقل ہے کہ ایک احمق کا گدھا رسی سے بندھا گم ہو گیا تھا لیکن وہ خرِ ناہموار بار بار گدھے کے فراق میں آہ جان کاہ کھینچتا اور شکر کرتا ۔ یہ احوال کثیر الاختلال ایک شخص دیکھ کر یوں کہنے لگا ''اے سادہ لوح! تیرا گدھا گم ہو گیا ہے اور تو بہ آہ جان سوز و غم اندوز شکر کرتا ہے ، اس کا کیا موجب اور کیا سبب ہے؟'' یہ کلام سن کر وہ ناکام کہنے لگا ''اے عزیز بے تمیز ! میں اس واسطے شکر کرتا ہوں

که خوب ہوا کہ یہ شخص اس گدھے نا ہموار پر سوار نہ تھا ، نہیں تو اُس کے ساتھ ہاتھ ہی ہاتھ میں بھی گم ہو جاتا" لیکن وہ خر نا ہموار بد کردار یہ نہ سمجھا کہ اگر اس پر آپ سوار ہوتا تو گدھا بوجھ لدا کیوں کر گم ہوتا ۔ شعر

جس گدھے کو نہ ہووے اتنا شعور
اس کو سمجھائے کوئی کیا مہجور

نقل ہے کہ ایک احمق مطلق بہ حالت بیماری ایک باری طبیب خوش نصیب کے قریب گیا ۔ اس حکیم فہیم نے فرمایا "اے سقیم الم و اے الیم غم! تو صبح کو قارورہ لے کر حاضر ہونا ، تیری بیماری تشخیص میں آ جائے گی ؛ ان شاء اللہ تعالیٰ اس قانون کا نسخہ مفرح القلوب تجھ کو لکھ دیا جائے گا کہ تیرے اسباب علامات واہیات جلد رفع ہو جائیں گے ۔"

القصہ وہ رنجور دل ملول گھر میں آیا ۔ قضائے کار اس نابکار کی جورو بد خُو شب کو خود بخود بیمار ہو گئی ؛ وقت سحر بہ حالت مضطر اس سادہ لوح نے اپنا اور اپنی جورو کا قارورہ ایک ہی شیشے میں بھر کر اُس طبیب عجیب کے قریب لے گیا اور قارورے کو دکھلا کر یوں گویا ہوا کہ "اے حکیم فہیم! مجھ سقیم اور میری جورو دل دو نیم کا باہم قارورہ ہے ، اس کو ملاحظہ کر کے دیکھ کہ میری رسوب اور اس کے قوام میں کیا فرق ہے ۔" یہ بات واہیات سن کر ایک شخص اس مطب میں سے بول اٹھا "اے سادہ لوح! اگر دونوں قارورے باہم لایا تھا تو ایک ڈورا سادہ اپنے اور جورو کے قارورے میں کیوں نہ باندھ لایا "۔

قطعہ

یہ سن کر لطیفہ سبھی یار غار
ہنسے قہقہہ مار کر ایک بار
جو مہجور ہوتا نہ وہ بے شعور
تو کیوں کر اسے خلق ہنستی ضرور

نقل ہے کہ ایک قاضی قصباتی نے شب کو کتاب انتخاب میں یہ نکتہ لکھا دیکھا کہ جس شخص کا سر چھوٹا اور ریش دراز بے اندازہ ہو ، وہ شخص احمق مطلق ہوتا ہے ؛ چنانچہ قاضی صاحب ان دونوں علامت میں گرفتار تھے ۔ اس نکتے کو دیکھ کر دل میں کہنے لگے کہ ' سرِ خورد کو تو بزرگ نہیں کر سکتا ہوں لیکن ڈاڑھی کم کرنے میں البتہ ہاتھ پہنچتا ہے ۔' یہ بات واہیات وہ نیک صفات سوچ کر تلاش مقراض میں اٹھا ؛ اتفاقاً اس وقت کندیٔ ذہن سے مقراض کاغذ تراش نہ ہاتھ آئی ۔ آخر کار چار نا چار آدھی ڈاڑھی ہاتھ میں پکڑ کر فتیل سوز کے قریب جا کر اپنی ریش کو سر چراغ سے جو ہم سر کیا تو آتش چراغ سر بلندی کر کے سر دست قاضی کے ہاتھ تک پہنچی ؛ بے اختیار قاضی دل فگار نے ایک بار ریش دراز ہاتھ سے چھوڑ دی ۔

الحاصل تمام ڈاڑھی قاضی جی کی آتش نادانی سے جل گئی اور صورت پُر کدورت بھونی سری کی شکل نکل آئی ۔ غرض قاضی صاحب اپنی نادانی پر کمال نادم ہو کر کہنے لگے کہ "کتاب انتخاب کا نکتہ خوب ثبوت ہوا کیوں کہ اپنی بے وقوفی اور بے شعوری ریش کے زیر و زبر ہونے سے پیش آئی ؛ بہ قول میر تقی : مصرع

گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

لیکن شدنی کو کوئی کیا کرے ، فی الحقیقت ہے : مثل
پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

اشعار

آدمی کو و لیکن اے مہجور!
چاہیے اس قدر تو عقل و شعور
کہ جو دیکھے کہیں نشیب و فراز
واں سمجھ کر چلے وہ بندہ نواز
اور کہیں سے خورش جو ہاتھ آئے
بال مکھی کو دیکھ کر کھائے

نقل ہے کہ ایک سادہ لوح نے خواب پریشان کے درمیان شیطان بے ایمان کی ریش دراز پکڑ کر ایک طانچہ تڑاق سے جڑا اور یہ سخن تلخ دھن سے کہا کہ ''اے ملعون ذوفنون! تو نے یہ ریش اس واسطے دراز کی ہے کہ مردمان راہ راست رو کو فریب سے بہکا کر بے راہ کروں ۔'' یہ کہہ کر ایک طانچہ دوسرا ایسا زور سے جڑا کہ اُس کے صدمے سے جو آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ اپنی ریش اپنے ہاتھ میں ہے اور طانچوں کے صدمے سے دونوں رخسار بے اختیار جھلا رہے ہیں ۔ یہ احوال پُر ملال وہ شخص دیکھ کر کہنے لگا : مثل

کردنی خویش مثل هست که می آید پیش

شعر

سچ ہے مہجور آج تک انسان ہے گرفتار فطرت شیطان

نقل ہے کہ ایک سوار اسپ باد رفتار کاروان سرا میں نزول

ہوا ۔ بعد انفراغ طعام وقت شام وہ سوار خوش کلام اپنے نفر نافرجام سے یوں حرف زن ہوا کہ ”اے عزیز نا چیز! سننے میں آیا ہے کہ اس شہر پُر قہر کے دزد بے درد دزدی میں جواں مرد ہیں ۔ ایک کام کر ، تو شوق سے بستر غفلت پر پاؤں پھیلا کر سو رہ ، میں اپنے گھوڑے کی آپ خبر داری کروں گا ؛ بہ قول شخصے : مثل

مال عرب پیش عرب“

یہ بات اس نیک صفات کی سن کر نفر کہنے لگا ”اے خداوند نعمت! یہ کون سی بات واہیات ہے کہ خداوند دولت مند تمام رات ہیہات جاگے اور دو پیسے کا نفر گیدی خر بہ فراغت تمام آرام کرے ۔ نہ صاحب یہ نہیں ہونے کا ، آپ بہ فراغت تمام استراحت فرمائیے اور یہ نا لائق رد خلائق گھوڑے کی نگہ بانی اور پاسبانی کرے گا ۔ اس بات سے اپنی خاطر عاطر جمع رکھیے : شعر

اگر نوکری میں ہو مجھ سے قصور
تو یہ جانیو ہے بہت بے شعور“

القصہ وہ سوار غفلت شعار اس روسیاہ کے کہنے سے سو رہا ۔ پہر رات کے بعد ایک بار بیدار ہو کر کہنے لگا ”اے نفر با خبر! کیا کرتا ہے؟“ وہ اس کے جواب میں کہنے لگا ”خدا وند نعمت! اس وقت غلام نا کام اس تفکر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر کیوں کر فرش کیا !“ یہ سخن حیرت افگن سن کر وہ صاحب ہوش کہنے لگا ”اے نفر بے خبر! مجھ کو خوف و خطر ہے کہ تیری فکر میں دزد بے درد آن کر اسباب بے خبری کو دزدی نہ کر لے جائے ۔“ اس نے جواب دیا

کہ ''اے خدا وند! کیا مذکور اور کیا مقدور ہے، آپ اپنی خاطر عاطر جمع رکھیے۔''

الحاصل وہ سوار نیک شعار پھر سو رہا۔ بعد نصف شب مضطرب چشم وا کر کے یوں گویا ہوا ''اے نفر با خبر! کس فکر میں ہے؟'' اس نے جواب دیا ''اے خدا وند! اس فکر میں ہوں کہ خدائے عزوجل نے آسمان بے پایاں کو بے ستون کیوں کر استادہ کیا ہے اور زمین کی مٹی میخ گاڑنے میں کہاں غائب ہو جاتی ہے!'' یہ فکر بے موجب سن کر وہ صاحب ہوش کہنے لگا ''اے نفر بے خبر! اس فکر میں میرا گھوڑا کوئی آڑا کر نہ لے جائے۔ اے نفر بے خبر! اگر تیرا جی سونے کو چاہے تو سو رہ۔'' وہ کہنے لگا ''خدا وند! آپ خاطر جمع رکھیے، میں خبردار اور ہوشیار ہوں۔'' وہ سوار ناچار پھر سو رہا؛ تین پہر کے بعد وہ سوار پھر بیدار ہو کر کہنے لگا کہ ''اے نفر لخت جگر! کیا خبر ہے؟'' وہ جواب دہ ہوا کہ ''خدا وند! میں اب اس تشویش میں ہوں کہ اونٹ کے پیٹ میں گولیاں کون باندھتا ہے اور کیلے کے پتوں پر آتو خود بہ خود کیوں کر ہوتا ہے۔'' غرض وہ سوار پھر ایک بار اس بے فکر سے غافل ہو کر سو رہا اور جس وقت چارگھڑی شب پُر تعب باقی رہی، ایک بار سوار بیدار ہو کر کہنے لگا کہ ''اے نفر بے خبر! کیا خبر ہے؟'' وہ جواب دہ ہوا ''اے خدا وند نعمت! اب غلامِ ناکام اس فکر میں ہے کہ گھوڑا تو کوئی چور منہ زور سرنگ لگا کر لے گیا، اب یہ زین اور خوگیر بے نظیر آپ کو سر پر رکھنا پڑے گا یا مجھ کو لے چلنا ہوگا۔'' یہ نکتہ واھیات اس نفر ستم گر کا سن کر وہ نیک صفات ایک بار بہ صد اضطرار خفا ہو کر کہنے لگا ''اے احمق، مخنث، نفروں کے آخور، کم زور

حشری کمری ! چل ایڑ کر جا میرے سامنے سے ۔ میں اب اور کوئی نفر خنگ دبنگ آٹھوں گانٹھ کمیت نوکر رکھ لوں گا جو زبان عربی و ترکی میں گفتگو دُو بدُو کرے گا ۔ اے ٹٹوے طاق مگسی! دل میں سمجھ تو جس کا ایسا اسپ باد رفتار عنان دست سے نکل جائے تو اُس کی آنکھوں میں کیوں کر نہ پھلواری کا سبزہ خار نظر آئے ۔ ہائے اس چال کا گھوڑا نقرے کی تول کا پھر کہاں سے میرے ہاتھ چڑھے گا ، جو عیال و اطفال کو تا زیست خوراک مشکی کھلاؤں گا :

اشعار

غرض اس نفر کو سبھوں نے گدھا
اگاڑی پچھاڑی سے آ کر کہا
و لے خر کے پیٹے سے مہجور کب
سنا ہے کہ بنتا ہے گھوڑا عجب

نقل ہے کہ ایک خر ناھموار گھوڑی پر سوار اور گھانس کا گٹھا اپنے سر پر رکھے ٹک ٹک کرتا چلا جاتا تھا ۔ اس صورت پُر حماقت سے اس خر کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا ''اے احمق مطلق! تو اس گھوڑی راھوار برق رفتار پر سوار ہے مگر گھانس کا گٹھا اکٹھا تو نے اپنے سر پر کیوں رکھا ہے : شعر

عجب تو بھی احمق ہے اور گاؤدی
کہ یہ گھانس گھوڑے پہ کیوں رکھ نہ لی''

یہ بات وہ کم ذات سن کر کہنے لگا ''اے عزیز نا چیز! میں احمق نہیں ہوں ، توھی احمق ہے ؛ ارے اس گھوڑی گابھن پر ایک تو میں چڑھا تھا اور دوسرا گھانس کا گٹھا اس پر لادتا تو

بھلا اس کا بار کہاں سے ٹھہرتا :

ابیات

یہ سن کر کہا اس نے ہاں واقعی
تو دانا سہی میں ہی ناداں سہی
جہاں ایسے احمق ہوں مہجور لوگ
وہاں عقل سے کیا ہوں مسرور لوگ

نقل ہے کہ ایک سائیس اپنے رئیس کا گھوڑا دو رکابہ دریا پر نہلانے کو لے گیا ؛ اتفاقاً اس گھوڑے کا پاؤں کہیں بھنور کنڈ میں جو پڑا تو ایک بار بے اختیار غوطے کھانے لگا ۔ اس نفر گیدی خر نے آپ کو بچا کر اس گھوڑے کو دریائے حماقت میں ڈبو دیا : شعر

جب نفر ایسا بے حقیقت ہو
کیوں نہ گھوڑا غریق رحمت ہو

الحاصل وہ نفر بہ حالت مضطر میاں کے پاس آ کر کہنے لگا ''میاں صاحب ! آپ کا اسپ باد رفتار دریا میں فرار ہو گیا ۔'' یہ واردات واہیات سن کر وہ بہ حال مضطر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نفر سے کہنے لگا ''اے خر ناہموار ! میری تلوار باڑھ دار اٹھا لے، دیکھوں تو سہی تو نے میرا گھوڑا کیوں کر ڈبو دیا ۔'' الحاصل وہ عزیز با تمیز دریا کے کنارے پہنچا تو اس نفر گیدی خر سے کہنے لگا ''اے احمق مطلق ! وہ میرا گھوڑا باد پا بتا کہاں ڈبویا ؟'' یہ کلام وہ نافرجام سن کر تلوار باڑھ دار دریا میں پھینک کر کہنے لگا ''میاں صاحب ! دیکھیے اس جا پر آپ کا گھوڑا ڈوب گیا ۔'' یہ واردات واہیات وہ نیک صفات دیکھ کر کہنے لگا ''یک نہ شد دو شد! گھوڑا تو ڈبو چکا

تھا اور میری تلوار باڑھ دار جہازی بھی بے وقوفی کی لہر میں ڈبوئی۔ اے اُلّو! جی میں آتا ہے کہ تیرے گلے میں بھنور کلی ڈال کے ایسے تھپیڑے ماروں کہ تیری ساری بے شعوری بہہ جائے......[1] یا تیری دستار اُتار کر قینچی پر چڑھا کے ایسی مار دیجیے کہ تیرا جی ڈوب جائے۔ اے نا لائق گنہ گار! کوئی بھی ایسا گھاٹ کام کرتا ہے کہ جیسا تو نے طوفان اس آن برپا کیا ہے۔ غرض دریافت ہوا کہ تو سیدھا سپاٹ احمق بے اٹک ہے۔

ابیات

چل کہیں سامنے سے ہٹ جا تو
نیں تو ماروں گا تجھ کو اے بد خو!
اسی دریا میں یا ڈبو دوں گا
اسپ و شمشیر کا عوض لوں گا"
آخرش اس نفر کو اے مہجور!
کر دیا اس نے نوکری سے دور

نقل چار احمقوں کی

نقل ہے کہ ایک پیر زال نیک خصال، خجستہ پیکر، خوش منظر چار سوئے بازار رشک بہار میں کچھ کام نیک انجام کو نکلی تھی، اتفاقاً وہ افسر نیک بختاں و ہم سر خاتون بادشاہاں سر دست بلند کر کے سر کو جو کھجلانے لگی تو اس عرصے میں چار اشخاص خاص نمودار و موجود ہوئے۔ قضائے کار ان چاروں کی نگاہ ناگاہ اس پیر زال نیک افعال کے ماتھے پر جو پڑی تو ایک جوان نادان کہنے لگا کہ "اس پیر زال نیک خصال نے

۱۔ یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے۔

لا کلام مجھ کو سلام کیا ہے ۔" اس میں دوسرا بول اٹھا کہ "اے بے حیثیت ! تجھ میں کیا فوقیت ہے ، اس پیر زن کم سخن نے مجھ کو سلام کیا ہے ۔" حاصل کلام وہ چاروں نا کام اتنی واہی بات پر جنگ و جدل کرتے تھے ۔ القصہ اس قصے نے یہاں تک سر کھینچا کہ اس جا پر اکثر لوگ آ کر کھڑے ہوگئے۔ غرض ایک عقل مند دانش مند نے کہا "اے عزیزو! تم آپس میں عبث لڑتے ہو ، وہ پیر زال صدق مقال آگے جاتی ہوگی ، اس سے جا کر دریافت کر لو، ذرا سی بات کو ناحق اتنا طول دیتے ہو!" یہ بات معقول سن کر وہ نامعقول پیر زال غریب کے قریب گئے اور یوں گویا ہوئے کہ "اے بڑی بی صاحب! ہم چاروں میں سے تم نے کس ناکام کو سلام کیا ؟" یہ بات واہیات سن کر پیر زال نیک خصال دل میں کہنے لگی 'معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں شخص احمق مطلق ہیں ، متبسم ہو کر کہنے لگی "اے میاں ! جو تمھارے درمیان زیادہ احمق ہوگا ، میں نے اسی کو بہ صد نیاز سلام کیا ہے ۔"

نقل اول احمق کی

اس کے جواب میں ایک احمق مطلق اس میں سے بول اٹھا ، "بڑی بی صاحب ! میرا تو حمق یہ ہے کہ ایک روز میں غم اندوز سسرال فرخندہ فال میں وارد و صادر ہوا تھا اور وہاں لوگوں نے کھانے کے وقت مجھ سے کہا 'کچھ کھانا نوش جان کر لو تو آرام فرماؤ' مجھ حریص طبع کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ میں اپنے غریب خانے سے کھانا کھا کے آیا ہوں : شعر

کچھ نہیں احتیاج کھانے کی　　بات میری نہیں بہانے کی

آخرکار منت بسیار اور لجاجت بے شمار سے ہر ایک نے

مجھ سے کہا مگر میں نے کسی کو اس بات کا لقمہ نہ دیا کہ بہت خاصا تھوڑا سا کھانا کھا لوں گا۔ غرض ایک پہر شب کے بعد مجھ کو بھوک نے اس قدر عاجز کیا کہ میرا مرغ روح آتش گرسنگی سے بریان ہونے لگا اور العطش سے جگر کباب ہو گیا۔ اس وقت میں نے چپکے سے دروازہ کھول کے اور کپڑے اتار کر گدائی کا ارادہ کیا؛ اتفاقاً ایک گھر سے ٹکڑے مانگتا مانگتا اپنی سسرال فرخندہ فال کے در پر آ پہنچا اور دست سوال دراز کیا کہ اندر سے چنبیلی لونڈی بختاور طبع ٹکڑا لے کر باہر نکلی۔ میں نے جو اسے پہچانا کہ یہ لونڈی ہماری ہے اور دروازہ بھی سُسرال کا ہے، وہاں سے میں نے پچھلے پاؤں ہٹنا شروع کیا اور وہ کنیز بے تمیز روٹی دینے کو آگے بڑھی۔ غرض جوں جوں میں پیچھے ہٹتا جاتا تھا، وہ آگے بڑھی چلی آتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ ”اے فقیر تن حقیر! تو روٹی کا ٹکڑا کیوں نہیں لیتا ہے۔“ قضائے کار اس نا ہموار کے پیچھے کنواں جو آگیا تو ایک بار بے اختیار اس میں دھڑام سے گر پڑا۔ غرض میرے کوئیں میں گرنے سے بے تامل ایک غل پیدا ہوا کہ کوئی فقیر بے صبر گردش کا ڈانواں ڈول کوئیں میں گر پڑا۔ آخرکار مجھ باولی صورت کو ہر ایک نے آہ چاہ کر کے نکالا اور سبھوں نے پہچانا کہ یہ تو فلانے کا داماد ناشاد ہے؛ ارے اس کی کیا کم بختی تھی جو یہ اس حالت پر ملالت میں گرفتار ہو گیا۔ غرض اس ذلت و ندامت سے آج تک میں نے پھر کبھی سسرال فرخندہ فال کا نام نہیں لیا۔ میرا تو احمق پن اے پیر زن! اس قدر ہے جو بیان میں آیا: شعر

غرض پیر زن سن کے سب ماجرا
لگی کہنے صد آفریں مرحبا!

نقل دوسرے احمق کی

یہ گفتگو اس اُلّو کی سن کر ایک اور لٹورا بول اٹھا کہ ''بڑی بی صاحب! اب میری حماقت کی حکایت گوش دل لگا کے استماع کیجیے ؛ یعنی ایک روز مجھ طالع افروز کو سسرال فرخندہ فال سے سلام و پیام بلوانے کا آیا ۔ اتفاقاً اس سادہ لوح کو پگڑی نہ باندھنی آتی تھی ، ایک آشنا آگے کے میرے گھر کے پیچھے استقامت رکھتے تھے ؛ آخر کار منت بسیار اور سماجت بے شمار سے باتوں کی لپیٹ میں ان سے دستار بندھوا کے اور پوشاک نفیس تن پر آراستہ و پیراستہ کر کے سسرال فرخندہ فال کی طرف روانہ ھوا ۔ ناگاہ اثنائے راہ میں ماندگی اور نیند نے نہایت غلبہ کیا تو یہ خیال اس حال میں دل پر گزرا کہ ایسی جا پر سوئیے کہ جہاں سر سے پگڑی نہ اتارنی پڑے ۔ غرض ایک کنواں پختہ جو وھاں نظر آیا تو اس پر یہ بندہ اس طرح سویا کہ سر کوئیں کے اندر رکھا اور جگت پر پاؤں پھیلا کر سو رھا ، لیکن کروٹ لینے سے دستار کوئیں میں فرار ھو گئی اور سہ پہر کے بعد جو اس تیرہ روز کی آنکھ کھلی تو بہت گھبرایا کہ دن تو تھوڑا باقی رہ گیا ؛ بہ قول آنکہ :

مسرور پہنچ منزل مقصد پہ سویرے
رستے میں ٹھہرنا نہیں اچھا سفری کا

الحاصل اس گھبراھٹ میں مجھ کو پگڑی کی کچھ خبر نہ رھی ، بھاگا بھاگ یہ چالاک سسرال کے قریب جو پہنچا تو وھاں سے گھر کی لونڈی چلی آتی تھی ، اس نے جو دیکھا کہ میاں سر برھنہ بد حواس بھاگے آتے ھیں ، شاید کہ بی بی ماہ تمثال کا انتقال ھو گیا ھے ۔ یہ بات واھیات سوچ کر وہ لونڈی

روتی ہوئی گھر میں گئی اور واقعہ حیرت افزا خوش دامن سے جو بیان کیا تو سب گھر کے لوگ بہ‌حالت عجب دندان تاسف زیر لب ہو کر ایک بار زار زار رونے لگے ۔ غرض میں انجان اس مکان وحشت نشان میں داخل ہوا تو سب کو گریان با دل بریان دیکھا ۔ ناچار میں دل فگار بھی زار زار رونے لگا ۔ اس عرصے میں همسائے کے لوگوں نے آ کر ہر ایک نوحہ گر مضطر کا منہ چھڑا کے مجھ سے پوچھا کہ ''میاں یہ واقعہ کیوں کر گزرا ؟'' میں نے بہ چشم پُر نم ، بہ حالت غم اُن سے پوچھا کہ ''میاں تم بیان کرو کہ ماجرا حیرت افزا کیوں کر درپیش آیا ؟'' آخر کار سب خویش و تبار کو دریافت ہوا کہ یہ اشک باری و بے قراری ناحق کی ہے ۔ ''اے پیر زال صدق مقال! اس دن سے جو میں بد اعمال بھاگا تو آج تک پھر اُدھر نہیں گیا ۔'' شعر

غرض پیر زن نے اسے بھی کہا
ہزار آفریں مرحبا مرحبا !

نقل تیسرے احمق کی

جب یہ اُلّو بدخو اپنی کہانی لاثانی بیان کر چکا تو تیسرا مسخرا یوں بولا کہ ''بڑی بی‌صاحب! یہ سادہ لوح بھی سسرال فرخندہ فال میں جو وارد و صادر ہوا تو وہاں خوش دامن صاحبہ نے بے تکلف تمام اس نابکار کے واسطے کھانا تیار کروایا ؛ اتفاقاً میرے دھن سے یہ سخن بر آیا کہ ''میں اس وقت نہایت سیر ہوں ۔'' غرض تمام گھر کے لوگ مجبور ہوئے مگر میرے منہ سے ناہ بہ اکراہ نکلی تو پھر مطلق اقرار نہ ہوا ؛ بہ قول شخصے : مثل

جائے لاکھ رہے ساکھ

آخر کار سب خویش و تبار نا چار ہو کے چپ ہو رہے اور میں مکان خواب گاہ میں اپنی دل خواہ کے ساتھ غلطیدہ ہوا لیکن غلبۂ گرسنگی سے خواب آنکھوں سے کافور ہو گیا ۔ اس میں وہ نیک بخت جس وقت سو گئی تو اس ناپاک جان ہلاک نے وہاں کھانے کی تلاش آس پاس کی ، کہیں سے کچھ ہاتھ نہ لگا ، لیکن ایک چھینکے میں ہانڈی کوری نظر آئی ، بندے نے جو اُسے کھولا تو مرغی کا انڈا ہاتھ لگا ؛ اس عرصے میں یکایک میری بی‌بی کی آنکھ کھل گئی تو میں نے پاس رسوائی سے وہ انڈا مرغی کا جھٹ منہ میں رکھ لیا اور پلنگ پر لیٹ گیا ۔ اس حالت پر حیرت میں وہ مجھ کو دیکھ کر کہنے لگی ” اے میاں! تم کو خیر تو ہے جو اس طرح گھبرا کے لیٹ گیے؟“ غرض اس نیک بخت نے ہزار سر مارا مگر میں نے اُس کو جواب نہ دیا ؛ بہ قول شخصے : مثل

میاں مریں اپنی جان سے اور بی‌بی مسانگیں شکار

اور اس کے سوا اس کم بخت جان کرخت کے منہ میں انڈا تھا ، جواب با صواب کس منہ سے دیتا ۔ آخر کار ہر ایک غم خوار خویش و تبار نے کہا کہ کچھ اس کو آزار نابکار ہو گیا ہے یا کوئی اسرار پُر آزار ہے ۔ غرض گھر میں ایک تہلکہ عظیم اور صدمہ صمیم برپا ہوا ؛ آخر کو اس وقت ایک جراح کو جو دکھلایا تو وہ کہنے لگا ”اس کے گال ورم تمثال پر مواد کا زور ہے ، نشتر کے سوا کوئی چیز فائدہ نہ کرے‌گی ۔“ الحاصل اس جراح نے سب سے اجازت لے کر اس شخص کے گال پر نشتر جو دیا تو میں نے وہ انڈا اس گال سے اُس گال میں رکھ لیا ۔ یہ ماجرا حیرت افزا جراح دیکھ کر کہنے لگا کہ ”دیکھیے صاحب! ادھر کا مواد اُدھر جا رہا ۔“ غرض اس جراح بد راہ نے دوسرے گال کو جو

چاک کیا تو وہ انڈا اس بندہ گندہ کے منہ سے نکل پڑا۔ اس انڈے کو گھر والے دیکھ کر نہایت کڑکڑائے ؛ غرض اس دن سے وہ میرا ڈڑبا جل گیا : شعر

کہو اب مصحفی سے تم بڑی بی
کہ مجھ سا دیکھا ہے احمق کہیں بھی ؟"

نقل چوتھے بڑے احمق کی

جس وقت وہ سادہ لوح اپنی حماقت بیان کر چکا تو وہ چوتھا بولا کہ "بڑی بی ! صاحب : شعر

شرح یں آتشِ جاں سوز نہ گفتن تا کے
سوختم سوختم ایں راز نہفتن تا کے

اس گم کردہ از خود رفتہ کو ایک امیر صاحب توقیر نے کسی علاقے کا عامل کامل کرکے بھیجا تھا۔ بندے نے وہاں جا کر ایسا......[1] کیا کہ سرکار عالی مقدار کی تمام آمدنی مصرفِ بے جا میں تصرف کی اور ایک خرمہرہ یا ایک پیسا کبھی ارسال نہ کیا۔ غرض لشتم پشتم گزرتی جاتی تھی۔ اس کیفیتِ بے حقیقت میں یہ سوجھی کہ شادی برائے خانہ آبادی کیا چاہیے۔ یہ احوال کثیرالاختلال سن کر قانون گو اور متصدی کہنے لگے "اے صاحب! یہ کیا آپ غضب پُر تعب کرتے ہیں!" غرض حالت حماقت میں کسی کا کہنا خیال میں نہ آیا ؛ آخر کار ایک پیر زن مکار کو بلوایا اور اس نے شادی کا پیغام دیا۔ اس پیر زال کذب مقال نے اس شخص کو احمق مطلق جان کر کہا "ازیں چہ بہتر" غرض وہ پیر زن پُر فن یہ کہہ کر اپنے گھر کو گئی۔

---

۱ - یہاں سے ایک لفظ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے۔

ایک روز کے بعد آن کر کہنے لگی ''میاں صاحب! آپ کی شادی ایک صاحب زادی سے میں نے ٹھہرائی ہے، ایک پانچ چھ روز میں ظہور میں آ جائے گی لیکن پانچ سو روپے چڑھاوے کے واسطے عنایت کیجیے تو آپ کی بات اُس کے ساتھ مضبوط اور مربوط کر آؤں'' بندے نے پانچ سو روپے اپنے صندوقچۂ حماقت بے لیاقت سے نکال کر اُس کے صُرّہ پُرفطرت میں بھر دیے۔ چند روز کے بعد پھر آ کے کہنے لگی کہ ''میاں صاحب! دو ہزار روپے برائے تیاری اور دیجیے تو شادی کا سامان بے پایاں شروع ہو جائے۔'' غرض وہ بھی دلوا دیے۔ دو چار روز کے بعد آ کر کہنے لگی کہ ''میاں صاحب! تم جو بیاہنے چڑھو گے تو تمھارا روپیہ آتش اور ناچ اور راگ رنگ میں نہایت صرف ہوجائے گا، اس سے تو بہتر ہے کہ فقط نکاح بہ صد انشراح پڑھا لیجیے، مثل ہے :

آم کھانے سے کام یا پیڑ گننے سے

غرض بندہ سمجھا کہ یہ پیر زال نیک اعمال میرے بھلے کو کہتی ہے لیکن یہ نہ سمجھا : مصرع

کہ ہیں اس بھلے میں بُرے طور بھی

بہ قول شخصے : مصرع

چہ داند گدائے بہای بہ رنج

آخر کار اس مکار کو میں نے مختار کیا اور یہ سخن زبان پر لایا کہ ''اے بی بی : شعر

جو چاہے کرے تو سفید و سیاہ
ولے مجھ کو ہر طرح کرنا ہے بیاہ''

اس کے جواب میں کہنے لگی ''خیر اچھا، مگر نکاح کے اخراجات ضروریات کے واسطے کچھ عنایت کیجیے تو اجرائے کار

ہو" بندے نے دو ہزار روپے اور بھی دیے ۔ اس کے بعد آ کر کہنے لگی کہ "میاں صاحب! آپ کی دلھن رشک چمن کے آنے کا شگون نہیں بنتا ہے ؛ جب ساعت سعید مثل عید جلاپذیر ہوگی تو وہ ماہ رو تمھارے گھر میں جلا بخش ہوگی ، لیکن کچھ اخراجات ضروری اور رسومات مشہوری کو دیجیے تو تنبول اور پنجیری کی بھی تیاری ہو جائے اور کچھ کھانے کی دو چار مہینے کی بھی بسر لے جائے ۔" غرض بندے نے اور دو ہزار روپے دلوا دیے ۔ اس عرصے میں چند روز کے بعد آن کر کہنے لگی "میاں صاحب! مبارک میمون ہو کہ تمھارے گھر چاند سا بیٹا پیدا ہوا ہے ، کچھ چھٹی چلّے اور دائی جنائی کے واسطے دلوائیے تو زچہ خانے کا کام اجرا ہو ۔" غرض اس سادہ لوح نے اور بھی کچھ دلوا دیا ۔

حاصل کلام وہ ناکام کبھی لڑکوں کی ٹوپی کرتے اور کبھی کھانے پینے کو اور کبھی پارچہ پوشیدنی کو ، غرض ہر طرح میں لاکھوں روپیہ لے گئی اور جب میں نے سوال کیا کہ ذرا میری بی بی کو تو دکھا دے تو وہ یہی کہہ کر چلی گئی کہ "میاں صاحب! ابھی تک دن کڑوے کسیلے ہیں ۔" اس عرصے میں اس شخص کے حمق کی خبر چکلہ دار عالی مقدار کو پہنچی کہ فلانے مکان ویران کی آمدنی ایک کوڑی بھی نہیں آتی تو اس چکلہ دار نے مجھ کو ناکردہ کار سمجھ کر تغیری کا شقہ بھیجا ۔ اس وقت حالت یاس میں لڑکے بالوں کا خیال آیا کہ کسی طرح اپنی بی بی کے پاس بلا وسواس چلیے کہ اس ضمن میں وہ پیر زن پُر فن جو آئی میں نے کہا "بڑی بی! تمھارا بڑا سن ہے کہ میرے یاد کرتے ہی تم موجود ہوئیں ۔ اے بڑی بی صاحبہ! ہمارے کام میں تو خلل آ گیا لیکن ہمارے گھر بار کے کشت کار اب سب دکھلاؤ تو میری تقاوی کی واصل باقی سے تم بے محاسبہ ہو جاؤ ۔" یہ سخن سن

کر وہ پیر زن پُر فن کہنے لگی ''بہت خوب لیکن کچھ اشرفیاں لڑکوں کی شیرینی کے واسطے منگوائیے ، میں آپ کو خانۂ مطلب بوالعجب پر پہنچا دوں گی ۔''

المدعا وہ پُر دغا مجھ کو ایک بھلے آدمی کے مکان دل ستان کے دروازے پر لے جا کر کہنے لگی ''میاں صاحب! تمھاری سسرال فرخندہ فال یہی ھے، اب یہاں دستک دیجیے ، تمھارے صاحب زادے نکل آئیں گے ، تم دوچار گھڑی ڈیوڑھی میں بیٹھنا ، تمھارا سالا جب دربار سے آئے گا تو تم کو مکان رشک گلستان میں بہ ہر روش لے جائے گا ۔ مجھ سے آپ کی بی‌بی کل سے خفا ھیں ، نہیں تو میں ھی آپ کو لے چلتی ۔'' یہ بات واھیات کہہ کر وہ بد ذات تو وھاں سے فرار ھو گئی اور بندے نے ایک دستک دی تو لڑکے پانچ چھ برس کے چھوٹے چھوٹے اندر سے نکل آئے ۔ وہ مٹھائی آن شیریں دھنوں کو دے کر مجھ تلخ کام نے کہا ''بیٹا اس کو نُقل کرو، دل میں کچھ نہ شک کرنا ۔'' غرض وہ لڑکے مٹھائی کا دونا جو اندر لے گئے تو گھر والوں نے جانا کہ کوئی میاں کا یار وفادار ھے کہ لڑکوں کے لیے مٹھائی بہ صد صفائی لایا ھے ۔ اس نیک بخت نے اندر سے پان دان اور عطردان برائے معطری مشام فرحت‌انجام بھجوایا ؛ اس کے بعد بہ تکلف بسیار طعام خوش گوار بھیج کر کہلا بھیجا کہ وہ تو خدا جانے کب دربار سے آئیں ، آپ بہ خوشی تمام نوش جان کیجیے ۔''

آخر کار یہ ناھموار کھانا زھر مار کرکے لڑکوں کو لیے بیٹھا تھا کہ اس عرصے میں صاحب خانہ نے آ کر مجھ سے صاحب سلامت کی اور گھر میں جا کر بی‌بی سے پوچھا کہ ''اے بی‌بی! یہ مرد اجنبی ڈیوڑھی میں کیوں بیٹھا ھے؟'' اُس نے کہا ''میں کیا جانوں یہ کون بلا بوغما ھے ، میں تو یہ جانتی تھی کہ کوئی تمھارے اقربا

سے ہے یا کوئی لنگوٹیا آشنا با وفا ہے کہ جو واہی مٹھائی لے کر آیا۔'' یہ بات واہیات سن کر صاحب خانہ باہر آ کر کہنے لگا کہ ''اے حضرت! آپ اس وقت کہاں سے تشریف شریف لائے ہیں؟'' اس سادہ لوح نے سادگی سے کہا کہ ''اے بھائی اقربائی! تم مجھ کو نہیں پہچانتے؟ میں تمھارے رشتے کا بھائی ہوں۔ تمھاری بہن رشک چمن مجھ سے پیوند ہوئی ہیں اور میرے یہ دونوں لڑکے نونہال خوش جمال تمھارے بھانجے ہیں۔'' یہ سخن دل شکن سن کر صاحب خانہ تیوری چڑھا کر بولا ''اے مردک ازبک! کیا گو کھاتا ہے، چل دور ہو میرے آگے سے، نہیں تو ایسی جوتیاں ماروں گا کہ بازار میں ہگ ہگ دے گا۔ اے ناپاک، خاک روب کی صورت! یہ گفتگو پھر جو کرے گا تو تیرے اس طرح آگے آئے گا جس طرح دریا کا ہگا منہ کو آ رہتا ہے۔ خیر میں تو کچھ نہیں کہتا لیکن اور جا ضرور مار کھائے گا؛ یہ نمازی کا ٹکا ہے، یہاں نہ ملا اور جا مل رہے گا۔'' اس نے اس گوھا چھی چھی سے بندے کو اپنے گھر سے نکالا، گویا لاکھ ٹوکرے گو کے سر پر پڑ گئے۔ سو اے پیر زال نیک خصال! اس کی ندامت اور خجالت اس شخص کو آج تک ہے۔

مثنوی

غرض اس کی بھی جب سنی داستاں
تو دی اس بڑی بی نے شاباشیاں
''ولے سچ تو یوں ہے کہ تم سب کے سب
مری عقل میں ہو عجب بوالعجب
کیا تھا جو میں نے سلام نیاز
وہ مقبول دل کیجیے بندہ نواز''

یہ چاروں سے مہجور کہہ کر سخن
وہاں سے وہ راہی ہوئی پیر زن

نقل اس عہد کی ہے کہ ایک شخص مرزا جیون نامی شاہ جہان آبادی لکھنؤ میں حضور پُر نور کے سواروں میں نوکر تھے اور اُن کے پاس ایک سائیس احمق گاؤں کا رئیس چاکر تھا۔ اتفاقاً ایک روز مرزا مذکور حضور پُر نور کی سواری کے ساتھ نشاط باغ کو سوار ہو گئے لیکن اس نفر گیدی خر سے کہہ گئے تھے کہ ہمارے واسطے بھونی کھچڑی با مصالح تیار کر کے نشاط باغ میں لے آنا۔ غرض مرزا مذکور صاحب شعور تو کھچڑی اور گھی کے مع مصالح دام دے کر آدھر سدھارے اور ادھر اس کم بخت ناشدنی نے آدہ سیر مونگ کی کھچڑی لے کر بھڑبھونجے سے بھنوا کے اور ایک بادیے میں رکھ کر اس پر گھی کو داغ کر کے ڈالا اور اس پر گرم مصالح چھڑک کر دستر خوان میں لپیٹ کر اپنے مرزا کے پاس لے گیا۔ ایسے میں اور لوگوں نے جو دیکھا کہ آج الٰہی بخش سب سے جلد کھانا لے کر آیا، سب متعجب ہو کر مرزا سے کہنے لگے کہ ”نہیں معلوم کیا پھرتی جلدی کر لایا کہ ہمارے نوکروں میں سے ابھی تک کوئی نہیں پہنچا : شعر

غرض آج اس نے کیا ہے وہ کام
کہ انعام دیجے اسے لا کلام“

الحاصل وہ کھچڑی جو مرزا نے کھولی تو عجب صورت پُر کدورت نظر آئی کہ کچّی کھچڑی نیچے بیٹھی ہے اور گھی پر گرم مصالح تالاب کی کائی کی طرح تیر رہا ہے۔ یہ کھچڑی کا تماشا دیکھ کر مرزا کہنے لگے ”اے الٰہی بخش! یہ کھچڑی

کیسی پکی ہے؟ یہ تو تمام خام نظر آتی ہے۔" یہ سخن دل شکن سن کر خفگی سے جل کر کہنے لگا "میاں صاحب! دو بالو سے تو بھنوائی ہے، سسری کچی کہاں سے رہ گئی۔" شعر

سن کے مہجور اس کی واہی بات
ہنس پڑے سب وہاں کے اہل صفات

اور اسی کی نقل ہے کہ ایک روز اس دل سوز نے دال روٹی مرزا کے واسطے بہ تکلف بسیار تیار کی لیکن اس بد خصال نے دال کو بگھار کر ایک بار کرچھے سے تمام دال کو گھوٹ دیا اور اوپر سے اس میں کرچھے کو جھاڑ جھوڑ کر چپ ہو رہا۔ المطلب وقت شب کھانا جو نکال کر لے گیا تو مرزا مذکور صاحب شعور کی نگاہ ناگاہ دال پر جو پڑی تو کچھ دال میں کالا نظر آیا۔ یہ ماجرائے عجیب و غریب دیکھ کر مرزا نے کہا "اے رو سیاہ پُر گناہ! اس دال کے اعتدال میں یہ سیاہی واہی کیسی ہے کہ جس سے تمام دال، اے بد افعال! خراب و خستہ نظر آتی ہے؟" میاں کی یہ گفتگو دو بدو سن کر کہنے لگا "میاں صاحب! شوق سے کھاؤ، کچھ نہیں ہے، تنک کرچھے کی جھاڑن جھوڑن ہوگی۔" یہ سخن حیرت افگن سن کر مرزا کہنے لگے "ابے کرچھے کی جھاڑن جھوڑن کیسی ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "دال بگھار کر تنک کرچھے سے دال اس لیے چلائے دیون تھا کہ کرچھے کا گھی کھراب نہ جائے۔" شعر

یہ مرزا نے سن کر کہا "بے شعور
بھلا کوئی کب تک تجھے دے شعور

غرض اطمینان خاطر عقلیہ ہو چکا کہ تو نہایت کچا ہے لیکن جو ایسا ہی پکائے گا تو میں بھی مارے مکیوں کے تیرا پلیتھن نکالوں گا کیوں کہ تو نے میری طبیعت نہایت ناخوش کی ہے۔

واللہ تجھ سے نوکر سے اس گردے میں مجھ کو چپ آتی ہے اور تیری وہ مثل ہے کہ : مثل

منہ کی گئی لوئی تو کیا کرے گا کوئی"

نظم

غرض دو تھپیڑے لگا کر آسے
کہا "تو ہی کھانا پہ کھالے ابے
کہاں ایسے ہوتے ہیں مہجور لوگ
جو اگلا سا کرتے تھے دستور لوگ

اور اسی نفر گیدی خر کی نقل ہے کہ ایک روز اس کے مرزا ہم دمان دل سوز کے ساتھ کوٹھے پر بیٹھے چوسر کھیلتے تھے ۔ اتفاقاً اس مکان دلستان میں گنڈیری اور نارنگیوں کے چھلکے بہت سے پڑے تھے ۔ ایک عزیز باتمیز نے کہا "مرزا جی! تم سے پر نفاست اور یہ غلاظت ؟ جائے نفرت ہے" اس میں مرزا مذکور باشعور نے اس نفرگیدی خر کو بلا کر کہا "ارے یہ کوڑا بے محابا جھاڑ کر کوٹھے کے نیچے پھینک دے لیکن ذرا بھلے آدمی کو دیکھ بھال کر پھینکنا ۔" یہ بات وہ بد ذات سن کر کہنے لگا "بہت نیک صاحب ۔" الحاصل اس آخور بےطور کو وہ ناپاک جھاڑ جھوڑ کر ایک ٹوکرے میں بھر کر سر راہ کوٹھے کے کنارے آ بیٹھا اور اس بات واہیات کا منتظر ہوا کہ کوئی بھلا آدمی آئے تو پھینکوں ، کیوں کہ میاں صاحب نے کہا ہے کہ بھلے آدمی کو دیکھ کر پھینکنا ۔ اتفاقاً ایک لمحے کے بعد ایک مقطع صورت نجبا سیرت اس راہ سے جو ہو کر گزرے تو اس کم بخت ناشدنی نے وہ ٹوکرا کوڑے کا ان پر یک لخت پھینک دیا ۔ وہ بے چارے آفت کے مارے بھیانک ہو کر کہنے لگے "اے مسخرے! تو اندھا ہے کہ جو بھلےآدمیوں پر کوڑا پھینکتا ہے؟"

یہ گفتگو دو بدو سن کر وہ نفر گیدی خر کہنے لگا ''بڑے صاحب! میں کیا کروں ، مرزا صاحب کے کہنے سے پھینکا تھا ؛ تمھاری وہ مثل ہے کہ : مثل

دھوبی سے جیتتے نہیں ، گدھے کے کان مڑوڑت ہو''

اس کلام وحشت انجام سے وہ بسا حیا اور خفا ہو کے کہنے لگا ''ابے تیرا کون سا مرزا ہے ، بلا تو سہی ۔ کیا وہ ایسا سرہنگ خانہ جنگ ہے کہ بھلے آدمیوں پر کوڑا پھکواتا ہے ۔'' یہ بات اس نیک ذات کی سن کر وہ بے شعور با قصور کہنے لگا ''مرزا صاحب! تنک یہ تیر آؤ ، تم کا کوئی بھلا آدمی بلاوت ہے ۔'' وہ مرزا بے ریا جو آ کر دیکھیں تو ایک بھلے آدمی نہایت خشم گین کوٹھے کے نیچے کھڑے ہیں اور دو چار چھلکے گنڈیری کے سر پر پڑے ہیں ۔ غرض مرزا کو وہ دیکھ کر بولے ''او مرد آدمی! یہ کون سی آدمیت اور شرافت ہے کہ بھلے آدمیوں پر کوڑا پھکواتا ہے؟'' یہ کلام وحشت التیام ان کا سن کر مرزا نفر سے کہنے لگے ''اے مسخرے! میں نے تجھ کو کب کہا تھا کہ یہ کوڑا کسی شرفاء کے منہ پر پھینکنا؟'' اس کے جواب میں کہنے لگا ''میاں! تم نے نہ کہا کہ بھلے آدمی کو دیکھ کر پھینکنا ؛ سو ایسا کون بھلا آدمی ہوگا؟'' یہ گفتگو واہی وہ نیک خو راہی سن کر تبسم کناں کہنے لگا کہ ''خیر معلوم ہوا'' اور مرزا صاحب نے ان سے دست بستہ عرض کی کہ ''حضرت سلامت! اس وقت غلام ناکام کو جو چاہیے سو کہہ لیجیے کہ یہ بے وقوف عقل سے معذور ہے ۔

اشعار

کوئی بات اس سے نہیں بد ہوئی
مجھی سے یہ تقصیر سرزد ہوئی''

غرض سن کے یہ گفتگو عذر کی
گیا اپنے گھر وہ بھلا آدمی
جو مہجور ہوتا کوئی ذو فنون
تو بے واسطے کا تھا یہ کشت و خون

............[1]

نقل نظم میں

نقل ہے اک طبیب کی مشہور
کیا کروں اس کا میں بھلا مذکور
ایک بیٹا تھا اس کا ایسا اہل
دل میں حکمت کو جانتا تھا سہل
ساتھ اپنے پدر کے ہر جا پر
دیکھنے نبض جاتا تھا اکثر
باپ نے اس کے ایک دن یارو
دیکھ کر نبض ایک روگی کو
یوں کہا "تو نے کیا گنڈیری آج
کوئی کھائی ہے جو برا ہے مزاج؟"
کہا بیمار نے طبیب سے "واہ!
کیا ہے پہچانا آپ نے واللہ!
گھر میں گنے بہت سے آئے تھے
لڑکے بالے سبھوں نے کھائے تھے
میرے دل میں بھی کچھ جو آئی ہوس
اک گنڈیری کا میں نے چوسا رس"
الغرض وہ طبیب اپنے گھر
آیا جس دم تو اس سے اس کا پسر

۱ - یہاں سے دو نقلیں بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہیں۔

یوں لگا پوچھنے کہ ''بابا جان!
سچ تو فرمائیے کہ آپ نے واں
کس طرح سے گنڈیری کا کھانا
اس کا بے ساختہ تھا پہچانا؟''
سن کے اس طبیب نے گفتار
یوں کہا اپنے بیٹے سے اک بار
''میں نے اس طرح اس کو اے بیٹا!
سامنے تھا سبھوں کے پہچانا
پاس اس کے پلنگ کے چھلکا
تھا گنڈیری کا اک طرف کو پڑا!
اس علامت سے میں نے اے جانی!
نبض اس کی تھی صاف پہچانی
اور کیا اس کا سر کروں میں نقل
ایک من علم پر ہو دس من عقل''
سن کے وہ کم شعور یوں بولا
''واہ کیا خوب آپ نے یہ کہا''
قصۂ کوتاہ وہ حکیم غرض
مر گیا، یہ ہوا یتیم غرض
اس کی جا پر لگا مطب کرنے
لگے اس کا علاج سب کرنے
ایک دن اک مریض کو وہ طبیب
دیکھنے کو گیا تھا وائے نصیب
الغرض نبض دیکھ کر یارو
باپ کی بات یاد آئی جو

هر طرف دیکھنے لگا یک بار
جائے خندہ ہے دوستو گفتار
چار جامے تھے اس کے گھر میں بنے
ٹکڑے ہر جا پڑے تھے نمدوں کے
یک بہ یک اس طبیب کی جو نظر
پڑی نمدوں کے جاکے ٹکڑوں پر
لگا کہنے مریض کو اس آن
''تو نے نمدا کیا ہے نوشِ جان''
سن کے سب اس طبیب کی گفتار
ہنس کے کہنے لگے وہیں یک بار،
''سچ یہ مشہور ہے میان جہان
نیم حکمت ہے ساری خطرۂ جان''
جب کہ ایسے طبیب ہوں مہجور
کیوں نہ مر جائیں بے اجل رنجور
فی‌الحقیقت کہ آج کل کے طبیب
یوں ہی درماں ہیں کرتے وائے نصیب!
ان کے دل میں نہیں ہے خوفِ خدا
الٹی کرتے ہیں ہر مرض کی دوا

نقل دیگر

نقل یہ بھی دوستو کیا خوب ہے
یعنی اہلِ عقل کے مرغوب ہے
ایک صاحب کا جو خدمت گار تھا
آپ کو گنتا بہت ہشیار تھا

لیکن احمق اس قدر تھا دوستو
نقل نادانی کی اس کی یہ سنو

ایک دن اس صاحبِ خانہ کے گھر
آشنا اک آئے جو با کر و فر

اس کو بلوا کر انہوں نے یہ کہا
"جا کے دو پیسے کے بیڑے جلد لا"

لے کے دو پیسے غرض وہ سادہ دل
پہنچا جا کر چوک کے جب متّصل

تب لگا کرنے یہ اپنے دل میں دھیان
دونوں پیسے کا پکا کے لیجے نان

جس میں وہ مہمان مسکیں پیٹ بھر
کھائے روٹی اور جائے اپنے گھر

سوچ کر دل میں غرض اس بات کو
لے گیا پکوا کے روٹی دوستو

پہنچا جب گھر میں لیے وہ نان کو
صاحبِ خانہ نے اس نادان کو

یہ کہا "اس وقت جو لایا ہے تو
رکھ دے جا کر آپ کے وہ رو برو"

ایک روٹی کھول کر بے قیل و قال
رکھ دی اس کے آگے خوش ہو کر کمال

صاحب خانہ کا اک باری جو دھیان
جا پڑا تو دیکھتا کیا ہے کہ نان

سامنے مہمان کے رکھی ہے ایک
اور ہے سر کو جھکائے چپ وہ نیک

دیکھا غصے سے نفر کو، تب یہ بات
بولا جھنجلا کر کہ ''تو اے نیک ذات!
گھورتا کیوں ہے مجھے اب ہر زماں
اور بھی موجود ہیں دو روٹیاں''
سن کے یہ مہجور اُس کی گفتگو
ہو گیا چپ آخرش وہ نیک خو

نقل دیگر

نقل اک شخص کی عجائب ہے
ہے عجائب تو کیا غرائب ہے
ایک صاحب نے اک نفر نوکر
رکھا تھا لیکن ایسی شرطوں پر
''خوش جو ہوں گا کبھی ذرا تجھ سے
تب اضافے کو کہیو تو مجھ سے
اب تو جو کچھ مجھے میسّر ہے
سو تو یہ لے مرا تُو نوکر ہے''
قصہ کوتاہ آن کی خدمت میں
تھا یہ حاضر ، ولے یہ طینت میں
اس کے تھا ، جب کبھی خوشی ہومیاں
تب اضافے کو اپنے کیجیے بیاں
ایک دن شب کو ان کے گھوڑے کو
لے گیا چور تو یہ حیراں ہو
ہر طرف ڈھونڈنے لگا یک بار
جب نہ ہاتھ آیا ہو کے تب لاچار

بیٹھے جس جا میاں تھے کوٹھے پر
وھیں جا کر کہا بہ دیدۂ تر
''گھوڑا صاحب کا بھاگ کر واں سے
یاں تو آیا نہیں یہ کہہ دیجے''
سن کے اس بد شعور کی گفتار
بے تحاشا وہ ھنس پڑے یک بار
ھنستے دیکھا نفر نے ان کو جو ھیں
گڑ گڑا کر لگا یہ کہنے وھیں
''اب اضافے کو میرے کہہ دیجے
بعد پھر چاھیے سو کچھ کیجے''
اور بے اختیار اے مہجور!
اس سے افزوں ھنسا وہ اھل شعور

آٹھواں باب

افیونیوں کی نقلوں میں

دیوانِ مبتلائے نشۂ تریاک اور محرّرانِ مستانہ و بے باک پوستِ غزال خوش قماش پر کلکِ شاخِ نخلِ خش خاش سے یہ نقل پُرکیفیت یوں رقم کرتے ھیں کہ ایک افیونی باتونی حالت نشہ میں ایک اھیر بے پیر کے گھر وقت شب دودھ لینے کو گیا ۔ اُس کی عورت نیک خصلت نے کہا ''میاں صاحب ! اس وقت تھن تلے کا دودھ جو چاھو تو ایک گھڑی ٹھہر جاؤ ، میں تم کو شیر بے نیر اچھے سے اچھا دوں گی ۔'' یہ کلام فرحت انجام سن کر وہ افیونی کھڑا ھو رھا ؛ اس میں پینک نے جو زور کیا تو دودھ لینے کے خیال میں ایسا جما کہ سر کی پگڑی اگر کوئی اچکا انٹی کر لے جائے تو بھی خبر دار نہ ھو ، اور اس اھیرنی نے تاریکیٔ شب کے باعث یہ خیال نہ کیا کہ دودھ کا خریدار نا ھنجار کھڑا ھے یا نہیں ، اپنے گھر کی ٹٹی دے کر با فراغت سو رھی ۔ قضائے کار اُسی رستے سے ایک چھکڑا بار لدا ھوا گزرا ۔ اُس کا گاڑی بان ھر آن پوئش پوئش کرتا چلا آتا تھا ؛ اُس وقت خدا ساز یہ آواز جو اُس کے گوش ھوش میں پڑی تو اس اھیر کے دروازے کی ٹٹی سے لگ کر کھڑا ھو رھا ۔ وہ چھکڑا دو بلدا تو اپنی راہ سے لگا لیکن پھر اس افیونی کو ایسی پینک آئی کہ تریاق شب کی سیاھی شیر سحر کی سفیدی سے متبدل ھو گئی ۔ الغرض : شعر

صبح کا جس گھڑی ہوا تڑکا
اس گھڑی اس کو یہ ہوا کھڑکا

یعنی وہ اهیرنی اپنے دروازے کے قریب بعد فراغ خواب پیشاب کرنے کو جو بیٹھی تو آواز نا ساز چھل چھل کی ایک بار جو آئی تو وہ افیونی جنونی پینک سے چونک کر بے اختیار ہو کر بولا ''ارے او کم بخت نا شدنی! میرے دودھ میں پانی نہ ملانا ، نہیں تو مارے جوتیوں کے تیرے سر کا غدود نکال ڈالوں گا۔'' یہ بات واهیات اهیرنی سن کر جو ٹٹی لگی کھولنے تو وہ افیونی جو اس سے لگا ہوا کھڑا تھا ، دھڑ سے گڑ پڑا۔ ایک بار بے اختیار جھنجھلا کے کہنے لگا ''اے اندھے چھکڑے والے! میں اس قدر الگ بچ کر کھڑا تھا ، لیکن تو نے یہاں بھی مجھ کو دھکا دے کر گرا دیا :

اشعار

خدا تیرے چھکڑے کو غارت کرے
اگاڑی کا یا بیل تیرا مرے
کہ جس سے ترے باپ دادا کی لیک
مٹے اور تو در بہ در مانگے بھیک

یہ گفتگو عربدہ جو اس افیونی کی سن کر وہ اهیرنی کہنے لگی ''اے عزیز با تمیز! تو شام سے اب تک یہیں کھڑا تھا ؟ رحمت خدا کی! :

قطعہ

جو افیون ایسی ہی تو کھائے گا
تو اک روز پینک میں مر جائے گا''
غرض دودھ والی نے مہجور خوب
اسے کر کے نفرین کھولے عیوب

نقل ہے کہ ایک افیونی جنونی خوش معاش یار باش تھا ۔ چند مدت کے بعد جب اس کو نشۂ تریاک دولت کا اُترنے لگا اور فکر اخراجات لابدی سے پوست اور استخوان باقی رہ گیا تو ایک روز اس کی جورو دل سوز نے کہا ''اے عزیز صاحب تمیز! مردوں کو اس قدر خانہ نشینی نہیں چاہیے ، یہ بھی نحوست کا سبب ہے ۔ اس حالتِ پُر ملالت میں تو سفر کر ؛ چنانچہ حدیث شریف ہے : حدیث

''السّفر وسیلة الظّفر''

یہ کلام نیک انجام اپنی جورو نیک خو کا سن کر افیونی کہنے لگا : شعر

''بہت خوب اے جان والا گُہر مقرر کروں گا میں فردا سفر''

المدعا وہ سخن پرور وقت سحر سفر کا ارادہ کر کے گھر سے راہی ہوا ۔ جس وقت وہ تریاکی شہر کے باہر پہنچا تو وہاں ایک تکیہ جاں فزا نظر آیا ۔ اس وقت یہ اس کے دل میں سوجھی کہ اس جا پر نشہ پانی بہ کیفیت کر کے ذرا آرام فرحت انجام کیجیے ، اس کے بعد منزل مقصد کی راہ لیجیے ؛ بہ قول شخصے : شعر

طبع کے اپنے ہم خوشی خواں ہیں
جہاں بیٹھے وہیں کے سہاں ہیں

الحاصل وہ افیونی باتونی وہاں بیٹھ کر نشے پانی میں مشغول و مصروف ہوا ۔ بعد انفراغ افیون و گزک وہ مردک سو رہا ۔ اس عرصے میں سوتے سوتے جو آنکھ کھل گئی تو دن گھڑی چار ایک نظر آیا ۔ یکایک گھبرا کے کہنے لگا : شعر

تھک گئے میرے پاؤں تو افسوس
ابھی منزل پڑی ہے کالے کوس

الغرض وہ جلد کمر کو باندھ کر ، ھاتھ میں حقے کی کلی لے کر بہ شکل گل خنداں ، حالت نشہ میں خوش و خرم چل نکلا ۔ رفتہ رفتہ اپنے ھی شہر مینوچہر کے دروازے پر آ کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ ''اس شہر عالی قدر کا کیا نام نیک انجام ہے ؟'' ایک شخص نے کہا ''اس شہر مینوچہر کو ہندوستان رشکِ جنان کہتے ہیں ۔'' اس کلام نیک فرجام کو سن کر کہنے لگا ''سبحان اللہ! عجب قدرت الٰہی ہے کہ اس شہر کا نام ھمارے شہر کے ھم نام ہے ۔'' رفتہ رفتہ شہر کے درمیان آ کر ایک دکان دار خوش اطوار سے کہنے لگا ''اے برادر بہ جان برابر! اس شہر میں کوئی افیونی خوش‌معاش یار باش بھی بود و باش رکھتا ہے کہ جس کے گھر میں صبح و شام اپنے نشے پانی کا آرام بہ خوشی تمام ہو ؟'' اس نے کہا ''اے عزیز با تمیز ! فلانے محلے میں فلانا افیونی رہتا ہے ، جو تو اس کے گھر صبح و شام جائے گا تو البتہ تجھ کو آرام تمام ملے گا : شعر

ہے نزدیک یاں سے نہ کچھ دور ہے
وہ اس شہر میں خوب مشہور ہے''

یہ خبر وحشت اثر سن کر افیونی کہنے لگا ''یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ یہ افیونی بھی ھمارا ھم نام ملا اور محلے کا بھی نام ھمارے محلے کا سا ہے ؛ یہ حسن اتفاق اس آفاق میں کم دیکھنے میں آیا ہے ۔''

المطلب وہ بوالعجب اپنے محلے کو پوچھتا پوچھتا

اپنے گھر کے دروازے پر جا پہنچا اور دستک دے کر کہنے لگا ''ذرا دروازہ کھول دو ، ایک مسافر غریب بے نصیب تمھارے گھر میں مہمان آیا ہے ۔'' اس عرصے میں وقت شب کا ہو گیا تھا ۔ اس کی لونڈی جھٹ پٹ دروازہ کھول کر کہنے لگی '' میاں صاحب! ہمارے گھر کا مالک آج سفر کو گیا ہے لیکن آپ بہ کشادہ پیشانی مکان دل ستاں میں رونق افزا ہو جیے ، کسی طرح کی بے چینی نہ ہوگی ۔'' یہ گفتگو دو بدو اس کنیز نیک خو کی سن کر کہنے لگا ''یہ بھی عجیب اتفاق بے سیاق ہے کہ ہماری اور افیونی کی ہر جگہ برابری چلی آتی ہے ، یعنی ہم جو آج سفر کو نکلے تو وہ بھی آج ہی مسافری کو گیا ؛ اس کے سوا ہمارے سے مکان کی اس مکان عالی شان کی قطع ہے ۔'' یہ خیال کثیر الاختلال دل میں کر کے دیوان خانے میں بیٹھا اور اس کی کنیز با تمیز جو چراغ روشن کر کے لائی تو کیا دکھائی دیا کہ مسافر تو نہیں ہے ، میاں صاحب خود آپ ہی اپنے مکان میں جلوہ گر ہیں ۔ یہ ماجرا حیرت افزا دیکھ کر بی بی سے جا کے کہنے لگی کہ ''اے خاتون زمان! مہمان تو کوئی نہیں ، میاں صاحب خود آپ ہی تشریف لائے ہیں ۔''

یہ کلام نافرجام اس کنیز با وفا کا سن کر بی بی کہنے لگی ''اے مردار ناہنجار ! کیا جھک مارتی ہے ؛ اگر وہ ہوتا تو باہر کیوں بیٹھتا ، اپنے گھر میں نہ آتا ۔ وہ بے چارہ مصیبت کا مارا خدا جانے آج کس مکان ویران میں بیٹھا ہوگا ۔ تو مجھ پر نا حق گالی چڑھاتی ہے ۔'' یہ سخن دل شکن لونڈی سن کر چپ ہو رہی لیکن صاحب خانہ کی بی بی نے دل میں کہا کہ 'میرے گھر میں مہمان انجان آج وارد و صادر ہوا ہے اور مالک گھر کا نہیں ہے ؛ بھلا اور زیادہ تکلیف نہ ہو سکے تو ملائی اور میٹھے

چانول تو اُس کے واسطے بھیجیے تاکہ یہ بھی جانے کہ ہاں کسی افیونی صاحب ظرافت کے گھر میں شب باش ہوئے تھے'۔ الغرض اس خاتون خجستہ پیکر نے کھانا خوش‌ذائقہ اس افیونی کے واسطے بھیجا ۔ اس طعام خوش گوار کو دیکھ کر افیونی دل میں کہنے لگا 'واہ واہ! زہے قسمت ! کہ آج کھانا بھی ہم کو ہمارے گھر کا سا ہاتھ آیا ؛ بہ قول شخصے : مصرع

حق شکر خورے کو دیتا ہے شکر

اور سچ بھی یہی ہے : مصرع

بے نوایاں را خدا رزق ہوائی می دہد"

الغرض کنیز نے بہ غور تمام جو دیکھا تو صاف صاف میاں صاحب نظر آئے اور اس وقت کنیز با تمیز بی‌بی سے آ کر کہنے لگی "اے خاتون جہاں و اے بانوے زماں ! تو مجھ کو مار کے پرزے پرزے نہ کر ڈال لیکن میں تو یہی کہوں گی کہ میاں صاحب ہی ہیں ۔" یہ گفتگو دو بدو کنیز نیک خو کی سن کر بی‌بی جواب دہ ہوئی "خیر کیا مضائقہ ! معلوم ہو جائے گا ۔" الحال وہ بی‌بی دروازے کی دراڑ سے جو نظارہ کناں ہوئی تو کیا دیکھتی ہے کہ فی الحقیقت میاں صاحب کی سی نشست کھانا کھانے کی ہے ۔ یکایک وہ بی‌بی دبے پاؤں اس کے پیچھے کھڑی ہو کے بہ غور دیکھنے لگی تو بالمشافہ آپ روپ نظر آئے ۔ یکایک اس بی بی نے خفا ہو کر پیٹھ پر ایک دوھتڑ مارا اور یوں کہا "اے بے حیا! اچھا مسافری کو نکلا تھا ۔ تو نے تو وہ مثل کی کہ صبح کا بھولا جو شام کو آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے ہیں ۔" یہ سخن دل شکن اپنی بی بی سے سن کر اور بہ غور دیکھ کر کہنے لگا "اے بی‌بی! اگر یوں ہی تم ہمارے ساتھ پھرو گی تو ہم سے مسافری نہ ہو سکے گی ۔"

مثنوی

یہ سن کر سخن وہ زن پارسا
لگی کہنے ''تو سخت ہے بے حیا
سفر تو کرے گا نہ ہرگز کہیں
رہے گا تو قبلہ نما سا یہیں''
جو مہجور ہوتا نہ ایسا وہ حیز
تو جورو نہ کہتی اسے بے تمیز

نقل ہے کہ ایک افیونی جنونی کا نوکر بھی افیونی تھا ۔ اتفاقاً وہ افیونی بھی اپنے رہوار پر سوار ہو کر عازم سفر ہوا ۔ اثنائے راہ میں ایک چوکی پر نشہ پانی کرنے ٹھہر گیا اور گھوڑے کو قائزہ کر کے ایک درخت سے باندھ کے کھڑا کر دیا ۔ نشے پانی سے فارغ ہو کر وہ لایعنی اٹھ کر تیار اور استوار ہوا اور نفر سے یوں کہنے لگا ''اے نفر باخبر! خبر دار کچھ بھولنا نہیں کیونکہ یہ مسافری ہے۔'' اس کے جواب میں نفرگیدی خر بولا کہ ''صاحب ! بھولنے کا کیا ذکر ہے ؛ علیٰ ھذا القیاس آپ کے پاس افیون کا ڈبا اور میرے پاس حقے کی کلی اور کوئلوں کی تھیلی موجود ہے ؛ ظاھر میں تو کوئی چیز بھولے نہیں اور باطن کی خدا جانے : شعر

کچھ ابھی ایسا نشا بھی تو نہیں
بھول جائیں چیز کو جو ہر کہیں''

الحاصل وہ دونوں غافل منزل کو چل نکلے اور گھوڑا لنگوڑا وھیں رھا ۔ پھر چند قدم کے بعد وہ افیونی نفر باتونی سے پوچھنے لگا ''اے نفر گیدی خر! کچھ بھولے تو نہیں ؟ دیکھ تو مجھ کو شبہ نظر آتا ہے ، ٹھہر جا'' پھرنفر بے خبر بول اٹھا کہ ''صاحب!

آپ کو کچھ وہم ہو گیا ہے ؛ میرا اسباب میرے پاس اور آپ کا اسباب آپ کے پاس، بھولنے کا کیا ذکر ہے ؟'' آخرکار یہ دونوں نابکار اسی گفتگو میں سرائے میں پہنچ کر ایک بھٹیاری دلاری نامی سے کہنے لگے کہ ''اے بھٹیاری ! کھانے دانے اور گھاس کی جلد تیاری کر ، ہمارا مارے بھوک کے کلیجا ٹوٹا جاتا ہے کیوں کہ ہم لوگ افیونی ہیں ، ہم کو بھوک اور پیاس کی برداشت نہیں ہے ۔'' یہ کلام نیک انجام بھٹیاری ایک بار سن کر دانے گھاس کی فکر کرکے کھانا پکانے میں مشغول و مصروف ہوئی ۔ ایک گھڑی کے بعد بھٹیاری دل میں کہنے لگی کہ 'میاں صاحب نے دانہ تو منگوایا اور بھگوایا لیکن گھوڑا نگوڑا ابھی تک نہیں آیا ؛ شاید ان کا گھوڑا ماندگی سے پیچھے رہ گیا ہے ، اس سبب سے نہیں پہنچا ۔' اس عرصے میں جب شام سیہ فام کا وقت قریب آیا تو بھٹیاری ایک باری نفر سے پوچھنے لگی کہ ''اے عزیز با تمیز! دانہ گھاس میرے پاس تیار رکھا ہے اور تیرا گھوڑا ابھی تک نہیں آیا ، اس کے کیا معنے؛ آیا کچھ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں یا گھوڑا ماندگی سے میاں کی سواری کے قابل نہ تھا ؟ : شعر

عقل میری اس جگہ حیران ہے
کس طرح کا ہائے یہ سامان ہے''

یہ کلام وحشت التیام سن کر نفر کہنے لگا ''فی الواقع میاں سچ کہتے تھے کہ کچھ بھولے تو نہیں ، معلوم ہوا کہ شاید گھوڑا ہی بھول آئے ۔'' ایک بار وہ نا ہنجار میاں سے آ کر کہنے لگا کہ ''میاں صاحب! بھٹیاری کہتی ہے کہ تمھارا گھوڑا نگوڑا کہاں ہے ، دانہ گھاس خراب ہوا جاتا ہے ۔'' یہ گفتگو نفر بد خو کی دو بدو سن کر میاں بولے ''کیوں بے گدھے ! میں نہ کہتا تھا کہ کچھ بھولے ہیں ، آخر کو میرا کہا سچ ہوا ۔''

ابیات

یہ سخن سن کے وہ نفر بولا
''ہاں میاں آپ نے تھاسچ ہی کہا''
الغرض دونوں ہلتے اور جھلتے
گھوڑا لینے کو ایک دم دوڑے
لیک مہجور ہو ترئی کہ کدو
لعن ہم تو کہیں گے بر ہر دو

نقل ہے کہ ایک افیونی بیرونی بام دل آرام پر سوتا تھا۔ حالت نشہ میں برائے پیشاب وہ بے تاب جو اٹھا تو یکایک کوٹھے کے نیچے گر پڑا اور بے اختیار پکار کر خدمت گار سے کہنے لگا ''اے فلانے! یہ دھما کا بڑا سا کیا ہوا، دیکھ تو سہی کیا ہے؟'' یہ بات واہیات سن کر وہ خدمت گار غم خوار کہنے لگا ''میاں صاحب! میں اس وقت اپنا کھانا پکاتا ہوں، ناحق کہاں اٹھوں، کوئی بلی ولی کودی ہوگی، اور تو کچھ یہاں نظر نہیں آتا۔'' اس میں افیونی بیرونی نے کہا ''اے عزیز بے تمیز! اٹھ کر دیکھ تو سہی، میرے گوش ہوش میں بڑے دھماکے کی آواز نا ساز آئی ہے۔'' وہ خدمت گار ایک بار خفا ہو کر بولا '' میاں صاحب! تم کہاں ہو، مجھ کو تمھاری آواز بے انداز نیچے کی سنائی دیتی ہے اور آپ میرے رو برو کوٹھے پر گئے تھے۔'' یہ گفتگو دو بدو خدمت گار نا ہنجار کی گوش زد کر کے وہ افیونی بولا ''اٹھ تو سہی، میں بھی تو اسی تعجب میں ہوں: شعر

مجھے بھی تو یہی اب خوف و غم ہے
کہ یہ کیسا دھماکا پر ستم ہے

الغرض وہ خدمت گار ایک بار چراغ لے کر جو اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ میاں عالی شان تابدان میں پڑے ہیں۔ پھر وہ خدمت گار غم خوار کہنے لگا کہ ''میاں صاحب! تم تو اس وقت تابدان غار پریشان میں پڑے ہو۔'' یہ سخن دل شکن سن کر وہ افیونی بیرونی کہنے لگا ''پس یہ ہمارے ہی گرنے کا دھماکا بے تحاشا تھا، ہائے ہائے بڑی چوٹ کھائی۔''

مثنوی

یہ کہہ کر لگا رونے وہ زار زار
ہوئے خندہ زن اور سب اس کے یار
جو ایسا نہ ہوتا وہ بے ہوش آہ
تو یوں لوگ ہنستے نہ شام و پگاہ
حقیقت میں غافل جو مہجور ہو
وہ بہتر ہے ہستی سے درگور ہو

نقل ہے کہ ایک افیونی جنونی لب بام والا مقام پر بیٹھا تھا کہ یکایک حالت نشہ میں یہ خیال کثیر الاختلال دل میں آیا کہ ''ہمارے کوٹھے کے سامنے دریائے بے پایاں لہرا رہا ہے۔ خدا نہ خواستہ جو یہ پانی طغیانی کرکے میرے کوٹھے پر آ جائے تو بڑا غضب پُر تعب ہو۔' اس خیال پُر ملال میں آخرش کو اسے امواج توہّم نے آ گھیرا اور دریائے وحشت بڑھنے لگا۔ آخرکار وہ دریائے ناپیدا کنار توہّم کا ان کے کوٹھے سے آ کر ہم کنار ہوا؛ تب تو یہ افیونی جنونی دریائے حماقت میں مستغرق ہو کر ایک مونڈھے پر چڑھ بیٹھا اور یہ مطلع دلھن بیگم صاحبہ کا زبان پر لایا: شعر

دیکھ دریا کو میرے دل پہ لہر آتی ہے
کشتیٔ عمر صد افسوس بہی جاتی ہے

اس عرصے میں اس وہمی کو مونڈھے پر یہ خیال پر ملال آیا کہ یہاں بھی پانی بہ طغیانی آن پہنچا ۔ یہ سوچ کر دل میں کہنے لگا کہ ''آخر تو ڈوبتے ہیں ، اس سے تو دریا میں کود کر پیر نکلیے ، ہرچہ بادا باد ؛ بہ قول شخصے 'مرتا کیا نہ کرتا' یہ سوچ کر وہ افیونی جنونی کوٹھے پر سے گر کے زمین پر ہاتھ مار مار کے کہنے لگا 'بیڑا پار ہے بھائی ۔' یہ ماجرا حیرت افزا ایک شخص دیکھ کر اس کے پاس آیا اور بغل میں ہاتھ دے کر اٹھا کے کہنے لگا ''میاں خبردار ہو ، آپ کو سنبھالو ، یہ کیا واہی تباہی بکتے ہو ۔'' یہ سخن دل شکن سن کر وہ افیونی جنونی بہ صد خفگی بولا کہ ''میرے پاؤں تو تہ کو لگ گئے، تو ناحق مجھ کو پکڑتا ہے ۔''

مثنوی

یہ واہی سخن اس کے سن وہ عزیز
لگا کہنے ''بکتا ہے کیا بے تمیز
کدھر کو ہے دریا کنارا کہاں؟
جو تو پیرتا ہے یہاں ہر زماں''
یہ سن کر وہ افیونی کہنے لگا
''میں پینک کے دریا میں تھا پیرتا
مجھے اب نشا کچھ جو کم ہو گیا
تو تیرا سخن صاف کانوں سنا''
غرض ہو کے نادم وہ مہجور خوب
گیا ہائے دریائے غیرت میں ڈوب

نقل ہے کہ ایک افیونی جنونی حالت نشہ میں بے حجاب پیشاب کرنے کو جو بیٹھا ، اتفاقاً وہ مکان پریشان پشت ماہی تھا ۔ یہ افیونی باتونی نشیب کی طرف بیٹھ کر حاجت رفع کرنے لگا ۔ یکایک وہ پیشاب لہراتا ہوا اس کی طرف رجوع ہوا ؛ اس کو نشے میں دریافت ہوا کہ یہ مار سیاہ آہ مجھ بے گناہ کے کاٹنے کو آتا ہے ۔ اس خیال پر ملال میں یہ جوں جوں پیچھے ہٹتا تھا ، ووں ووں پیشاب کی دھار بے اختیار لہراتی اس کی طرف آتی تھی ۔ الغرض جب وہ موت کی لکیر اس بے پیر کے پاؤں سے لگ گئی ، ایک بار بے اختیار آہ مار کے لیٹ گیا اوریوں کہنے لگا ''اے موذی! لے کاٹ کھا ، میں بے کس بے بس ہوں :

نظم

بس نہیں چلتا ہے کچھ اب تو مرا
کاٹ جس جا پر کہ جی چاہے ترا
سن کے یہ تقریر اس کی راہ گیر
بولا ''احمق موت کی ہے یہ لکیر
اس سے کیوں ڈرتا ہے تو اندوہ گیں
زہر اس کے کاٹنے میں کچھ نہیں''
سن کے یہ تقریر اس رہ گیر کی
لوٹنے میں اس نے کچھ تاخیر کی
اور نشے کی لہر جب کچھ کم ہوئی
تب اسے مہجور غیرت سم ہوئی

نقل ہے کہ ایک افیونی باتونی بھٹیاری کی سرا میں ایک مکان دل ستاں میں ایک پیک کے ساتھ مقیم ہوا ۔ بعد انفراغ طعام وہ بد انجام وقت آرام ایک باری بھٹیاری سے کہنے لگا ''اے

بھٹیاری پیاری ! تو مجھ کو وقت سحر مقرر سب سے پہلے جگا دینا : شعر

تا سویرے میں ٹھنڈے ٹھنڈے آہ
ایسا جاؤں نہ کوئی ہو آگاہ''

اور وہ پیک بھی اس سے یوں ہی کہنے لگا کہ ''مجھ کو بڑی صبح کے تڑکے بے کھٹکے اٹھا دینا : شعر

تاکہ میں بھی بہ منزل مقصود
اک سپاٹے میں سب سے پہنچوں زود''

الغرض وہ دونوں آشنا بہ ہم ایک جا سو رہے ۔ قضائے کار ایک بار افیونی باتونی کی جو آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ ساری خلقت اور بھٹیاری خواب غفلت میں بے ہوش ہے ؛ جلدی کمر باندھ کر اور پیک کی پگڑی گھبراہٹ میں سر پر رکھ کے چل نکلا ۔

بیان صبح : اس عرصے میں جب شاہ خاور شعاع کی کلغی سر پر رکھ کر مشرق سے نمودار ہوا ، یکایک اس افیونی جنونی کو اپنی پرچھائیں کی پگڑی پر جو کلغی نظر آئی تو ایک بار ہاتھ زانو پر مار کے کہنے لگا ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ! بھٹیاری غیبانی نے پہلے اپنے پیک یار غم خوار کو جگا دیا اور ہم کو نہ جگایا : شعر

ہائے افسوس ہم رہے پیچھے   اور وہ پیک ہو گیا آگے''

اس خیال پُر ملال میں وہ افیونی جنونی جاتا تھا کہ وہ پیک بھی آ پہنچا اور پیچھے سے اس کے سر پر دھول جڑ کے کہنے لگا ''او دغاباز ناساز ! میری پگڑی لے کے کیوں بھاگا ، تجھ کو اپنا آگا پیچھا نہ سوجھا تھا ؛ سچ بتانا ، نہیں تو اس

لپیٹ میں تیری مشیخت بگڑ جائے گی ۔" یہ سخن دل شکن سن کر وہ افیونی کہنے لگا "اے عزیز بے تمیز! کیا تو میرے پیچھے بھاگا تھا ، میں تو تیری پگڑی سے سمجھا تھا کہ بھٹیاری غیبانی ۔ تجھ کو جگا دیا ؛ بارے الحمد للہ کہ تجھ سے میں ہی آگے پہنچا :

مثنوی

تیرے آنے سے ہوا معلوم اب
ہو گئی تقصیر یہ مجھ سے کڈھب
واسطے حق کے اسے کر دے معاف
گر چہ تیرا دل ہوا ہے بر خلاف"
سن کے اس افیونی کی تقریر کو
ہو گیا مہجور چپ وہ نیک خو

نقل ہے کہ ایک افیونی مجنونی اپنے خدمت گار مکار سے ٹکے کا دودھ روز منگوا کے پیتا لیکن اس کو حلاوت نہ ملتی تھی ۔ اتنی بات واہیات کے واسطے اس افیونی نے ایک خدمت گار ہوشیار ، مکار اور نوکر رکھ کے حکم دیا کہ "اے دل سوز ! تو ہر روز اس خدمت گار نابکار کے ساتھ جا کر شیر بے نظیر لے آیا کر ۔" یہ فرمان اس نادان کا سن کر ملازم نو کہنے لگا :
شعر

"بہت خوب جو آپ نے ہے کہا
میں آنکھوں سے لاؤں گا اس کو بجا"

الغرض جب وہ پہلا خدمت گار نا ہنجار ایک بار دودھ لینے کو چلا تو وہ دوسرا نوکر کمر باندھ کر اس کے ہمراہ ہوا اور اثنائے راہ میں جا کر پوچھنے لگا کہ "اے یار غم خوار!

یہ ماجرائے حیرت افزا کیوں کر ہے؟" تو وہ جوان بے ایمان بولا کہ "اے بھائی! میں سودائی اس افیونی جنونی سے ایک ٹکا دودھ کا روز لیتا تھا لیکن ڈیڑھ پیسے کا شیر پانی ملا کے اس افیونی کو پلاتا تھا ؛ اب تو جس طرح کہیے ، اس کو بجا لاؤں ۔" یہ تقریر وہ بے پیر گوش زد کر کے کہنے لگا "خیر کیا مضائقہ ، لیکن اب ایک پیسے کا دودھ اس مردود کے واسطے لے چلیے اور دھیلا تو لے اور دھیلا مجھ کو دے " شعر

کہا پہلے نوکر نے کیا خوب ہے
یہی بات مجھ کو بھی مرغوب ہے

الحاصل افیونی کو شیر بہ ایں تدبیر آدھا پانی مل کر آنے لگا ۔ آخرکار نا چار اس افیونی مجنونی نے تیسرا نوکر فتنہ گر اور رکھا اور اس کو بھی یہی حکم دیا کہ "میاں! مجھ کو بازار کے دودھ میں کچھ فی معلوم ہوتی ہے اور یہ دونوں نوکر فتنہ گر ایسے غبن کرتے ہیں کہ میرا پیسے کا پیسا برباد جاتا ہے اور دودھ کا مزہ نہیں ملتا ۔" یہ کلام وہ نافرجام سن کر بولا "اے خداوند نعمت ، سپہر کراست ! :

ابیات

ہمیں کام جو کچھ کہ فرماؤ گے
ذرا فی نہ اس میں کبھی پاؤ گے
وہ نوکر نہیں ہیں جو آقا کا کام
کریں بے تمیزی سے ہر صبح و شام"

حاصل کلام وہ اگلے دونوں نوکر بد انجام جب دودھ لینے کو چلے تو افیونی نے تیسرے نوکر فتنہ گر سے کہا "میاں! ان دونوں جوان بے ایمان کے ہم راہ جا کر شیر بے نظیر

لے آؤ لیکن خبر دار یہ دونوں نا ہنجار کچھ غبن نہ کرنے پائیں : شعر

نہیں تو میں تم سے بھی ہوں گا خفا
اگر دودھ آئے گا ویسا برا''

الغرض وہ تینوں نوکر کمر در کمر ایک ٹکے کے دودھ کو خریدنے چلے لیکن ملازم سوم نے دونوں سے پوچھا ''اے بھائیو! یہ واردات واہیات کیا ہے ، سچ کہو ، بہ ہرصورت ہم تمھارے شریک حال ہیں ۔'' نوکر اول نے کہا ''میاں سچ تو یوں ہے کہ ہمارا آقا ٹکے کا دودھ منگواتا تھا لیکن یہ فقیر ڈیڑھ پیسے کا شیر بلا تاخیر لے جاتا تھا اور دھیلا آپ رکھتا تھا ، لیکن جس وقت یہ دوسرے صاحب اس کی تقلید کو آئے تو انھوں نے کہا کہ ''ایک پیسے کا دودھ اس مردود کو بہت ہے ، باقی ایک پیسا ہم سمجھ لیں گے ؛ سو اس صورت پُر کدورت سے ہم اوقات بسر کرتے ہیں : شعر

اب جو تو کہہ کریں وہی ہم بھی
نہ زیادہ ہو کچھ نہ ہو کم بھی''

یہ سخن حیرت فگن سن کر وہ تیسرا نوکر بختاور کہنے لگا کہ ''ایک پیسا تم دونوں لو اور ایک پیسا مجھ کو دو ، میں سمجھ لوں گا ؛ دیکھو تو یہ کھوٹا نوکر اس کچے افیونی کے کیسے کوڑے کرتا ہے کہ دمڑی کے دودھ میں خوش رہے اور ذرا نہ جلے نہ بھنے ۔''

المطلب اس پکے نوکر نے کیا فعل کیا کہ ایک دمڑی کی ملائی لے کر گھر میں آیا اور اس کو طاق میں رکھ کر چپ ہو رہا ؛ جس وقت اس افیونی کو پینک آئی ، اس نوکر فتنہ گر

نے دونوں مونچھوں پر تھوڑی تھوڑی ملائی رکھ دی اور آپ الگ ہوگیا۔ اس عرصے میں پینک سے جو اس افیونی کی آنکھ کھلی تو ایک بار خدمت گار سے کہنے لگا کہ ''اے نوکر بختاور! شیر بے نظیر لایا یا نہیں؟'' وہ ملازم نو بولا ''اے صاحب! میں شیر بے نظیر لایا تھا اور آپ نوش جان بھی کر چکے ، اس کو بڑی دیر ہوئی ، بلکہ آپ نے نشے کی حالت میں کلی تک بھی نہیں کی ۔ ذرا مونچھوں کو تو ملاحظہ فرمائیے ۔'' تب وہ افیونی شیر خوار ایک بار جو مونچھوں کو تاؤ دینے لگا تو دو ٹکڑے ملائی بالائی کے ہاتھ میں آ گئے۔ وہ فتنہ گر کہنے لگا کہ ''خداوند! دیکھیے کیا ملائی دار خوش گوار دودھ تھا کہ جس کی جھلی آپ کی مونچھوں پر جم گئی ۔''

مثنوی

یہ سن کر کہا اس نے ''ہاں میرے یار
بہت خوب یہ دودھ تھا خوش گوار
ہمیشہ جو لادے گا ایسا مجھے
تو میں بھی بہت خوش کروں گا تجھے''
غرض اس نشے آدمی نے آسے
کیا ایک دمڑی میں خوش ، واہ رے
مثل سچ ہے مشہور یہ جا بجا
ملے ہے بہت چھاننے سے کرکرا

نقل ہے کہ ایک دو افیونی بیرونی باہم بیٹھ کر یہ مشورہ کناں ہوئے کہ کوئی بات ایسی برائے تلاش معاش کیجیے کہ جس سے بہ خوبی اوقات بسر ہو اور گزک بے دھڑک افیون کی بہم پہنچے۔ اس میں دوسرا افیونی ہارونی بولا کہ ''آؤ ہم تم دونوں

شرکت میں بہ آشنائی مٹھائی کی دکان عالی شان کریں تاکہ معاش جگر خراش خوشی و خرمی سے گزرے اور افیون کی چاٹ ہر رات آیا کرے۔" پھر وہ پہلا افیونی باتونی کہنے لگا "واقعی اے یار غم خوار! یہ تدبیر دل پزیر نہایت خوب مرغوب ہے لیکن بازار شہر غدار میں مٹھائی اے بھائی! بیچنا کمال عزت اور حرمت کا زوال ہے؛ اس سے تو یوں بہتر ہے کہ گنوں کا کھیت کسی ریت میں بوئیے اور جس وقت گنے ایک بار تیار ہوں، اس وقت ان کو بیچیے اور چھُریاں قرولیاں لے کر بیٹھیے؛ مثلاً ایک گنا ہم نے تڑاق سے توڑا، چھیلا، نوش جان کیا۔ اسی طرح تم نے بھی توڑا، چھیلا اور کھایا۔ دوسرا افیونی ہارونی بولا "نہ بھائی! میں تو دو گنے تڑاق پڑاق سے توڑوں گا اور کھاؤں گا" تب وہ افیونی اس کے سر پر دھول مار کر کہنے لگا "اے فساد کی گانٹھ، فتنے کی جڑ! تو ایسا کہاں کا زبردست عرش کا تارا ہے جو مجھ سے ایک گنا تو زیادہ کھائے گا۔" غرض اتنی سی بات واھیات کا آخر کار قصہ پُر آزار کوتوال نیک خصال کے روبرو رجوع ہوا۔ یہ ماجرا حیرت افزا سن کر وہ کوتوال نیک خصال کہنے لگا "تمھارا یہ قصہ پُر غصہ ہم سے نہ فیصل ہوگا۔" حاصل کلام وہ دونوں نافرجام ایک بار فوج دار معاملہ شعار کے قریب جا کر اپنا احوال پر ملال بہ نوک زبان بیان کرنے لگے۔ اس فوج دار سلیقہ شعار نے پوچھا کہ "تم نے گنے کا کھیت کس مقام دل آرام پر بویا تھا جو یہ قصہ برپا ہوا؟" وہ دونوں افیونی بیرونی بولے کہ "خدا وند نعمت سپہر کرامت!:

نظم

ہماری اور اس کی تھی ٹھیری یہ بات
کہ گنے کہیں بوئیے نادرات

سو میں نے کہا تھا کہ ''اک نیشکر
وہیں کھیت میں کھاؤں گا چھیل کر''
یہ کہنے لگا ''میں تو کھاؤں گا دو
خوشی اس میں ہو یا خفا کیوں نہ ہو''
سو اس بات پر میں نے اے فوج دار!
اسے دھول ماری ہے بے اختیار
یہ ایسا کہاں کا ہے مجھ سے بڑا
جو دو نا شراکت میں کھائے بھلا''

یہ واردات واھیات سن کر فوج دار سلیقہ شعار کہنے لگا ''تمھارا قصہ برابر حصہ چاھتا ہے ، لیکن تم نے جو وہ گنے کھیت میں بوئے ھیں ، اس کا محصول بے عدول داخل کرو ۔'' الحاصل وہ دونوں از خود غافل مار دھاڑ سے جرمانہ معقول مع محصول دے کر ملک محمد خان کے بہ قول کہنے لگے :

نظم

نیاؤ نہ کین کیہیں ٹھکرائی
بن کینی لکھ لین برائی
اب کا ھوئیہے ھمرے روئے
کوت لیہن بن جوتے بن بوئے

ابیات

یہ سن ماجرا سب صغیر و کبیر
لگے کہنے قصہ یہ ہے بے نظیر
نہ دیکھا کسی نے نہ ایسا سنا
اب آگے کہے اس کے مہجور کیا

نقل ہے کہ ایک افیونی باتونی کی جورو نیک خو شیریں دھن کا نام دل آرام 'مصری' تھا۔ اتفاقاً ایک روز وہ افیونی پینک کے عالم میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ہمسائے کی ایک عورت نیک بخت نے اس کی جورو نیک خو کو بہ زبان شیریں پکار کے کہا" بی‌بی مصری ذرا ادھر آنا۔" یہ سمجھا کہ کوئی کہتا ہے "مصری ادھر لانا۔" اس آواز خوش انداز کو گوش زد کر کے حالت نشہ میں اپنی بی‌بی سے کہنے لگا:

نظم

"مائی صاحب جو مصری تم لینا
میرے بھی منہ میں اک ڈلی دینا
آج پینک میں تھا یہ افیونی
پائی لذت ترے سبب دونی"
سن کے اس بے حیا کی یہ گفتار
کہا بی‌بی نے "چپ ہو ناھموار
یہ سخن واھی تو نہ منہ سے نکال
نہ بہک اس طرح زباں کو سنبھال
کھول کر آنکھ دیکھ اے بد خو!
میں تو ہوں تیری بیاھتی جورو"
سن کے اس گفتگو کو وہ مجبور
دل میں نادم ہوا بہت مہجور

نقل[1] ہے کہ ایک افیونی مجنونی کا چور سینہ زور جا ضرور

---

۱ - یہاں سے ایک نقل مکمل صورت میں بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے۔

کا لوٹا حالت نشہ میں آگو سے اٹھا لے گیا اور بعد فراغت حاجت افیونی نے جو آب دست کو لوٹا تلاش کیا تو ھاتھ نہ آیا ۔ جبراً و قہراً وھاں سے اُٹھ کر مکان دل ستان میں آیا اور ایک لوٹا منگوا کے خبرداری اور ہوشیاری سے پاس رکھا ۔ چند روز کے بعد وہ دزد بد خصلت غفلت دے کر دوسرا لوٹا بھی لے گیا ۔ یہ احوال پر ملال افیونی جنونی دیکھ کر بہت گھبرایا ۔ آخر کار اس نابکار کو یہ سوجھی کہ اب کسی فطرت پُر فراست سے چور لگور کو پکڑیے ۔ یہ خیال وہ بد خصال دل میں کرکے جا ضرور پُر فتور میں لوٹے کی جا پر چادر سر سے پاؤں تک اوڑھ کر، ھاتھ آگے چھاتی سے خم کرکے ، آفتابے کی صورت بن کر بیٹھ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ 'وہ چور لگور مجھ کو آفتابہ سمجھ کر لینے آئے گا تو میں اس کو پکڑ لوں گا : شعر

غل مچاؤں گا اور کروں گا شور
آج پکڑا ھے میں نے اپنا چور'

غرض یہ خیال وہ بد خصال جی میں کرکے یوں ھی عمل میں لایا ۔ قضائے کار وہ چور نابکار اپنی چاٹ پر آ لگا تو جا ضرور غلاظت معمور میں کیا دیکھتا ھے کہ لوٹا نہیں ھے مگر اس کی جا پر کوئی آدمی منہ چادر سے لپیٹ لپاٹ کر بیٹھا ھے ۔ یہ ماجرا حیرت افزا وہ چور دیکھ کر کہنے لگا کہ آج کچھ دال میں کالا ھے ۔ غرض اس چور لگور نے برائے آزمائش ایک کنکری بھڑ سے اس آفتابۂ تغلبی پر ماری ۔ افیونی مجنونی کنکری کھا کر دل میں کہنے لگے کہ 'آفتابے پرجو کنکری لگتی ھے تو وہ ٹن سے بولتا ھے، احیاناً لوٹا نہ بولے گا تو یہ چور لگور بھڑکے گا'۔ یہ سوچ کر وہ کٹن ٹن ٹن کرنے لگا ۔ یہ آواز ناساز سن کر چور منہ زور

کہنے لگا ''چہ خوش چرا نہ باشد ، آج آپ یہ روپ لائے ہیں کہ آفتابہ بن کے بیٹھے ہیں ۔'' ایک لات اس کی پیٹھ پر جڑ کر فرار ہو گیا اور افیونی جنونی جا ضرور میں گر کر گھ گھ کرنے لگا ، یعنی جس طرح آفتابہ لنڈھ جاتا ہے اور اس کا پانی گھ گھ کرتا ہے :

مثنوی

اس فراست پہ تجھ کو افیونی
کیوں نہ ہر اک کہے گا مجنونی
اس طرح سے بھلا کہیں اے کور !
ہاتھ آیا بھی ہے کسی کے چور
الغرض اس کی عقل پر مہجور
کیوں نہ لعنت کریں سب اہل شعور

---

[1]نقل ہے کہ ایک افیونی بیرونی کی جا ضرور کا لوٹا ایسا ٹوٹا تھا کہ جب وہ ناپاک برائے احتیاج جاتا تو ذرا ذرا رس کر اس کا پانی بہہ جاتا ، وقت آب دست اتنا نہ رہتا کہ وہ افیونی باتونی آپ کو پاک کرتا ۔ غرض ایک روز وہ خفا ہو کر جا ضرور میں کہنے لگا کہ اس ٹوٹے لوٹے کا پانی رس کر بہہ جائے گا اور میں آب دست کی خاطر گراں خاطر ہوں گا ؛ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ آج پہلے ہی آب دست لے لیجیے ، اس کے بعد جا ضرور با شعور پھریے، پھر اس ٹوٹے لوٹے کا پانی بہہ جائے تو بلا سے :

---

۱ - یہاں سے ایک نقل مکمل صورت میں بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔

نظم

آخرش اس لعین نے یوں ہی کیا
بے ہگے آب دست اس نے لیا
واہ رے تیری عقل ، واہ شعور
ایسے گھیلے پہ لعن کر مہجور

..........[1]

۱ - یہاں سے ایک نقل مکمل صورت میں بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے -

نواں باب

بخیلوں کی نقلوں میں

منعمانِ دولتِ زماں اور سخیانِ نعمتِ جہاں کلکِ ذی ہمت سے بیاض تقریر پر یوں تحریر کرتے ہیں کہ ایک بخیلِ بے عدیل کے گھر میں کلانوت پُر فطرت وارد ہوا۔ ایک پہر کامل اس محفل نا قابل میں وہ نائکِ زماں سرود کناں رہا، لیکن اس بخیل بے عدیل نے ایک خر مہرہ بھی اس کے دستِ تہی میں نہ دیا؛ وقتِ برخاست اپنے گھر کے بکاول بے بدل کو حکم دیا کہ ''میاں اس مہمان کو کچھ کھانا کھلا دینا۔'' یہ بات واہیات وہ بد ذات کہہ کر اپنی محل سرا پُر دغا میں جا کر سو رہا اور یہ کلانوت پُر فراست بکاول کے پاس بلا وسواس جا کر کہنے لگا کہ '' بلا لوں اس شخص کا دم مارے بھوک کے دیگ قالب میں دم پخت ہوا جاتا ہے۔ اس دم قدم رنجہ فرما کر دم پخت کا کوئی لقمہ دمڑی بھر مجھ بے دم کو کھلا دیجیے تو میرا دم عدم کو نہ رخصت ہو۔'' یہ گفتار آس دم اس دم‌باز ناچار کی سن کر بکاول کہنے لگا ''اے عزیز با تمیز! اگر اس گھر میں تو انجان سہمان آیا ہے تو ذرا غم کھا، یہاں کے کھانے پینے کا احوال پُر ملال تجھ پر افشا ہو جائے گا، اور بہ قول مرزا سودا میں جگر کباب پر اضطراب کیا کہوں:

نظم

ان کے باورچی خانے کا احوال
چولھے پر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالیں ہیں سر پہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منہ سر پوش
اس خجالت سے دیگچے یک سر
سرنگوں ہی پڑے ہیں چولھے پر
ڈوئی سے دیگچوں کا ہے یہ حال
سینہ کف گیر کا ہوا غربال
کی زمانے نے لاکھ ہی تدبیر
نہ ملا دیگچے سے پر کف گیر
کرے سو عید گنبد گردان
نہ ٹلے ان کے گھر ستی رمضان
سردی مطبخ میں ایسی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے
سنا اس گھر کا یار تو نے حال
مجھ سے کھانے کا پھر نہ کیجو سوال"

یہ سخن دل شکن بکاول بے دل کا سن کر کلانوت نیک خصلت چپ ہو رہا، پر دل میں یوں کہنے لگا: شعر

ہائے کھانے کے عوض اب ہم کو غم کھانا پڑا
دم زدن کی جا نہیں ہے وائے دم کھانا پڑا

الحاصل وہ بے دل، بھوک کا بسمل، پانی کا پیاسا، جی سے نراسا ایک کونے میں سر منہ لپیٹ کر سو رہا۔

بیان سحر : اور جس وقت کاسۂ آفتابِ عالم تاب دسترخوان فلک پر نمودار ہوا ، اس وقت وہ بخیل کم اصل محل سرا سے برآمد ہو کر کلانوتِ نیک خصلت سے کہنے لگا کہ ”تیری مدارات بکاول نے رات کو کیسی کی؟“ یہ کلام نافرجام اس کا گوش زد کرکے وہ کلانوت بولا ”خداوند نعمت! رات کی مدارات کی بات پُر کرامات تو سبحان اللہ لیکن شب کو آپ کے مکانِ عالی شان میں غلام ناکام کو عجیب و غریب زیارت میسر آئی کہ جس کا بیان بیان سے باہر ہے ۔“ وہ بخیل بے عدیل خندہ زن ہو کے کہنے لگا ”اے کلانوتِ نیک خصلت! زیارت پُر کرامت تجھ کو یہاں کیسی حصول بے عدول ہوئی؟“ وہ کلانوت پُر فراست بولا ” قربان جاؤں! غلام نا کام آپ کی الطاف و عنایات سے سیر ہو کر دیوان خانے میں سوتا تھا کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ اس مکان عالی شان کے صحن میں ایک سبز پوش ، ردا بہ دوش ادھر اُدھر ٹہل رہے ہیں ۔ یہ غلام ناکام ان کے رُو بُرو بہ صد آرزو جا کر دست بستہ عرض کرنے لگا ” اے حضرت سلامت ! آپ کون بزرگ ہیں؟ : شعر

جو اس جا پہ تشریف فرما ہوئے “
تو سن کر وہ حضرت یہ گویا ہوئے

”اےعزیز با تمیز! میں حضرتِ رمضان‌المبارک ہوں ، یعنی ایک مہینا تمام خاص و عام مملکت میں رہتا ہوں اور گیارہ مہینے اس قرینے سے کہ جس طرح تجھ پر آج گزری ہے ، اسی طرح اس مکانِ ویران میں رہتا ہوں ۔“ ان کا یہ کلام سن کر غلامِ ناکام قدموں پر سر رکھ کر چاہتا تھا کہ کچھ اپنی حالتِ پُر ملالت عرض کرے کہ یکایک بختِ خفتہ کی بہ دولت اس بد بخت کی آنکھ کھل گئی :

ابیات

نظر آئے پھر وہ نہ حضرت مجھے
گئی بھوک کی بھول شدت مجھے"
کلانوت کی یہ بات سن کر بخیل
ہوا اپنے دل میں نہایت ذلیل
کلانوت کو مہجور صد آفریں
کیا ایسے عمدہ کو جو شرم گیں
جہاں نیک اور بد سے معمور ہے
سخن شیخ سعدی کا مشہور ہے
"بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نہ باشد بہ حکم خبر"

نقل ہے کہ ایک کلانوت صاحبِ فطرت ایک بخیل بے عدیل کے قریب بہ صد تہذیب گیا ۔ ایک پہر کے بعد وہ بخیل بے عدیل پلنگ پر جا کر سو رہا ۔ یہ کلانوت صاحبِ فراست بھی برائے طمع انعام و اکرام بیٹھا رہا ۔ اس عرصے میں جب سب خدمت گار سو رہے اور کچھ اپنے اپنے گھروں کو کھانا کھانے گئے ، یہ کلانوتِ پُر فطرت وقتِ فرصت غنیمت جان کر کچھ مٹھائی خوان میں کسی کسائی جو رکھی تھی ، اس کو کھول کر نوش جان بے گمان کرنے لگا ؛ جب خوب مرغوب طبع سیر ہوا تو ایک طرف کو جا کر چپکے سے سو رہا ۔ بعد انفراغِ خواب وہ بخیلِ ذلیل جو ہاتھ منہ دھو کر مسند نشین ہوا ، ایک بار وہ کلانوت دل فگار سامنے آ کر دو زانو بیٹھ گیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ "خداوند نعمت! آپ تو بہ فراغت استراحت فرما ہوئے کہ یہ غلام ناکام بھی شدت گرما

سے یہیں سو رہا تھا۔" یہ سخن سن کر وہ پُر فن کہنے لگا "اے عزیز با تمیز! تو نے بہت خوب کیا لیکن مجھ بیدار بخت نے آج عجب ڈھب کا خواب انتخاب دیکھا، یعنی اپنے رھوار پر سوار ہوں اور گاھے مغرب میں میرے گھوڑے کا قدم دم بہ دم پڑتا تھا اور گاھے مشرق کا عالم بے خوف و غم دیکھتا تھا۔" یہ کلام اس نافرجام کا سن کر وہ کلانوت پُر فراست بولا "خداوند نعمت! غلام ناکام بھی عجب واردات واھیات میں تھا کہ جس کا بیان کیا کروں؛ بہ قول محمد قائم: شعر

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

یعنی اس مکان دل ستاں میں حضرت سلامت! غلامِ ناکام بہ فراغت سو رہا تھا کہ یکایک دو شخص مہیب بہ صورتِ عجیب آ کر کہنے لگے "اے جوان اس خوان پُر الوان کی مٹھائی کھا جا، نہیں تو مارے تھپیڑوں کے تجھ بد قوام کو مرگ کی چاشنی چکھا دیں گے۔" غلام نا کام نے ہر چند عذر کیا لیکن انھوں نے بہ‌صد پیزارپٹی وہ مٹھائی رکھی رکھائی مجھ کو کھلوائی۔" یہ سخن دل‌شکن سن کر وہ بخیل ذلیل کہنے لگا "اے بد ذات! تو نے اس وقت مجھ کو کیوں نہ جگا دیا؟" اس نے جواب دیا "غلام ناکام ضعیف‌البنیان خداوند آپ کو کہاں پاتا جو عرض‌حال فی‌الحال کرتا، آپ تو کبھی مشرق میں رونق افزا ھوتے تھے اور کبھی مغرب کو تشریف لے جاتے تھے۔

نظم

بھلا اس میں بندے کا کیا ھے قصور
میں نزدیک تھا آپ تھے دور دور"

غرض اس کلانوت سے مہجور خوب
ہوا شرم گیں دل میں وہ پُر عیوب

نقل ہے کہ ایک کلانوت بامروت ایک بخیل بے عدیل کے گھر میں وارد و صادر ہوا ۔ پھر بھر تو اشغال خیال اور دُھرپت کے خیال میں وہ بد خصال بدافعال مصروف رہا ، اس کے بعد بہ قول مرزا سودا :

ابیات

وقت آیا جو اس کے کھانے کا
مرتکب ہو کے اس بہانے کا
لگا کہنے کہ ''کوئی ہے حاضر؟''
بولا اس وقت ڈیوڑھی کا ناظر
بولا اس سے کہ بھر کے افتابا
محل کی جا ضرور میں رکھوا''

المدعا وہ بے حیا محل سرا میں پائے خانے کے بہانے طعام نافرجام زہر مار کر کے باہر آیا ۔ اتفاقاً پلاؤ کا چانول اس بخیل ذلیل کی مونچھ میں لگا تھا ۔ یہ کلانوت چالاک دست سرِ انگشت سے اشارہ کر کے کہنے لگا '' قربان جاؤں! آپ کی مونچھ میں پائےخانہ لگا ہے، دست مبارک سے چھڑا ڈالیے اور اس غلام ناکام کو معاف کیجیے کیوں کہ یہ میراثی خاک روب نہیں ہے جو آپ کے آگے سے گو چھڑا لیتا ۔''

قطعہ

کلانوت کا سن کر یہ کہنا بخیل
ہوا شرم گیں اور دل میں ذلیل

جو مہجور ہوتا نہ ایسا کثیف
تو کیوں اپنی باتوں سے ہوتا خفیف

نقل ہے کہ ایک بخیل ذلیل واہی حالت تباہی میں گھر سے کسی طرف کو راہی ہوگیا تھا اور اس کی جورو نیک خو چرخا زنی کر کے اوقات دن رات بسر کرتی تھی۔ قضاء کار بہ قدرت پروردگار ایک فقیر روشن ضمیر خوش تقریر آس بے دل کے پاس سائل ہوا۔ اس زن نیک خصال بے مال و منال نے اپنے آذوقے کا آٹا اس کو آٹھا دیا۔ یہ احوال پُر ملال اس نیک خصال کا دریافت کر کے وہ فقیر صاحب کہال کہنے لگا کہ ''اے زن پارسا باحیا! تیرا کار دنیوی کیوں کر جاری ہے؟'' یہ بات اس صاحب کرامات والا صفات کی سن کر کہنے لگی ''اے حضرت سلامت! اس شخص کا شوہر شکستہ کمر بہ حالت تباہی کہیں کو راہی ہوگیا ہے۔ یہ روسیاہ پُر گناہ شام و پگاہ چرخا زنی کر کے دن رات اوقات بسر کرتی ہے: شعر

اور کیا تم سے میں کہوں حضرت
تم پہ روشن ہے سب مری حالت''

یہ سخن دل شکن اس عورت نیک بخت کا سن کر درویش خیراندیش نے ایک کشتی بے مثال فی‌الحال جھولی سے نکال کر حوالے کی اور کشتیٔ زبان کو دریائے بیان میں یوں رواں کیا کہ ''اے ہم کنار افلاس بے قیاس! جس وقت تیرے بیڑے پر فکر اخراجات ضروری کی طغیانی ناگہانی موج زن ہو، اس وقت یہ کشتی چوبی دریائے بے آب میں زمین پاک پر رکھ کر یہ دعا مانگنا کہ 'اے صانع کون و مکان و اے مالک دو جہان! بہ حق حضرت خواجہ خضر علیہ‌السلام مجھ کو ایک ہزار دینار

خزانۂ غیب سے عنایت اور کرامت کر !"۔ اے زن پارسا باخدا ، باحیا! اس کشتی بے بہا کے خواص سے تجھ کو ہزار دینار ملیں گے تو تیرے ہمسایوں کو دو ہزار دینار بے تکرار پہنچیں گے ۔"

یہ مژدۂ جاں بخش وہ نیک بخت سن کر کہنے لگی "ازیں چہ بہتر کہ میرے ساتھ اہل محلہ بھی خوش و خرم بے اندوہ و غم ہوں ، تا مجھ پر کوئی رشک و حسد نہ لے جائے ۔" غرض وہ فقیر روشن ضمیر کشتیٔ بے نظیر اس کو دے کر اپنی راہ لگا اور اس کے بعد اس زن پارسا باخدا نے زمین کو لیپ لاپ کر اس کشتی بے بہا کو رکھا اور یہ دعا جناب الٰہی سے طلب کی کہ "اے خالق اکبر! بہ حق حضرت خواجہ خضر اس دل مضطر کو ایک ہزار دینار بلا تکرار خزانۂ غیب سے عنایت اور کرامت کر!" غرض حق تعالیٰ نے اس کی دعا باصفا مستجاب کی ، یعنی ہزار دینار تو اس کو ملے اور دو ہزار دینار سب اہل محلہ کو حصول بہ طور معقول ہوئے ۔ الحاصل اس دولت غیر مترقب کے حاصل ہونے سے ہر ایک اہل محلہ نے اپنے اپنے پختہ مکان عالی شان تیار کیے اور اس زن نیک خصال حور تمثال نے اپنی عمارت رشک جنت ایسی ایک بار تیار کی کہ اگر فرشتہ بھی دیکھے تو یہ کہے : شعر

اگر فردوس بر روئے زمین ست
ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست

اس عرصے میں اس زن پارسا باخدا کا شوہر بہ حالت مضطر ، تباہی کا مارا سرگشتہ و آوارہ اپنے گھر کی طرف جو آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام محلہ جگ جگ کر رہا ہے ۔ یہ عالم وہ قرم دیکھ کر ایک شخص سے پوچھنے لگا کہ "اے بھائی! فلانے

سپاهی کا مکان ویران کہاں ہے؟" بارے ایک آدھ آدمی کے پتا بتانے سے اپنے مکان عالی شان کے پاس آیا اور کچھ اپنے مکان بے نشان کی علامت دریافت کر کے جو گھر کے اندر جانے لگا تو ایک بار اس کے چوکی دار کہنے لگے کہ "اے کنگال بد خصال! کہاں جاتا ہے؟ اگر تو بھیک مانگنے آیا ہے تو باہر سے سوال کر، تیری جھولی دست تمنا کی یہاں کے دست سخاوت سے پُر ہو جائے گی۔" یہ سخن دل شکن چوکی داروں کا سن کر کہنے لگا کہ "اے مردو! میں اس گھر کا مالک ہوں۔" یہ احوال اس کی جورو نیک خصال کے گوش ہوش تک پہنچا تو چقیں پردے چھڑوا کے مکان عالی شان میں بلوایا۔ الحاصل اُس کی نشست و برخاست کی علامتوں سے پہچان کر اس زن پارسا باحیا نے غسل دلوا کر بہ لباسِ نفیس آراستہ و پیراستہ کیا، لیکن وہ بخیل ذلیل اپنے دل میں کہنے لگا کہ 'خداوندا! یہ خواب ہے یا کہ بیداری کہ کبھی ایسا دیکھنے کا اتفاق اس آفاق میں نہ ہوا تھا۔ آخرالامر اپنی جورو نیک خو سے پوچھنے لگا کہ "اے زن باوفا! بہ خدا سچ بتا کہ تمام مکان عالی شان اہل محلہ کے تیری عمارت سے بلند دو چند کیوں کر ہیں اور تجھ کو اے نیک‌خو! یہ دولت و حشمت کہاں سے ہاتھ آئی؟" یہ کلام اس نافرجام کا سن کر اس زن پارسا باخدا نے کشتی دریا نزاد کا احوال نیک مآل اس سے مشروحاً نوک زبان سے بیان کیا۔ اس بات پُر کرامات کے سنتے ہی ایک دوھتڑ جورو کو مار کر کہنے لگا "اے کم بخت سیاہ رخت! تجھ کو چرخا زنی کرنا بہتر تھا لیکن اس قدر محلے کو مالا مال نہ کرنا تھا:

نظم

خیر جو کچھ کہ اب ہوا سو ہوا
لیک کشتی کو میرے پاس تو لا
دیکھوں کیسی وہ پُر کرامت ہے
کشتی کیا ہے کہ بیخ دولت ہے"

الغرض اس کشتی بے بہا کو زمین پاک پر رکھ کر وہ ناپاک کہنے لگا " اے خالق اکبر! برائے حضرت خواجہ خضر میرے دو مکان مع سائبان دریائے لامکان میں ڈوب جائیں!" غرض اس بوم شوم کے تو دو مکان ویران ہوگئے اور اہل محلہ کے چار چار مکان بے نشان ہوگئے ۔ دوسرے روز وہ جگر سوز کشتی کو آگے رکھ کے کہنے لگا کہ " اے ذات باری! بہ‌حق خواجہ خضر اس شخص کے گھر میں آس پاس پچاس کوئیں ہو جائیں!" علی ھذالقیاس اس کے گھر میں پچاس کوئیں ہوگئے ، اوروں کے گھروں کے گرد سو سو کوئیں بے چاہ اور بے خواہش کھد گئے ۔ غرض تیسرے روز وہ غم اندوز یوں کہنے لگا کہ " اے صانع جن و بشر! برائے حضرت خواجہ خضر اس شخص کی ایک آنکھ اور ایک کان دور ہو جائے!" غرض تمام اہل محلہ اندھے اور بوچے ہوگئے ۔ آخرش سب اہل محلہ زچ ہو کر کہنے لگے کہ "یارو یہ بڑا غضب پُرتعب ہے کہ اس ملعون ذوفنون کا تو ایک نقصان ہوتا ہے اور ہمارے دو بڑے زیان ہر زمان ہوتے ہیں ۔" القصہ سب اہل محلہ مجتمع ہو کر اس بخیل ذلیل کے پاس آ کر کہنے لگے " اے عزیز باتمیز! اس حرکت ناشائستہ سے باز آ ، کیوں کہ ہم ناحق پائمال الم ہوئے جاتے ہیں ۔" تب وہ بخیل ذلیل بولا کہ "بھائیو! یہ کیا غضب پُرتعب ہے کہ مجھ کو ایک ہزار دینار ملیں اور تم کو دو دو

هزار دینار ملیں؟ : شعر

هائے اس رشک سے نہ کیوں کر آہ
حال مجھ خستہ حال کا ہو تباہ"

یہ سخن دل شکن سن کر اہل محلہ کہنے لگے " اے عزیز ناچیز! وہ جو دولت غیر مترقب ہم لوگوں کے پاس تجھ خناس سے دو چند بلکہ سہ چند ہے، اس کو بہ خوشی و خرمی ہم سے لے اور اس کشتیٔ دریائے بہشتی کو حضرت خواجہ خضر کے نام ناؤ بنا کے چھوڑا دے" غرض اس بخیل ذلیل نے طمع زر نقد اور رشکِ اہلِ محلہ سے کہ مالِ بے زوال اس سے دو چند پاتے تھے، اس کشتیٔ بے بہا کو ایک دریائے ناپیدا کنار میں بہا دیا :

ابیات

و لے شیخ سعدی کا مہجور یہ
سخن سب جہاں میں ہے مشہور یہ
"سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غم سیم و زر می خورند"

نقل ہے کہ ایک بخیل بے عدیل سے ایک عزیز باتمیز نہایت موانست رکھتا تھا۔ اتفاقاً اس عزیز باتمیز کو سفر در پیش ہوا ؛ اس بخیل ذلیل کے قریب آ کر کہنے لگا "اے یار وفا دار! یہ کنگال دل فگار برائے سفر وسیلۃ الظفر تجھ سے رخصت اس وقت ہونے آیا ہے مگر بہ قول نخشبی :

قطعہ

نخشبی تو فراق مرگ بداں　　شاخ مارا بریست برگ دگر
گر چہ یک مرگ بر ہمہ دانند　　فرقت دوستاں ست مرگ دگر

اے دوست دل نواز و اے یار محرم راز! اپنی انگشتری طلائی کار مینائی کی مجھ کو عنایت بہ صد بشاشت کر تو میں اس کو بجائے نشانی تا بہ زندگانی اپنے پاس رکھوں اور جس وقت اس کو دیکھوں، تجھ کو دل سے یاد کروں، تا تشفی خاطر فاتر مجھ دور افتادہ غم آمادہ کی ہو۔" اس کے جواب میں وہ بخیل ذلیل کہنے لگا "اے دوست صادق و اے یار واثق! کچھ اس انگشتری کی احتیاج نہیں ہے؛ اگر تجھ کو مجھ کو با دل شاد یاد کرنا ہوگا تو اپنی انگلی کو خالی دیکھنا تو کہنا فلانے یار غمخوار سے میں نے انگوٹھی طلب کی تھی، اس نے نہ دی: مثل

برائے یاد کردن مایان ہمیں نکتہ بس ست

مگر وہ بخیل ناقص الدلیل قول نخشبی کو نہ سمجھا:

قطعہ

"نخشبی یار خوش کجا یابند
خدمت یار کن ولے از حد
اہل تحقیق خود چنیں گویند
یار نیکو بہ از قرابت بد"
آشنائی کے حق کو اے مہجور!
پر سمجھتا نہیں کوئی مغرور

نقل ہے کہ ایک بخیل ذلیل جس وقت کھانا زہر مار کرنے کو بیٹھتا تو یہ بات واہیات کہتا کہ "میرے سامنے سے بھیڑ بھاڑ چھوڑ دو۔"

غرض ظرفہ تر سنیے یہ ماجرا
کہ اک آدمی پر یہ کہتا سدا

القصہ ایک روز نوکر حیرت اندوز نے کھانا کھانے کے وقت ایک ڈھیلا بڑا سا قاب رشک آفتاب میں مارا اور اس طرف سے منہ پھیر کر چپ کھڑا ہو رہا ۔ یہ ماجرائے طُرفہ برملا دیکھ کر وہ بخیل ذلیل کہنے لگا ''اے ملعون ذوفنون! تو نے میری چینی کی رکابی خاصی کیوں سنگ شرارت سے توڑی ؟'' یہ کلام با دشنام سن کر وہ خدمت گار زبان طرّار کہنے لگا :

نظم

''میں کیا جانوں کس نے دریں اژدحام
شکستہ کیا ہے یہ ظرفِ طعام

جو ہوتی نہ ہر روز یہ بھیڑ بھاڑ
تو کرتا پکڑ کر اُسے مار دھاڑ''

سخن اپنے نوکر کا سن کر بخیل
لگا کہنے ''نوکر ہے یہ پُر دلیل

اسے نوکری سے چھڑا دیجیے
اور اس کے عوض اور رکھ لیجیے''

غرض اس نے مہجور یوں ہی کیا
عوض اس کے اور آدمی رکھ لیا

نقل ہے کہ ایک بخیل ابن عزازیل پاؤ سیر آٹا لے کر دو روٹیاں ایسی پکواتا کہ ایک روٹی چھوٹی روغنی اور دوسری سادی ؛ ان دونوں کو پکوا کے ایک رکابی سفالی میں رکھ کر روکھی سوکھی زہر مار کر کے خدمت گار کام گار کو اس میں سے ذرا بھی نہ دیتا اور کھانا کھانے کے بعد کہتا ''اے خدمت گار غم خوار! یہ رکابی شتابی دھو کر طاق براق میں

رکھ دے۔'' یہ کلام نافرجام سن کر خدمت گار زبان طرار جی میں کہنے لگا کہ 'خشک رکابی کے دھونے سے کیا حصول جو یہ نا معقول دھلواتا ہے۔' غرض چار و نا چار وہ خدمت گار ''الامر فوق الادب'' کے موافق حکم بجا لاتا اور سچ یہی ہے ''خاوند جوں کا بھی بُرا ہوتا ہے'' : شعر

یہی جان کر دل میں وہ آدمی
نہ کرتا کوئی نے عدولی کبھی

غرض اس بخیل ذلیل کا یہی کلام مدام تھا کہ کھانے کے بعد اس رکابی سفالی کو دھلواتا۔ اتفاقاً ایک روز وہ نوکر غم اندوز کچھ بھوکا اور پیاسا بیٹھا تھا کہ اس میں اس بخیل ذلیل نے کہا ''اے خدمت گار غم خوار! اس رکابی عنابی کو دھو کر طاق براق میں رکھ دے۔'' یہ بات واہیات اس بد ذات کی سن کر خدمت گار زبان طرّار کہنے لگا ''اے صاحب! کیا اس رکابی خالی میں گُو بھرا ہے جو اسے دھو کر رکھ دوں ؟''

قطعہ

وہ ممسک یہ نوکر کا سن کر جواب
نہایت ہوا دل میں جل کر کباب
جو مہجور ایسا نہ تھا وہ بخیل
تو باتوں سے اپنی ہوا کیوں ذلیل

نقل ہے کہ ایک منحوس مکھی چوس اپنی اوقات دن رات ایک پیسے میں بسر کرتا لیکن ایک اور شہر میں ایک خسیس حریص اس سے بھی زیادہ سکونت رکھتا تھا۔ اتفاقاً وہ خسیسِ حریص اس منحوس مکھی چوس کی نحوست کا شہرہ سن کر

به صد مسافت اس منحوس مکھی چوس کے پاس آیا اور صرف اوقات کا پرسان ہوا ۔ وہ منحوس مکھی‌چوس کہنے لگا ”اے عزیز با تمیز! سچ تو یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے دولت پُر نعمت بزرگوں کی میرے صندوق نحوست میں اس قدر دی ہے کہ اگر ہزار برس اس کو بیٹھا کھاؤں تو بھی کم نہ ہو ، لیکن میں نے تو اپنی اوقات دن رات کی ایک پیسے پر اس طور سے رکھی ہے کہ پون پیسے کا آٹا اور ادھی پکوائی ادّھی کا شوربا یا گڑ لے کر کھانا اور بہ خوبی چین سے سو رہنا ۔“ یہ کلام اس نافرجام کا سن کر وہ بد انجام بولا ”اے تو نہایت فضول خرچ ہے : شعر

یعنی ہر روز کھائے اک پیسا کہیں دیکھا ہے بدمعاش ایسا“

یہ سخن دل شکن سن کر وہ منحوس مکھی چوس کہنے لگا ”اے یار غم خوار ! تو اپنی اوقات واہیات کا بیان کر کہ تو کس طرح شب و روز بسر کرتا ہے؟“ وہ خسیس طبع حریص جواب دہ ہوا ”اے بد شعار نا ہنجار! اپنا یہ چلن پُر محن ہے کہ ایک پیسا اور ایک رومال بے مال لے کر نکلتا ہوں اور بقّال کوٹھی دال سے اس پیسے کا آٹا رومال بے مال میں لے کر ایک لمحے کے بعد وہ آٹا خاصا واپس کر دیتا ہوں ، لیکن اس رومال بے مال میں جس قدر آٹا لگ رہتا ہے ، اس کو الگ گوشے میں بیٹھ کر جھاڑ لیتا ہوں ، پھر اس رومال میں اور بقال نیک اعمال کی دکان سے آٹا لیتا ہوں ، ایک دم کے بعد اس کو بھی پھیر دیتا ہوں اور اس رومال میں پیسا ڈال کر بہ‌خوبی جھاڑ لیتا ہوں ۔ غرض اسی شکل سے پھر دو تین پہر پھرتا ہوں اور ہر ایک سے آٹا لیتا ہوں اور واپس کر دیتا ہوں ؛ اس عرصے میں جب میرے آذوقے کے موافق آٹا خاصا جمع ہو جاتا

ہے تو ایک بقال سے نمک بے دھڑک ذرا سا مانگ کے دریا کے کنارے جاتا ہوں ، لیکن اس عرصے میں جب تک آٹا لیتا ہوں ، تب تک راہ باٹ کی لکڑیاں چھپٹیاں چن چن کر جمع کرتا جاتا ہوں ۔"

الحاصل لب ساحل اس آٹے کو دریا کے پانی سے گوندھ کر ان لکڑیوں کی آنچ میں موٹی چھوٹی روٹی پکا کر بغل میں داب کر ہر ایک گلی کوچے میں پھرتا ہوں ۔ جس وقت کہیں دال کے بگھار یا گوشت بھوننے کی بو باس میری ناک ہوش ناک میں آتی ہے ، وہیں بیٹھ کر بہ لذت تمام اپنا طعام کھا لیتا ہوں :

مثنوی

میری تو اس طرح سے ہے اوقات
لیک تو بدمعاش ہے ہیہات"
سن کے منحوس اس کی یہ تقریر
بولا "میری معاش ہے توقیر
سچ تو یہ ہے کہ تجھ سا دنیا دار
میں نے دیکھا نہیں کوئی اے یار!"
بس کہ مہجور کُو بہ کُو ہر سُو
کہے لعنت ہے بر تُریٔ و کدو

نقل ہے کہ ایک منحوس مکھی چوس اور خسیس حریص سے بہم ملاقات جو ہوئی تو آپس میں اپنی اپنی اوقات واہیات کا احوال وہ بد اعمال بیان کرنے لگے ۔ پہلے تو منحوس مکھی چوس بہ صد فخر یہ بولا کہ "اے یار غم خوار! میں ناکام ایک چھ دام کا گھی شیشی میں بھر کر رکھتا ہوں ، ایک برس کے بعد پھر لیتا ہوں اور اس کو اس طرح صاف کرتا ہوں کہ جس

وقت کھانے کا وقت آتا ہے تو اس گھی کی شیشی کو کھچڑی میں گاڑ دیتا ہوں اور اس کی بو باس بے قیاس سے کھچڑی بہ شوق تمام نوش جان کرتا ہوں ، مگر لقمۂ اخیر میں بلا تاخیر ایک رتی وہ گھی ماشاء اللہ البتہ لگا کر کھاتا ہوں ۔ غرض ایک سال پُر ملال کے زوال کے بعد وہ گھی خرچ ہو جاتا ہے ؛ پھر شروع سال یہ بد خصال آور دھیلے کا گھی مخفی خرید کرتا ہے :

ابیات

یہ سن کر چلن آس بد اعمال کا
لگا کہنے ”تو ہے بُری چال کا
چلن والوں کی اس طرح سے معاش
نہیں ہم نے دیکھی کہیں فاش فاش

”اے عزیز ـ تمیز ! اپنا تو یہ چلن پُرفن ہے ، یعنی کھانا کھانے کے وقت لقمہ بناتا ہوں اور گھی کی منڈی کی طرف دکھا کے کھا جاتا ہوں ـ اے یار غم خوار! اس شہر غدّار میں ایسے بڑے بڑے لونڈے گھی کے ہر لقمے کے ساتھ بے آفات کھانے میں آتے ہیں کہ جس کے بیان میں چرب زبانی نہیں ہو سکتی ـ“

ابیات

یہ سن کر وہ منحوس کہنے لگا
”چلن والا تجھ سا نہیں دوسرا
ترے سامنے واقعی اے عزیز!
چلن میں نہایت ہوں میں بے تمیز“
ہمارا تو مہجور ہے یہ مقال
سگ زرد یہ ہے تو وہ ہے شغال

نقل ہے کہ ایک عورت خسیس حریص ایک زنِ پارسا با حیا کو رشتہ داری قرابت کے باعث سے اپنے گھر میں وہ غیبانی برائے مہمانی لائی ۔ دو چار گھڑی کے بعد کہنے لگی ''اے بی‌بی ! کچھ کھانا کھا تو تیرے واسطے پکواؤں ، اور مجھ کو تو ابھی بھوک نہیں ہے ۔'' وہ زن پارسا با حیا کہنے لگی ''اے بی‌بی ! ابھی کیا جلدی ہے، جو کچھ گھر میں پکے گا میں بھی وہی کھا لوں گی ۔'' یہ سن کر وہ عورت پُر فطرت چپ ہو رہی ؛ بعد گفتگوئے بسیار وہ زن مکار بولی ''اے بی‌بی ! دوپہر تو ہونے آئی ، اب تیرے واسطے کہہ تو گوشت وغیرہ منگوا کے پکوا لوں ؟'' اس میں وہ زن پارسا با حیا کہنے لگی ''کیا مضائقہ ہے ۔'' یہ کلام وہ نافرجام سن کر کہنے لگی ''تو کچھ کھائے گی نہ پیے گی ، میرا کھانا ناحق پکا پکایا خراب ہو جائے گا ۔'' یہ کہہ کر وہ عورتِ پُر فطرت پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی ۔ اس میں وقت اختتام شام کا ہونے لگا تو پھر وہ عورت بد خصلت کہنے لگی ''اے بی‌بی ! اب بھی کچھ نہیں گیا مگر گوشت تو اس وقت نہ بہم پہنچے گا ، اگر کہہ تو بھونی کھچڑی میں دلِ بریان تیرے واسطے پکا لوں ؟'' اس زنِ پارسا با حیا نے کہا ''کیا مضائقہ!'' پھر یوں جواب دہ ہوئی کہ ''بی‌بی تو کچھ کھائے گی نہ پیے گی ، یوں ہی بے دلی سے کہتی ہے ، میرا کھانا خاصا ناحق خراب ہو جائے گا ۔'' قصہ مختصر اُس بے چاری آفت کی ماری کو دو روز کامل اسی لیت و لعل میں رکھا لیکن کھانا ذرا بھی نہ پکوایا ؛ تیسرے روز اس زن جگر سوز سے کہنے لگی ''اے بی‌بی! آج تین دن ہوئے ہیں کہ تو نے پان اور پانی کے سوا کھانا نہیں کھایا ، اگر آج کہو تو روکھی روٹی گھی چپڑی شکر سے تیار کروں ؟

بھلا اسی کو ذرا منہ میں ڈال لینا ، اتنا تملق اے رشک حور! کیا ضرور ـ'' یہ بات واہیات سن کر وہ نیک صفات کہنے لگی ''اے ناپاک ، زنِ چالاک! :

ابیات

نــا پــکتی ہے نــا کھلاتی ہے
بات نا حق کو کیوں بناتی ہے
تُو وہ عورت خسیس ہے بے پیر
طفل کو رکھے جو سدا بےشیر

یہ سخنِ دل شکن اس زنِ پارسا باحیا کا سن کر کہنے لگی ''اے بی بی ! تو بھی اپنا پرایا کتنا سمجھتی ہے ؛ کب تو نے کہا اور کب مجھ نا شدنی نے تیرے واسطے کھانا نہ پکوایا ؟'' تب وہ زنِ پارسا با خدا خفا ہو کر بولی ''اے کم بخت زبان سخت ! کہیں بھی سنا ہے کہ انسان یا حیوان بے کھانا کھائے رہتا ہے ـ کیا تجھ کو نہیں سوجھتا تھا و یا آنکھوں سے اندھی ہے ، اور اس کے سوا جب تو نے کھانا پکوانے کو کہا ، میں نے کہا 'کیا مضائقہ' تو تُو وہیں زبان خست دراز بے انداز کر کے بولتی تھی کہ 'نہ کچھ کھائے گی نہ پیے گی ، یوں ہی بے دلی سے کہتی ہے ـ'' اس کے جواب میں پھر وہ عورت پُر فطرت بولی کہ ''اے بی بی ! میں نگوڑی نہ جانتی تھی کہ تو سچ مچ کہتی ہے لیکن خیر اب تیرے واسطے کھانا معقول معقول پکواتی ہوں ، دیکھوں تو کہاں تک کھاتی ہے ـ'' یہ کلام اس نافرجام کا سن کر وہ زنِ پارسا دل صفا کہنے لگی کہ ''اب کچھ احتیاج اس بد مزاج کو کھانا کھانے کی نہیں ہے کیوں کہ طے کا روزہ طے ہو چکا ، اب میں اپنے گھر جا کر افطار کر لوں گی ـ'' اس کے جواب میں کہنے لگی

"خیر بی‌بی ! جس طرح تیرا جی چاھے تو وھی کر ، کیوں کہ تو نہایت تنک مزاج ھے ؛ تیری خفگی بے دلی مجھ کو منظور نہیں لیکن برائے خدا ذرا پھر یہاں تشریف فرما ھونا کیوں کہ میں نے تیری خدمت‌گاری بہ دل داری نہیں بجا لائی ۔" یہ بات واھیات سن کر وہ زن کہنے لگی "اے بی‌بی ! :

نظم

جو تیرے گھر میں میہان آئے
کھانے کی جا وہ آہ غم کھائے
آخرش کو وہ زن خفا ھو کر
بھوکی پیاسی گئی بس اپنے گھر
پھر نہ مہجور وہ کسی کے یاں
اپنے بے گانوں میں گئی مہماں

در خاتمۂ کتاب گوید

بہ فضل ملک الوہاب یہ کتاب انتخاب مرتب بہ نُہ باب پُر از حکایات نایاب مسمی 'انشاء نورتن' رشک چمن مہجور دل رنجور، پُر قصور، بے شعور نے اختتام کی ، لیکن دوستان صادق اور محبان واثق کی خدمت فیض درجت میں عرض ہے کہ اس انشاء لیلیٰ نزاد کو ناقۂ قرطاس پر محمل نشیں کر کے طبع وحشت زدہ نے وادیٔ عبارت پُر فصاحت میں مجنوں صفت ساربانی با مہار معانی کی ہے ، جس جا کام ناکام اشتر الفاظ کا غلطی سے پہلو تہی پڑے تو اس کو دست شفقت سے بہ حد صحت پہنچاویں اور اگر اس گلدستۂ نورستہ کی سیر بہار سے دل کو فرحت ہو تو اس رو سیاہ پُر گناہ کے حق میں دعائے خیر کریں تاکہ بہ وسیلۂ نجات عالی درجات سے یہ دل افسردہ مثلِ گل پژمردہ باغ جناں میں سایۂ طوبیٰ کے ہمسائے میں سرسبز ہو ؛ بہ قول جامی علیہ الرحمہ :

ابیات

ہر کہ خواند طمع دعا دارم   زانکہ من بندۂ گنہ گارم
آنکہ مارا کند بہ نیکی یاد   نام او در جہاں بہ نیکی باد!

قطعۂ تاریخِ ختمِ کتاب

بس اے مہجور! لے کلک زباں تھام
ارے کچھ فکر تجھ کو اور بھی ہے

جو کچھ لکھنا ہے تجھ کو لکھ لے جلدی
کہ یہ ہستی مقام نیستی ہے
لکھا رہتا ہے قائم تا قیامت
محرّر کی اجل سر پر کھڑی ہے
اسی ہی فکر میں بیٹھا تھا خاموش
کہ تاریخ اس کی لکھنی واجبی ہے
یکایک غیب سے آئی ندا یوں
یہ[1] انشا پُر فصاحت کیا لکھی ہے

۱۲۳۰ھ

قطعۂ تاریخ مسرور ہمشیر زادۂ مہجور در ختم کتاب

مہجور نے یہ قصہ نو باب کا رقم کر
بازوئے شاعری کا اک نورتن کیا ہے
سن سن کے گوش دل سے لعلِ سخن کو اس کے
جو ہیں مقیم معنی کہتے ہیں مرحبا ہے
تاریخ سال اس کی مسرور نے جو چاہی
دریائے طبع سے کچھ نکلے اگر بجا ہے
یک بار غیب سے بس آئی ندا کہ اس کا
انشائے[2] نورتن ہے کیا نام بے بہا ہے

۱۲۳۰ھ

۱، ۲ - مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ کے ایڈیشن میں دونوں جگہ تاریخ کا سن ۱۲۶۹ھ نکالا ہے جو غلط ہے، صحیح سن ۱۲۳۰ھ ہے -

قطعۂ تاریخ نوازش علی خاں متخلص بہ ضبط

مہجور نے عبارت ہندی میں اک کتاب
رنگین کے فسانوں سے جوں سطحۂ چمن
اس نسخے کے رکھے ھیں جو نو باب اس لیے
''انشاء نورتن'' اسے کہتے ھیں مرد و زن
تاریخ خاتمہ یہ کہی اس کی ضبط نے
بے داد[1] بے عدیل ھے انشائے نورتن[2]

۱۲۳۰ھ

---

۱ - نسخہ مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ میں 'پیداو' ھے -
۲ - مطبع محمدی بمبئی ۱۳۱۱ھ کے ایڈیشن میں تاریخ کا سن ۱۲۶۹ھ نکالا گیا ھے جو غلط ھے، صحیح سن ۱۲۳۰ھ ھے -